﴿جلد اوّل﴾

تصوف کا مکمل

انسائیکلو پیڈیا

شیخ طریقت علامہ محمد اجمل خان مصطفائی

حنفی نقشبندی چشتی اویسی قادری

(ایم اے اسلامیات، ایم اے پولیٹیکل سائنس، ایم اے مطالعہ پاکستان، تاریخ)

خانقاہ نقشبندیہ چشتیہ اویسیہ چھوہر شریف، ہری پور ہزارہ

خیبر پختونخواہ پاکستان

0335-9075053, 0321-9844727

نام کتاب	:	تصوف کا مکمل انسائیکلو پیڈیا
جلد	:	اوّل
مصنف	:	پیر طریقت علامہ محمد اجمل خان مصطفائی حنفی نقشبندی چشتی اویسی قادری مجددی
کتابت	:	جہانگیر خان نقشبندی
صفحات	:	458
سن طباعت	:	2017
تعداد	:	________
ناشر	:	مکتبہ________
قیمت	:	________ روپے

بیت اللہ تعالیٰ

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۝ ۱؎

ترجمہ کنز الایمان: بے شک سب میں پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سب جہان کا رہنما۔

لبیك اللّٰھُمَّ لبیك　　　لبیك لا شریك لك لبیك

۱؎ (سورۃ الِ عمران، پ۴، آیت ۹۶)
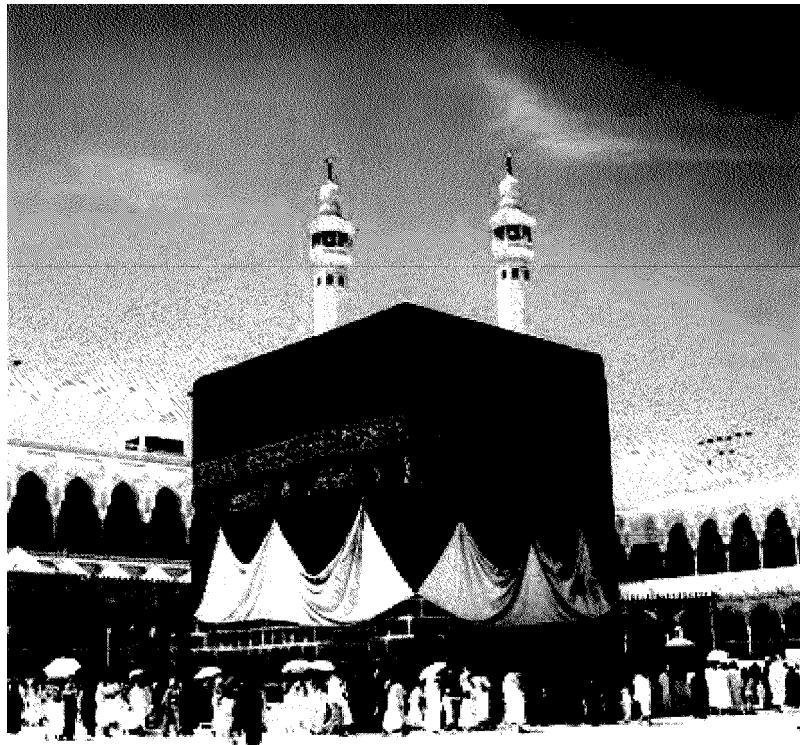
روضہ مبارک رسول اکرم ﷺ

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا [1]

ترجمہ کنز الایمان: اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب ﷺ تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ﷺ انکی شفاعت (سفارش) فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　　عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ

[1] (سورۃ النسآء پ۴، آیت ۶۴)

یارسول ﷺ حبیب خالق یکتا توئی
برگزیدہ ذوالجلال پاک بے ہمتا توئی

یارسول اللہ تو دانی امت آنت عاجز اند
عاجزاں رار ہنماو پیشوائے ماتوئی

نازنین حضرت حق صدر و بزم کائنات
نور چشم انبیاء چشم و چراغ ماتوئی

شمس تبریز چہ داند، نعمت تو پیغمبر زند
مصطفٰے و مجتبےٰ و سید اعلیٰ توئی ﷺ

(حضرت شمس تبریزیؒ)

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمد ﷺ شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

(حضرت امیر خسروؒ)

فہرست

تاثرات از محترم حضرت علامہ مولانا مفتی صاحبزادہ مخدوم محمد موسیٰ جان محمدی صاحب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلیٰ عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفیٰ اَمَّا بَعۡدُ:

کتاب تصوف کامکمل انسائیکلو پیڈیا کے مطالعہ سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ ہر موضوع پر قرآن وسنت کی روشنی میں بحث کی گئی ہے اور تصوف وطریقت کو شریعت اسلامیہ کا لازمی جزو ثابت کیا گیا ہے۔شریعت میں طریقت روح کی حیثیت رکھتی نظر آتی ہے۔کتاب میں بیان شدہ عقائد و نظریات اہلسنت وجماعت کے عقیدہ کے عین مطابق ہیں۔اس لیے مسلمانوں خصوصًا صاحبان طریقت کے لیے یہ کتاب بے حد مفید ہے اور رہنمائی کا بہترین ذریعہ ہے۔

رهبر شریعت و طریقت

حضرت علامہ مولانا مفتی صاحبزادہ مخدوم محمد موسیٰ جان محمدی صاحب

خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ، پشاور

0300-9027731

0334-9436904

تاثرات از محترم حضرت علامه مولانا قاضی غلام کبریا نقشبندی مجددی صاحب

میں نے آج ۲ رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ کو جناب محمد اجمل خان سے مسودہ کتاب تصوف کا مکمل انسائیکلو پیڈیا جتھہ کی صورت میں وصول کیا اور اس کا مطالعہ بھی شروع کیا۔ میں جو ہوں (من آنم کہ من دانم) میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب میرے جیسے کمزور لوگوں کے لیے ایک عظیم تحفہ ہے اور تصوف کے مبتدیوں کے لیے اور منتہیوں کے لیے اس میں رہنما اصول بیان ہوئے ہیں۔ اصل صورت حال کتاب شائع ہونے کے بعد شائقین اور قارئین ہی کی رائے سے ظاہر ہو سکے گی۔

چند الفاظ جو میں لکھنے کے قابل تھا لکھنے کی جسارت کی۔ امید کرتا ہوں کہ بندہ کی کمزوریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے معاف فرمائیں گے۔

فقیر قاضی غلام کبریا نقشبندی،

خانقاہ درویش شاہراہ قراقرم، خطیب جامع مسجد محمدیہ غوثیہ محلّہ خاناں والا، درویش ہری پور ہزارہ

۴ رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ، ۵ اگست ۲۰۱۱

0333-5083242

تاثرات از محترم افتخار احمد خان صاحب

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ تعالیٰ سبحانہ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ کتاب تصوف کا مکمل انسائیکلوپیڈیا کا مطالعہ کرنے کی توفیق عطا ہوئی۔ اس کتاب کا مطالعہ عشق حقیقی کی چنگاری کو آتش فشاں بنا دیتا ہے۔ کتاب کے مضامین کی نورانیت کو باطنی مشاہدہ سے حقانیت پر مبنی محسوس کرتا ہوں اور نور فراست سے ظاہر حقیقت کو چھپانا اس لیے مناسب نہیں سمجھتا کہ اس میں سب مسلمانوں کی بھلائی ہے۔

پیر طریقت رہبر شریعت

افتخار احمد خان صاحب

خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ مانگل شریف،

ایبٹ آباد

0321-9721430

الاهداء

وارث کمالات محمدیہ — برہان ولایت محمدیہ

شیخ الاسلام والمسلمین — قُدوۃُ السالکین امام العارفین

سیدی و مرشدی شیخ المشائخ مخزن الحقائق **حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی بخاری** کے حضور ناز میں بصد شوق وانکسار ارمغان نیاز پیش خدمت ہے جن کے روحانی حکم کی برکت سے عطائے ربانی کے ایسے دروازے کھلے کہ مجھ ناچیز سے کتاب تصوف کا مکمل انسائیکلوپیڈیا کی ناممکن تحریر وقوع پزیر ہوئی ورنہ مجھ جیسے عاجز شخص کی دسترس سے یہ بالکل باہر تھا کہ روحانیت جیسے حساس موضوع پر قلم اٹھاؤں۔ وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

اَلْحَمْدُ وُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔

شیخ طریقت علامہ محمد اجمل خان مصطفائی حنفی مجددی اویسی چشتی

خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ، چھوہر شریف ہری پور ہزارہ پاکستان

0321-9844727 0335-9075053

۲۹ رمضان ۱۴۳۲ھ،

۳۰ اگست ۲۰۱۱ء

بفیضان صحبت

مرشدی و مخدومی حافظ الطریقۃ العالیہ نقشبندیہ، جامع جمیع سلاسل ولایت، امیر شریعت وطریقت، برہان حقیقت، قطب ارشاد، شیخ المشائخ

حضرت خواجہ محمد لعل حنفی مدظلہ العالی

المعروف حضرت استاد صاحب مبارک،

خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ، پشاور

مقدمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم۔

تمام تعریف وتوصیف اور حمد وثناء اس خالق کائنات کے لیے ہے جس نے انسان کو اپنی تخلیق کا شاہکار بنایا اور احسن تقویم کا جامہ پہنا کر وَلَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ کا تاج سر پر سجا کر خلیفہ الارض کے مرتبہ سے نوازا۔

بے حد و بے حساب اور انگنت درود و سلام ہوں آقائے نعمت ، جانِ جہاں، ختم المرسلین، سیدالکونین ، احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ ﷺ پر جنہوں نے بنی نوع آدم کو شرف انسانیت سے آگاہ کیا، بے خبر انسانوں کو کمال شفقت ومحبت سے اپنی قربت وصحبت میں لے کے مشاھدہ انوار الٰہی کے جلوے بھی کرائے اور بندگی کے رازوں سے آگاہ کر کے منزل مقصود کا تعین بھی فرمایا۔

اور سلام عقیدت ومحبت ہو آپ ﷺ کے تمام آل واصحاب رضوان اللہ علیھم اجمعین پر جنہوں نے رات، دن اور صبح وشام والضحیٰ کے مکھڑے کی ضیاء پاشیوں اور الم نشرح کے سینے سے اکتساب فیض کیا اور نگاہ نبوت سے استفادہ کر کے رہتی دنیا کے لیے نجوم ھدایت، امان لاھل الارض اور کشتی نوح کی مثال بنے اور پھر تاریخ انسانیت نے کھلی آنکھ سے دیکھا کہ وہ صدیق اکبرؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، حیدر کرار علی المرتضیٰؓ، سیدنا بلالؓ، ابوذر غفاریؓ، سلمان فارسیؓ اور سیداشباب اھل الجنۃ امام حسنؓ اور امام حسینؓ بن کر چمکے۔

آج انسان پھر اپنے راہ حق سے ہٹتا جا رہا ہے اور اپنی حقیقت سے بے خبر ہو گیا ہے اور کامیابی کے لیے تنکوں کے سہارے لے کر منزل کی طرف ناپختہ پگڈنڈیوں پر چل پڑا ہے جس کا انجام بہت خطرناک ہے۔

دراصل انسان کی خیر وشر، علاج و بیماری، ناکامی وکامیابی اس کے اندر ہی ہے۔ یہ چھوٹا سا وجود نہیں بلکہ اس میں تو جہاں آباد ہیں۔ جیسا کہ فرمان خداوندی ہے:

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰت" لِّلْمُوْقِنِیْنَ o وَفِیْ اَنْفُسِكُمْ ط اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ o [1]

ترجمہ کنزالایمان: اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کو اور خود تم میں (یعنی تمھارے نفسوں میں) تو کیا تمہیں سوجھتا (دکھائی) نہیں دیتا؟

مگر ہم اندر جھانکتے نہیں ہیں۔

سیدالاولیاء، امام المتقین، مولائے کائنات حضرت مشکل کشا حیدر کرار سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا [2]:

۱۔ دَوَاءُكَ فِیْكَ وَمَا تَشْعُرُ ‌ وَدَائُكَ مِنْكَ وَمَا تُبْصِرُ۔

ترجمہ: تیری دوا تیرے پاس ہے اور تجھ کو خبر نہیں اور تیری بیماری تجھ ہی سے پیدا ہوتی ہے اور تو دیکھتا نہیں۔

۲۔ وتَحسَبُ اَنَّكَ جِرم" صَغِیر ‌ وَفِیْكَ اِنْطَوَی العَالَمُ الْاَكْبَرُ۔

ترجمہ: اور تو خیال کرتا ہے کہ تو عالم اصغر ہے حالانکہ تجھ میں عالم اکبر سمایا ہوا ہے۔

۳۔ وَاَنْتَ الْكِتٰبُ الْمُبِیْنُ الَّذِیْ ‌ بَا حُرُفِهٖ یَظْهَرُ الْمُضْمَرُ۔

ترجمہ: اور تو ہی وہ واضح کتاب ہے جس کے حروف سے پوشیدہ راز ظاہر ہوتے ہیں۔

۴۔ فَلَا حَاجَةَ لَّكَ فِیْ خارِجٍ ‌ یُخَبِّرُ عَنْكَ بِمَا سُطِّرُ۔

ترجمہ: تجھ کو خارج کی ضرورت نہیں ہے جو تیرے متعلق لکھی ہوئی باتوں کی خبر دے۔

---

[1] (سورۃ الذٰریٰت، پ۲۶، آیت ۲۰ تا ۲۱)، [2] (دیوان علی۔ ص۶۴)

آج کے اس پرفتن دور میں انسان کی روحانی گراوٹ اور تنزلی کی کئی وجوہات میں سے دو بڑی وجوہات یہ ہیں۔

۱۔علم حقیقی سے محرومی ۲۔نیک لوگوں کی صحبت کا فقدان

۱۔علم حقیقی سے محرومی:

آج ذرائع علم جتنے زیادہ ہیں پہلے وقتوں میں اتنے نہ تھے۔اس کے باوجود کہ معلومات دن بدن افزوں تر ہوتی جارہی ہیں، علم ناپید ہوتا جارہا ہے۔آپ اس جملے سے حیران ضرور ہوں گے کہ معلومات بڑھتی جارہی ہیں اور علم ناپید ہوتا جارہا ہے۔دراصل معلومات اور علم میں ایک بنیادی فرق ہے۔معلومات ہر کسی کے پاس ہوسکتی ہیں مگر علم کسی ایمان والے ہی کے پاس ہوگا۔

میرے مرشد ومربی،مفکر اسلام،مفسر قرآن،سفیر عشق رسول،شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ پیر سید ریاض حسین شاہ صاحب مدظلہ العالی نے سورۃ ملک کی آیت نمبر ۲۶ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا:

حضور ﷺ نے علم کو اللہ کی ذات کے ساتھ جوڑا اس لیے کہ علم تحیر،تقرب اور تعلق سے ملتا ہے اس لیے حضور ﷺ نے علم کو اللہ سے منسوب کیا تا کہ لوگوں کا سفر ٹھیک ہوجائے اور منزل کی تلاش میں غلطی نہ کھائیں۔میرے نزدیک معلومات کے طالب جامعات کی طرف سفر کرتے ہیں اور علم کے طالب اللہ کی طرف سفر کرتے ہیں علم کا مقدس سفر تو یہی ہے۔[۱]

---

[۱] (تفسیر تبصرہ سورۃ الملک پ۲۹،بحوالہ دلیل راہ شمارہ ۹ ج ۱۹ ستمبر ۲۰۱۱)

علم دو طرح کے ہیں:

حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں بھی علم دو طرح کے ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ عِلْمٌ فِی الْقَلْبِ فَذَالِكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ وَ عِلْمٌ عَلَی اللِّسَانِ فَذَاكَ حُجَّۃٌ اللّٰہِ عَلٰی اِبْنِ اٰدَمَ۔ [1]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم دو طرح کا ہے ایک علم جو دل میں ہے یہ علم نافع ہے اور دوسرا علم جو زبان پر ہے یہ انسان پر اللہ کی محبت ہے۔

اس حدیث مبارک میں زبانی علم کو انسان کے خلاف اللہ کی حجت قرار دیا گیا ہے اور قلبی علم کو علم نافع قرار دیا ہے اور یہی علم دراصل علم باطن، علم لدنی، علم تصوف و روحانیت کہلاتا ہے۔

حضرت علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

علم مومن کے دل میں وہ نور ہے جو مشکوۃ نبوت کے مصابیح سے حضور علیہ السلام کے اقوال افعال اور احوال سے حاصل ہوتا ہے جس کے ذریعے بندہ اللہ کی ذات، صفات، اور افعال و احکام کے بارے میں رہنمائی حاصل کرتا ہے اگر یہ علم کسی انسان کے واسطے سے حاصل ہو تو کسبی علم کہلاتا ہے اور اگر بغیر واسطے کے حاصل ہو تو اسے علم لدنی کہتے ہیں۔ [2]

اس باطنی علم کے لیے ظاہر کی اصلاح ضروری ہے تب جا کر یہ علم متحقق ہوتا ہے۔ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جس نے فقط فقہ حاصل کی اور تصوف نہ پڑھا اس نے فسق کیا اور جس نے صرف تصوف پڑھا اور فقہ نہ حاصل کی وہ زندیق ہوا اور جس نے ان دونوں کو جمع کیا وہ محقق ہوا۔ [3]

---

[1] (الترغیب والترھیب ج اول ص ۵۸، مشکوۃ کتاب العلم)، [2] (مرقات ج اول ص ۲۶۴)، [3] (مرقات ج اول ص ۳۱۳)

عمل والا علم نافع ہے:۔

یعنی وہی علم علم نافع ہے جس پر عمل ہو سیدی غوث الاعظم محبوب سبحانی قطب ربانی شہباز لا مکانی الشیخ سید عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی ارشاد فرماتے ہیں:

علم عمل کے لیے بنایا گیا ہے نہ محض یاد کرنے کے لیے اور مخلوق کے سامنے پیش کرنے کے لیے، خود علم سیکھ اور اس پر عمل کر پھر دوسروں کو سکھا جب تو علم پڑھے گا پھر اس پر عمل کرے گا تو علم تیری طرف سے کلام کرے گا اگرچہ تو خاموش رہے گا۔ عمل کی زبان سے زیادہ کلام کر جیسا کہ علم کی زبان سے کلام کیا جاتا ہے اسی وجہ سے بعض اہل اللہ نے فرمایا جس کا دیکھنا تجھے نفع نہ دے اس کا وعظ تجھے نفع نہیں دے سکتا۔ [1]

۲۔ نیک لوگوں کی صحبت کا فقدان:

روحانی تنزلی اور سستی کی دوسری بڑی وجہ نیک لوگوں، اہل اللہ اور صلحائے امت کی صحبتوں سے دوری اختیار کرنا ہے جبکہ ہمارے ایمان کی بقا اور دوام کے لیے جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے وہ انہی صحبتوں کا فیضان ہے۔ نبی کریم ﷺ نے امت کی راہبری کے لیے جو طبقہ سب سے پہلے تیار کیا اس کا نام صحابہ ہے اور لفظ صحابہ بھی صحبت سے ہے یعنی وہ ہستیاں جنہوں نے حالت ایمان میں اپنے لیل ونھار اور صبا ومساء رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی صحبت میں گزارے ہیں۔ یہ سارے شرف اور مرتبے صحبت رسول اللہ ﷺ سے ملے ہیں۔ اس لیے آج بھی ضروری ہے کہ لوگوں کو صلحائے امت اور پاکان امت کی طرف متوجہ کیا جائے تاکہ وہ اپنی پاکیزہ نگاہوں سے امت کی اصلاح کر سکیں۔

---

[1] (الفتح الربانی ص ۲۵۷)

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال را بگزار مرد حال شو　　　پیش مرد کامل پامال شو

اور

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم　　　تا غلام شمس تبریزی نہ شد

صلحاء کی صحبت اختیار کرنا قرآنی حکم ہے:

ارشاد ربانی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ۔ [1]

ترجمہ کنز الایمان: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو۔

اس آیہ مبارکہ میں اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ سچے ہو جاؤ بلکہ فرمایا کہ سچوں کے ساتھ ہو جاؤ اس لیے کہ صدق اور سچائی خود نہیں ملتی بلکہ صادقین کی صحبت سے ملتی ہے اور صدق لانے والی ذات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

وَالَّذِیۡ جَآءَ بِالصِّدۡقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ۝ [2]

ترجمہ: اور وہ جو یہ سچ لے کر تشریف لائے اور وہ جنہوں نے ان کی تصدیق کی یہی ڈرنے والے ہیں۔

ہر چیز کی کوئی نہ کوئی کان ہوتی ہے جہاں سے وہ خزانہ ملتا ہے اسی طرح ایمان تقوی، صدق اور روحانیت کی کان اھل اللہ کے دل ہیں جو ان کی صحبت میں آئے اسی کو یہ نعمتیں میسر آتی ہیں۔

---

[1] (سورۃ توبہ، پ۱۱، آیت ۱۱۹)، [2] (سورۃ الزمر، پ۲۴، آیت ۳۳)

ارشادنبویﷺ ہے: اِنَّ لِکلِّ شَئِی مَعْدَنٌ وَ مَعْدَنُ التَّقوٰی قُلُوبُ الْعَارِفِیْنَ۔ [1]

ترجمہ: بے شک ہر چیز کی کوئی نہ کوئی کان (مخفی خزانہ) ہوتی ہے۔اورتقوی کی کان عارفوں کے دل ہوتے ہیں۔

صحبت صلحاء کی فضیلت:

سرکار مدینہ راحت قلب وسینہ حضرت محمد مصطفیﷺ نے نیک لوگوں کی صحبت وسنگت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشادفرمایا:

اچھے ساتھی کی مثال عطار کی سی ہے اس سے اگر تمھیں کچھ بھی نہ ملے تو اس کی اچھی خوشبوتو پہنچ ہی جائے گی اور برے ساتھی کی مثال لوہار کی سی ہے اگر چہ وہ شعلوں کے ذریعے تمھیں نہ بھی جلائے مگراس کی بھٹی کی بدبوتو تمھیں ضرور پہنچے گی۔ [2]

معیارصحبت:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی مکرم رسول محتشمﷺ سے درخواست کی گئی کہ یارسول اللہﷺ ہمارے لیے کن لوگوں کی صحبت وسنگت بہتر ہے؟ تو حضور سرور کائناتﷺ نے ارشادفرمایا جس کے دیکھنے سے تمھیں اللہ یاد آجائے، جس کی گفتگو تمھارے علم میں اضافہ کرے اورجس کے عمل سے تمھیں آخرت کی یادآئے۔ [3]

موجودہ دور میں اس چیز کی اشد ضرورت ہے کہ نیک صحبتوں کا احیاء کیا جائے اورلوگوں کی توجہ اہل اللہ اورمردان حق آگاہ کی طرف کرائی جائے تاکہ بے خبر انسانیت پھر سے اپنی حقیقت کو جان سکے چنانچہ اس عظیم مقصد کی طرف محترم جناب پیرمحمد اجمل خان نقشبندی مجددی کی یہ تالیف تصوف کا مکمل انسائیکلوپیڈیا ایک قدم ہے۔

---

[1] (طبرانی)، [2] (المستدرک للحاکم)، [3] (الترغیب والترھیب ج اول ص ۶۳)

موصوف مکرم نے بڑی جانفشانی سے مختلف کتب کے حوالوں سے یہ مواد کتابی صورت میں اکھٹا کیا ہے تا کہ عوام الناس اس سے استفادہ کر سکیں۔ جہاں تک اس فقیر نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے اسے عوام کے لیے بالعموم اور مبتدی سالکین کے لیے بالخصوص مفید پایا ہے۔ موصوف مکرم و محتشم نے اس کتاب کو کافی سھل بنانے کی کوشش کی ہے اور بلا تفریق مسالک کتب کے حوالے درج کیے ہیں جس سے راہ اتحاد کی طرف راھنمائی ملتی ہے۔ کتاب میں تصوف کے طرق اربعہ کے بنیادی سلوک، اذکار و اوراد بھی بیان کر دیئے ہیں جس سے مبتدی طالب کے لیے کافی آسانی رہے گی۔ یہ فقیر پر تقصیر اپنے آپ کو اس کا اہل تو نہیں سمجھتا مگر موصوف مکرم کی محبت ہے کہ وہ عزت وقدر کی نگاہ سے نوازتے ہیں تو یہ چند سطور اس نیت و ارادہ سے قرطاس کی نذر کر دی ہیں کہ اللہ تعالی ان حروف کو میری بخشش و مغفرت کا ذریعہ بنائے۔ اللہ تعالی ہم سب کے دلوں کا قبلہ مکین گنبد خضرٰی کو بنا دے اور تادم آخر اپنے پیاروں کی سنگت اور صحبت نصیب فرمائے رکھے۔ (آمین)

طیبہ سے منگائی جاتی ھے سینوں میں چھپائی جاتی ھے
توحید کی مئے ساغر سے نھیں نظروں سے پلائی جاتی ھے۔

خادم العلماء والفقراء خاکپائے آل رسول

محمد بشیر القادری

صوبائی ناظم اعلیٰ، جماعت اہلسنت پاکستان،
صوبہ خیبر پختونخواہ، خطیب جامع مسجد غوثیہ
ادارہ تعلیمات اسلامیہ ایبٹ آباد

0300-9891684

باب نمبر ا

(تصوف کی شرعی ضرورت)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰالَمِیۡنَ وَا لصَّلٰوۃُ وَ ا لسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡاَ نۡبِیَاءِ وَالۡمُرۡسَلِیۡنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصۡحَابِہٖ وَ اَوۡلِیَاءِ اُمَّتِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

شریعت اسلامیہ کے اجزاء:۔

شریعت اسلامیہ درج ذیل اجزاء کے مجموعہ کا نام ہے۔

۱۔عقائد

۲۔عبادات

۳۔معاملات

۴۔معاشرت

۵۔احسان (تصوف)

عقائد:۔

دین اسلام میں عقائد بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔عقیدہ توحید پہلا اور بنیادی رکن ہے اور تمام عقائد کی جڑ اور اصل الاصول ہے جبکہ اعمال صالحہ دین کی فرع ہیں۔درخت کی بقا فروع سے نہیں بلکہ جڑ سے ہوتی ہے۔

توحید کیا ہے؟

اللہ کی توحید سے مراد ہے اس چیز کا اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالی اپنی ذات، صفات اور افعال میں واحد و یکتا ہے۔ ان میں اس کا کوئی شریک ہے نہ کوئی اس کا مشابہ۔ اللہ تعالی اپنی تمام صفات الوھیت اور کمالات حقیقہ سے متصف ہے اور اپنی ان صفات و کمالات میں یکتا اور واحد و لاشریک ہے۔ جب انسان توحید پر ایمان لاتا ہے تو حضور نبی کریم ﷺ کی رسالت کے اقرار کے ساتھ ہی دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ اب ایک مسلمان کو صورت ایمان تو حاصل ہو گئی مگر جب تک ایک مسلمان توحید و رسالت کے باطنی حقائق و معارف اور مشاہدات و احوال سے عملی واقفیت اور آگاہی حاصل نہیں کر لیتا تب تک حقیقی ایمان سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔ توحید کے اسرار و رموز اور سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کے کمالات اس وقت مسلمان پر منکشف ہوتے ہیں جب انسان حیات باطنیہ سے مشرف ہوتا ہے کیونکہ مسلمان کو اصل توحید کے احوال اس وقت حاصل ہوتے ہیں جب مسلمان کے قلب سے حق سبحانہ و تقدس کے ماسوا ہر چیز غائب ہو جائے یعنی تکلف سے بھی کوئی چیز قلب میں لانا چاہے تو پھر بھی قلب میں غیر اللہ کے لیے جگہ نہ ہو۔ توحید، قلب کو غیر حق سبحانہ و تعالی سے آزاد کرنے کا نام ہے۔ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کے نورانی دور سے لیکر آج تک حضرات اصحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور بعد کے تمام اولیاء کرامؒ نے قرب الٰہی عزوجل اور باطنی تزکیہ کے لیے روحانی اسلام یعنی احسان و تصوف کو اپنایا جو کہ شریعت اسلامیہ کا پانچواں جزو ہے۔

عبادات:

کیا عبادات میں بھی روحانیت کی ضرورت ہے؟ کیا عبادات میں بھی تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کا کوئی کردار ہے؟

بے مثل و بے کیف خدائے جل سلطانہ کی صحیح عبادات اس وقت میسر آتی ہے جب اللہ کے غیر کی بندگی سے آزاد ہوکر صرف اور صرف ذات احد عز وجل کو قبلہ توجہ بنالیا جائے جیسا کہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرائیلؑ کو احسان کے بارے میں جواب ان لفظوں میں مرحمت فرمایا:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَ نَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّه' يَرَاكَ [1]

ترجمہ: تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو اور اگر نہ دیکھ سکو تو (یہ کیفیت تو رہنی چاہیے کہ) وہ اللہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔

عبادات کی یہ کیفیت صرف تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب سے پیدا ہوتی ہے۔ تصوف واحسان کے سلوک سے گزر کر ہی نفس امارہ نفس مطمئنہ بنتا ہے اور قلب اللہ تعالیٰ کے غیر سے بالکل خالی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا:

لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ۔

ترجمہ: نماز نہیں ہوتی مگر حضور قلبی کے ساتھ۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عبادات کی حقیقت تصوف کے اپنانے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ علامہ محمد اقبال نے ایسے ہی سجدہ قرب ووصال کے متعلق فرمایا:

وہ ایک سجدہ جس سے روحِ زمین کانپ جاتی ہے
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

---

[1] (صحیح بخاری)

معاملات اور معاشرت میں روحانیت کا کردار:

عام مسلمان نفس امارہ اور قلب فاسدہ کی موجودگی میں حرص ولالچ شہوت وغضب، خودنمائی وتکبر حب مال وجاہ وغیرہ جیسی بہت سی صفات رزیلہ کا حامل ہوتا ہے۔ انسان کے قلب ونفس کے یہ منفی رجحانات معاشرے میں سماجی ومعاشرتی، معاشی وسیاسی بگاڑ اور عدم توازن کا سبب بنتے ہیں۔ انسان غفلت کے پردوں میں خواہشات نفسانیہ کی پیروی کرکے ان کو معبود کا درجہ عملاً دے دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں اشارہ ہے:

اَرَءَ یُتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَه' هَوٰهُ ط [1]

ترجمہ: کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا ہے۔

تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے بعد ان مذکورہ منفی رجعانات ورویوں میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضورﷺ نے اپنے مبارک دور میں نفس مطمئنہ کے حامل افراد پر مشتمل مثالی معاشرہ قائم فرمایا۔ قرون اولی میں اسلام کے بہترین دور کی بنیاد معاشرے کے صالحین افراد کی کثرت تھی وہ متوازن مزاج کے حامل ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے حقوق کا خیال بھی رکھتے تھے اور فطرتی طور پر خوبیوں اور محاسن کا پیکر بن چکے تھے مگر آج تزکیہ وتصفیہ کے روحانی عمل سے دور ہونے کی وجہ سے معاشرے میں ہر سطح پر بگاڑ ہے۔

حجتہ الاسلام حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں احسان سے مراد تصوف وطریقت ہے جو اسلام کا ضروری حصہ ہے۔ [2]

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں۔ شریعت اور حقیقت ایک دوسرے کا عین ہیں۔ [3]

---

[1] (سورۃ الفرقان، پ۱۹، آیت ۴۳)، [2] (احیاء العلوم)، [3] (مکتوب ۵۹ جلد اول)

اخلاقیات میں تصوف کا کردار:

سیدنا حضور کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تَخَلَّقُوا بِاَ خْلَاقِ اللّٰهِ ۔ [1]

ترجمہ: اپنے اندر خدائی اخلاق پیدا کرو۔

اس کیفیت کے حاصل ہونے کے بارے میں حضور غوث الثقلین غوث الاعظمؒ اپنی کتاب سرالاسرار میں فرماتے ہیں کہ جب انسان بشری صفات کا لباس اتار کر صفات الٰہیہ کے فیضان کا لباس پہن لیتا ہے تو یہی ولایت کا فائدہ اور نتیجہ ہوتا ہے۔

اس مختصر گفتگو کا مقصد یہ کہ عقائد، عبادات، معاملات اور معاشرت سب ہی میں روحانی اسلام یعنی تصوف کا کردار بنیادی اور ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف تفاسیر مثلاً جلالین، روح البیان، روح المعانی اور تفسیر مظہری میں تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کو فرض عین قرار دیا گیا ہے کیونکہ یہ معرفت ربانی کا ذریعہ ہے۔

روحانی اسلام کیا ہے؟

انشاءاللہ تعالی اس کی وضاحت آگے کتاب میں بیان ہوگی یہاں صرف اشارہ سے سمجھانا مقصود ہے تاکہ مزید تفصیلات اور مطالعہ کے لیے شوق پیدا ہو۔ امام ربانی مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندیؒ کے مطابق شریعت اسلامیہ کو مندرجہ ذیل حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ [2]

(۱) علم (۲) عمل (۳) اخلاص

قرآن و حدیث کا سارا نظام علم و عمل جبکہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کے سینہ اطہر اور

---

[1] (الحدیث) [2] (مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب ۵۹)

وجود مبارک پر انوارات الہیہ اور احوال ربانیہ کا جو نزول ہوا اور آپ ﷺ نے وہ انوارات اور فیوضات اہل بیت اطہارؓ اور صحابہ کرامؓ کے باطن میں منتقل فرما دیئے وہ اخلاص یا روحانی اسلام کہلاتے ہیں۔ جس طرح قرآن وحدیث کتب کے اندر آج تک محفوظ چلا آ رہا ہے بالکل اسی طرح روحانی انوارات وفیوضات حضرات صحابہ کرامؓ اور پھر اولیاء کرامؒ کے واسطہ سے سینہ در سینہ منتقل ہو رہے ہیں اور آج تک محفوظ ہیں۔

روحانیت کی ابتداء اور انتہا کیا؟

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِنَّمَاالْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ۔ [1]

ترجمہ: بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

روحانیت کے سفر کی ابتداء نیت کو اخلاص کے نور سے منور کرنے سے ہوتی ہے جس سے اعمال کے اندر اخلاص کی روح پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح بندہ مومن کے روحانی سفر کی انتہا مشاہدہ حق کے مقام پر پہنچنے کا نام ہے۔

بمطابق حدیث مبارک: اَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ کَاَنَّکَ تَرَاهَ ۔ [2]

ترجمہ: تو اسطرح اللہ تعالی کی عبادت کر جیسا کہ تو رب کو دیکھ رہا ہے۔

یعنی نیت درست کرنے کے بعد عبادت اسطرح کرنے کی سعادت حاصل ہو جائے جیسا کہ رب تعالیٰ کا مشاہدہ کیا جا رہا ہے۔

---

[1] (صحیح بخاری) ، [2] (صحیح بخاری)

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندیؒ کے ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ طریقت و معرفت (یعنی روحانی اسلام) ایمان غیبی کو ایمان شہودی کے درجہ تک پہنچانا ہے۔ تقلید اور علوم استدلالیہ کو علوم کشفیہ کی تصدیق فراہم کرنا ہے اس کا مقصد احکام فقہیہ کے ادا کرنے میں آسانی پیدا کرنا ہے اور نفس امارہ کی پیدا کردہ رکاوٹ اور مشکل کو دور کرنا ہے۔ جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ طریق صوفیہ حقیقت میں علوم شرعیہ کا خادم ہے۔ تصوف و طریقت کو اختیار کرنے کا مقصد یہ کہ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے ذریعے اعمال کو اخلاص کے نور سے منور کیا جائے تا کہ وہ بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت کے لائق ہوسکیں یعنی اسلام مجازی کو اسلام حقیقی میں بدلنے کا نام تصوف و روحانیت ہے۔ جیسا کہ قرآن میں اس طرف اشارہ ہے:

يَاَ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ۔ [1]

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ایمان لے آؤ۔

یعنی اے صورت ایمان رکھنے والے مسلمانوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ حقیقی ایمان لے آؤ۔ اس آیت کریمہ میں صورت ایمان کو حقیقت ایمان میں بدلنے کا حکم دیا گیا ہے جو کہ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے ذریعے فنا و بقاء کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ سلوک کا یہ تمام سفر جو ایمان اور اسلام کی صورت کو حقیقت عطا کرتا ہے تصوف و طریقت کے راستہ کو اپنانے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ جس پر نبی کریم ﷺ کے مبارک دور سے لے کر آج تک عرب و عجم کے تمام اولیاء کرامؒ عمل پیرا رہے ہیں اور اسی طریق تربیت کو اپنا کر درجہ احسان تک پہنچے ہیں۔ یہ ایک ایسی روشن اور عملی حقیقت ہے جو اولیاء امت کے طرز عمل سے ثابت شدہ ہے لہذا اس کا رد ناممکن ہے۔

---

[1] (سورۃ النسآء، پ۵، آیت ۱۳۶)

باب نمبر۲

(طریقت)

شریعت کا تعلق ان امور اور احکام سے ہے جن سے انسان کی ظاہری زندگی کی تشکیل ہوتی ہے جبکہ طریقت کا تعلق ان روحانی لذات اور معنوی کیفیات سے ہے جو بندہ مومن کے دل پر اثر پزیر ہوتی ہیں۔ جب اتباع رسول ﷺ صرف ظاہر تک محدود رہے تو یہ شریعت کہلاتی ہے مگر جب بندہ مومن کا باطن نورانیت مصطفے ﷺ سے بھی منور ہو جائے تو یہ طریقت کہلاتی ہے۔ گویا کہ شریعت پھول ہے اور طریقت اس کی خوشبو، شریعت بیان ہے اور طریقت مشاہدہ، شریعت صورت ہے اور طریقت حقیقت ،شریعت جسم ہے اور طریقت روح۔

شریعت و طریقت اپنی اپنی مستقل حیثیت رکھنے کے باوجود باہم لازم و ملزوم ہیں ان میں جدائی اور دوری اسلام کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے جیسا کہ آج ہمارا معاشرہ اس افتراق کی وجہ سے زوال اور بے چینی کا نمونہ پیش کر رہا ہے۔ آیات قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور اکابرین امت کے اقوال و افعال سے طریقت کی وضاحت پیش خدمت ہے تا کہ شکوک و شبہات رفع ہو جائیں۔

طریقت آیات قرآنیہ کی روشنی میں

۱۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔[۱]

ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام فرمایا۔

---

[۱] (سورۃ الفاتحہ، پ۱، آیت نمبر ۵تا۶)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام محمد فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس دعا میں اشارہ ہے کہ انسان صراط مستقیم پرنہیں چل سکتا جب تک اس راہ پر چلنے والے سابقہ لوگوں کی اتباع نہ کرے۔ اس راہ پر چلنے کے لیے صرف کتابوں کی ورق گردانی کام نہیں دے سکتی۔اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ مرید طالب کے لیے ہدایت کے مقامات اور مکاشفات تک پہنچنے کا اس کے بغیر کوئی ذریعہ نہیں کہ کسی شیخ کامل کی اقتداء کرے جو اس کی رہنمائی کرے گا اور اسے غلطیوں اور گمرائیوں سے بچائے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس اکثر مخلوق پر غالب ہے اور صرف عقل انسانی ادراک حقیقت کے لیے ناکافی ہے۔اورحق و باطل میں کما حقہ تمیز کر لینا عقل انسانی کے بس کی بات نہیں۔لہذا یہ ضروری ٹھہرا کہ شیخ کامل کی تلاش کرے اور اس کی اقتداء کرے تا کہ اس ناقص کی عقل کامل کے نور عقل سے کامل بن جائے اور ناقص سعادت کے مدارج اور کمال کے عروج تک پہنچ سکے۔ ۱؎

اس آیت مبارکہ کی تفسیر سے واضح ہوا کہ صراط مستقیم پر چلنے کے لیے کامل اولیاء کی اتباع ضروری ہے صرف کتابوں کے مطالعہ سے ہدایت یافتہ ہونا ناممکن ہے۔اپنے محبوب حقیقی اللہ تعالیٰ رب العزت کے قرب اور معرفت کو پانے کے لیے کاملین کے نور سے فیض یابی بے حد ضروری ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں: اس سے مراد انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا راستہ ہے۔ ۲؎

۲۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔ ۳؎

ترجمہ: اور وہ (رسول اللہ ﷺ) تم کو کتاب و حکمت کی تعلیم بتاتے ہیں اور وہ کچھ سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے۔

۱؎ (تفسیر کبیر)، ۲؎ (کلیات امدادیہ)، ۳؎ (سورۃ البقرہ، پ۲، آیت ۱۵۱)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں یُعَلِّمُکُمْ کو دو دفعہ ذکر فرمانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسری تعلیم اور قسم کی ہے تو ممکن ہے اس دوسری تعلیم سے مراد علم لدنی ہو کہ جو ظاہر قرآن سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ باطن قرآن اور سینہ با سینہ جناب رسول کریم ﷺ سے حاصل کیا جاتا ہے اور اس نور کو انعکاس سے حاصل کیا جاتا ہے اس کے علاوہ اس نور کو حاصل کرنے کا کوئی طریقہ نہیں اور اس کی حقیقت کا ادراک بعید از قیاس ہے چنانچہ رئیس صدیقین حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں کہ ادراک کے ادراک سے عاجز ہونا ہی ادراک ہے۔[1]

تفسیر ضیاء القرآن میں بھی اسطرح کا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ[2]

ترجمہ: اور جو کچھ تمھارے دلوں کے اندر ہے اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لے گا۔

انسان کی نفسانی اور قلبی بیماریاں بہت ہیں جیسے نفاق، دکھاوٹ، بے جا تعصب، حب دنیا، غصہ، غرور، آرزو، حرص، ترک توکل، ترک صبر، حسد اور کینہ وغیرہ۔ اس کے تحت صاحب تفسیر مظہری لکھتے ہیں رزائل نفس کا مواخذہ اعمال بدینہ کے مواخذہ (حساب) سے زیادہ سخت ہے اور طاقت سے زیادہ آدمی مکلّف نہیں ہے تو اگر بندہ اپنی امکانی کوشش کرے اور مجاہدہ نفسانی کے ذریعے امراض نفسانی کو دور کرنے کی جدوجہد کو کام میں لائے اور خواہش نفس کے پیچھے نہ پڑے اور رزائل نفس کو دور کرنے کے لیے فقراء کے دامن سے وابستہ ہو جائے تو امید ہے اللہ تعالیٰ اس کے اندرونی معاصی معاف فرما دے گا۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ صوفیہ کے طریقہ پر چلنا اور فقراء کے دامن سے وابستہ ہونا ایسا ہی فرض ہے جیسے کتاب اللہ کی تلاوت اور انکے احکام کو سیکھنا۔

---

[1] (تفسیر مظہری)، [2] (سورۃ البقرہ، پ۳، آیت ۲۸۴)

۴۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ [۱]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بلا شبہ مومنوں پر بہت بڑا احسان فرمایا جب ان ہی میں سے اپنا رسول (ﷺ) بھیجا جو ان پر اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

اس آیت مبارکہ سے حضور نبی کریم ﷺ کے درج ذیل اوصاف ظاہر ہوتے ہیں۔

(۱) تلاوت آیات　　(۲) تزکیہ نفس

(۳) تعلیم کتاب　　(۴) تعلیم حکمت

تلاوت آیات اور تعلیم کتاب کے حوالے سے آپ ﷺ کا فریضہ شریعت ہے جبکہ تزکیہ نفس اور تعلیم حکمت کا فریضہ طریقت ہے۔ [۲]

۵۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ہ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔ [۳]

ترجمہ: بے شک جس نے نفس کو صاف کیا کامیاب رہا اور جس نے میلا کیا ناکام رہا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا میں نے خود سنا کہ سیدنا حضور ﷺ اس آیت کی تشریح میں فرما رہے تھے وہ نفس کامیاب ہو گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے پاک کر دیا۔ [۴]

---

[۱] (سورۃ آل عمران، پ۴، آیت ۱۶۴)، [۲] (تفسیر منہاج القرآن جلد اول)، [۳] (سورۃ الشمس، پ۳۰، آیت ۹ تا ۱۰)،
[۴] (بحوالہ تفسیر مظہری)

مسلم۔ترمذی نسائی اورابن ابی شیبہؒ نے حضرت زیدؓ بن ارقم کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ محبوب خداﷺ نے فرمایا: الٰہی میں تیری پناہ چاہتا ہوں بے بسی سے، سستی سے، بزدلی سے، زیادہ بڑھاپے سے اورعذاب قبر سے۔الٰہی میرے نفس کوتقویٰ وطہارت عطافرماتو سب سے بڑھ کر نفس کو پاک کرنے والا ہے۔تونفس کا کارساز اورمولیٰ ہے۔الٰہی میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس علم سے جو فائدہ بخش نہ ہو،اس دل سے جوخشوع والا نہ ہو،اس نفس سے جوسیر نہ ہواوراس دعا سے جوقبول نہ۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ تفسیر مظہری میں اس آیت مبارکہ کی تفسیر اسطرح فرماتے ہیں کامیاب ہواوہ شخص جس کے نفس کواللہ تعالیٰ نے پاک کردیا۔جس نفس کواللہ تعالیٰ نے اپنی صفاتی جلوہ پاشیوں کے ذریعہ سے رزائل سے پاک کردیا یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اوراللہ تعالیٰ کے احکام سے رضا مند ہوگیا اس کی یاد اوراطاعت سے اطمینان اندوز ہوگیا اوراس کی ممنوعات سے اوران تمام امور سے جواللہ تعالیٰ سے روکنے والے ہیں مجتنب بن گیا وہی کامیاب ہوگیا۔[1]

حضرت حسن بصریؒ نے آیت مبارکہ کا مطلب اس طرح بیان کیا کہ جس شخص نے اپنے نفس کو پاک کرلیا اس کوصالح بنالیا اوراللہ تعالیٰ کی اطاعت پرآمادہ کرلیا وہ کامیاب ہوگیا۔

۶۔اللہ تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں: وَ جٰهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔[2]

ترجمہ: اوراللہ تعالیٰ کے راستے میں کوشش کروجیسی کوشش کرنے کا حق ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مقاتل اورضحاک نے کہا اللہ کے لیے کام کروجیسا کہ کام کرنے کا حق ہے اوراس کی عبادت کروجیسا کہ عبادت کا حق ہے۔

---

[1] (تفسیر مظہری)، [2] (سورۃ الحج، پ۱۷، آیت ۷۸)

حضرت عبداللہ بن مبارک نے کہا نفس اور نفسانی وسوسوں سے جہاد کرنا ہی جہاد اکبر اور حق جہاد ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں اس آیت میں جہاد سے مراد صرف کفار سے جنگ کرنا ہی نہیں ہے بلکہ رفتار آیت اس تخصیص کے خلاف ہے بلکہ اس سے مراد تمام گفتار، رفتار اور اطوار میں اخلاص کا پیدا کرنا ہے۔ اخلاص اسی وقت حاصل ہوگا جب نفس اور خواہشات نفس کی مخالفت کی جائے کیونکہ جب تک دل کی صفائی نہ ہو اور نفس کو فنا نہ کر دیا جائے اس وقت تک اخلاص کا حصول ممکن نہیں۔ دل کی صفائی اور فناء نفس اس وقت ممکن ہے جب نفس امارہ اور اس کی خواہشات سے جہاد کیا جائے لیکن اس کے ساتھ مشکوٰۃ نبوت سے نور چینی بھی لازم ہے کیونکہ نور مصطفویﷺ کے بغیر دل کی صفائی اور نفس کی فنا نہیں ہوتی۔ اسی کو اصطلاح میں سلوک اور جذبہ کہا جاتا ہے۔ جبکہ قدماء مفسرین کے اقوال میں اسی کو اخلاص کہا گیا ہے۔ صوفی جب نفس کو فنا کر دیتا ہے اور دل کی صفائی اس کو حاصل ہو جاتی ہے تو اس کا شمار مخلصین میں ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ کسی کے برا کہنے کی پروا نہیں کرتا اور بغیر ریا کاری اور شہرت طلبی کے خالص نیت کے ساتھ لوجہ اللہ اپنے رب کی عبادت کرتا ہے۔ ہر دم اس کی فرمان برداری اور اطاعت کرتا ہے۔ وہ کبھی نافرمانی نہیں کرتا وہ نمونہ اطاعت بن جاتا ہے در حقیقت یہی جہاد اکبر ہے۔ کافروں سے لڑنا تو جہاد کی ایک ظاہری شکل ہے بلکہ تمام عبادتیں جہاد کی صورتیں ہیں اگر خالص لوجہ اللہ نہ ہوں۔ [1]

حضور اکرمﷺ کا ارشاد ہے تمام اعمال نیت کے ساتھ ہوتے ہیں ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہوگی پس جس شخص نے اللہ اور اللہ کے رسولﷺ کے لیے گھر بار اور وطن چھوڑا تو

---

[1] (تفسیر مظہری)

اس کی ہجرت اللہ اور رسول ﷺ کی طرف ہوگی اور جس نے دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اس چیز کے لیے ہوگی جس کے لیے اس نے ہجرت کی ہوگی۔ [۱]

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی فرماتا ہے میں سب شریکوں سے زیادہ شرک سے بے نیاز ہوں۔ جس نے کوئی (نیک) عمل کیا اور میرے ساتھ دوسرے کو بھی اس میں شریک کرلیا تو میں اس عمل سے بیزار ہوں۔ اس کا یہ عمل اسی کے لیے ہوگا جس کے لیے اس نے کیا۔ [۲]

آیت مذکورہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حق جھادہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنی پوری طاقت لگا دینا اور اللہ تعالی کے دین میں کسی برا کہنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنا ہی حق جہاد ہے۔ [۳]

۷۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَالَّذِیْنَ جٰھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِ یَنَّھُمْ سُبُلَنَا ط وَ اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ [۴]

ترجمہ کنز الایمان: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے اور بیشک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔

جو لوگ محبت الٰہی کے غلبہ کی وجہ سے مجاہدے اور ریاضتیں کرتے ہیں تا کہ انہیں اللہ تعالی کی معرفت اور رضا حاصل ہو جائے تو ان لوگوں کے لیے وہ مہربان اور کریم ذات قرب کے راستے کھولنے کی خوشخبری دیتی ہے تا کہ طالبین حق سبحانہ، اپنی امید پورا ہونے کا یقین پیدا کرلیں اور ہمت و استقامت سے قرب کی منزلین طے کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔

---

[۱] (بخاری شریف)، [۲] (مسلم شریف)، [۳] (تفسیر ابن عباس) [۴] (سورۃ العنکبوت پ ۲۱، آیت ۶۹)

۸۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ط ۱؎

ترجمہ: (اے مخاطب) کیا تو نے اسے بھی دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا۔

اللہ تعالیٰ کی توحید کا تقاضا ہے کہ اسی کو معبود برحق تسلیم کرتے ہوئے اسی کی عبادت و بندگی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت کرنا شرک ہے خواہ وہ حضرات انبیاء کرام یا اولیاء و ملائکہ ہوں۔ سورج کی پرستش کی جائے یا آگ کی یا پھر کسی بت یا پتھر کی پوجا کی جائے، شرک ہوگی۔ اسی طرح کسی شخص یا قبر کو سجدہ کرنا بھی حرام ہے۔ آیت مذکورہ میں ان تمام چیزوں کی نفی ہے جو رب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مثلاً نفس و شیطان اور ہوائے نفسانی اور شہوت۔ اس آیت میں باطنی شرک کی طرف اشارہ ہے کہ خواہشات نفسانی بھی معبود کے درجے کو پہنچ جاتی ہیں۔ اس پوشیدہ شرک سے بچنا صرف تزکیہ نفس حاصل کر کے ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ جب انسان زبان سے تو معبود برحق اللہ تعالیٰ کو تسلیم کرے مگر عملاً خواہشات کو معبود بنایا ہوا ہو تو انسان کو لازمی طور پر سوچنا چاہیے وہ کس درجہ کی توحید پر قائم ہے اسے خود ساختہ خول سے باہر آ کر اولیاء کے دامن سے خالص توحید کی خوشبو سونگھنے میں ایک لمحہ کی بھی دیر نہیں کرنی چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جب کسی کی خواہشات اس دین کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لایا ہوں اس وقت تک وہ مومن نہیں ہوسکتا۔ ۲؎

۹۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ؕ ۳؎

ترجمہ: قرآن مجید کو ہاتھ نہ لگائیں مگر پاک و صاف لوگ۔

۱؎ (سورۃ الفرقان، پ۱۹، آیت۴۳)، ۲؎ (رواہ النودی)، ۳؎ (سورۃ الواقعۃ، پ۲۷، آیت۷۹)

جس طرح قرآن مقدس کو چھونے کے لیے ظاہری طہارت و پاکیزگی ضروری ہے اسی طرح قرآن کے انوارات کو اپنے اندر جذب کرنے اور سمونے کے لیے باطنی طہارت لازمی ہے۔ اس کی وضاحت ایک دوسری آیت قرآنی میں اسطرح ہے:۔

ارشادفرمایا: اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌ بِقَدَرِهَا [1]

ترجمہ: آسمان سے پانی اتارا جس سے وادیاں سیراب ہوتی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں ارشادفرماتے ہیں کہ پانی سے مراد قرآن ہے اور وادیاں قلوب ہیں۔ [2]

حضرت امام غزالیؒ نے بھی فرمایا پانی سے مراد قرآن اور وادیاں قلوب ہیں۔ [3]

قرآنی انوارات و کیفیات کو صرف صاف و مصفا دل ہی اپنے اندر جزب کرسکتے ہیں۔لہذا قرآنی فیوض و برکات کو سمیٹنے کے لیے روحانی دنیا میں قدم رکھنا ضروری ہے۔

جیسا کہ حضرت شیخ قطب الدین دمشقیؒ فرماتے ہیں کہ روحانی تزکیہ وتصفیہ اولیاء کرام کے مروجہ سلوک سے ہی حاصل ہوتا ہے اس کے لیے اولیاء کرام سے تربیت حاصل کرنا ضروری ہے۔[4]

اس آیت مبارکہ کی وضاحت میں بغوی نے لکھا ہے کہ محمد بن فضل کے نزدیک مطہرون سے مراد موحد ہیں۔

قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ صوفیہ کی اصطلاح میں موحد اس شخص کو کہتے ہیں جس کا مقصود سواء اللہ تعالی کے اور کوئی نہ ہو۔ [5] حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا جو تیرا مقصود ہے وہی تیرا معبود ہے کیونکہ مقصود حاصل کرنے کے لیے آدمی ہر ذلت، مشقت اور فردتنی کو برداشت کرتا ہے اور تعبد کا یہی معنی ہے۔

---

[1] (سورۃ رعد، پ۱۳ آیت ۱۷)، [2] (تفسیر ابن عباس)، [3] (احیاء العلوم)، [4] ارشاد الملوک، [5] (تفسیر مظہری)،

اسی طرح بیضاوی نے لکھا کہ انتہائی فردتنی اور غایت تضرع کو عبادت کہتے ہیں۔ ۱ صاحب تفسیر مظہری نے مطھرون سے مرادصدیق لیا ہے جو ولایت کا حاصل ہوتا ہے۔ ۲

حضرت مجددالف ثانیؒ فرماتے ہیں فنائے نفس کے بغیر قرآنی برکات حاصل نہیں ہوتیں اور فنائے نفس جذب وسلوک سے وابسطہ ہے۔اس کے درجات،قرب کی طرف ترقی،قرأت قرآن سے وابستہ ہے۔ ۳

۱۰۔اللہ تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں: یٰٓاَیُّھَاالَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابۡتَغُوۡٓا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ وَ جٰھِدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِہٖ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ۔ ۴

ترجمہ:اے ایمان والےلوگو! تقوی اختیار کرواور اللہ تعالی کی طرف وسیلہ تلاش کرواور اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کرو (اللہ تعالی کے دشمنوں سے خواہ وہ نفس ہو یا شیطان یا کفار)۔

ترجمان القرآن سیدنا حضرت ابن عباسؓ اپنی تفسیر میں وسیلہ کا معنی تقرب الٰہی کیا ہے۔ ۵ حاکم نے حضرت خذیفہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ وسیلہ کا معنی تقرب ربانی ہے۔

علامہ نعیم الدین مرادآبادی نے بھی وسیلہ کا معنی تقرب الی اللہ ہی کیا ہے۔ ۶

اس آیت کی تفسیر میں اعلی حضرت امام اہل سنت حضرت شاہ احمد رضا خان فاضل بریلویؒ فرماتے ہیں اللہ تعالی عزوجل تک بے وسیلہ رسائی محال قطعی ہے اور آپ ﷺ تک رسائی بے وسیلہ دشوار ہے۔ ۷

---

۱ (تفسیر بیضاوی) ،۲ (تفسیر مظہری) ،۳ (مکتوبات امام ربانی) ، ۴ (سورۃ المائدہ،پ۶، آیت ۳۵)، ۵ (تفسیر ابن عباس) ،۶ (تفسیر خزائن العرفان) ،۷ (کنزالایمان وبیعت وخلافت)

علامہ رشید احمد گنگوہی نے بھی وسیلہ سے مراد ولی اور شیخ لیا ہے اور آیت مذکورہ کو ضرورت شیخ کے لیے بطور دلیل پیش کیا۔[1] اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اس آیت کریمہ میں مذکورہ وسیلہ سے مراد بیعت مرشد لیا ہے۔

شاہ اسماعیل دہلوی نے بھی وسیلہ سے مراد مرشد لیا ہے۔

شیخ الاسلام علامہ محمد طاہر القادری نے بھی وسیلہ سے مراد شیخ کامل ہی بیان فرمایا ہے۔[2]

الصاوی علی تفسیر الجلالین کے حاشیہ پر اس آیت کی تفسیر اس طرح بیان ہوئی ہے:

وسیلہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا سبب ہوتی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور اولیاء کرام کی محبت، صدقات، اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کا دیدار، کثرت عبادت صلہ رحمی اور کثرت ذکر سب شامل ہے۔

(وجاھدوا فی سبیلہ) اشارة اِلٰی انّ الجھاد من اعظم الطاعات و ھوا قسمان: اصغر وھوقتال المشرکین، واکبر وھوالخروج من الھوی والنفس الشیطان وکان قتال المشرکین جھادًا أصغر لأ نہ یحضر تارة ویغیب أُخریٰ، و اذا قتلکَ الکافر کنت شھیدًا، وان قتلتہ صرت سعیداً، یخلاف النفس فلا تغیب عنک و اذا قتلک صرف من الأ شقیاء فسأل اللہ السلامة

ترجمہ: (اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو) اس میں اشارہ ہے کہ جہاد سب سے بڑی اطاعت ہے، اور اس کی دو اقسام ہیں، (1) چھوٹا جہاد وہ مشرکین سے لڑائی کرنا ہے مشرکین سے لڑائی

---

[1] (امداد السلوک) [2] (تفسیر منہاج القرآن)

چھوٹا جہاد اس لیے ہے کہ دشمن کبھی سامنے ہوتا ہے اور کبھی غائب، اور جب تجھے کافر قتل کرے تو تو شھید ہوگا اور اگر تو کافر کو قتل کرے تو تُو سعید ہوگا۔ (2) نفس کے خلاف اس لیے کہ نفس تجھ سے کبھی غائب نہیں ہوتا اور جب نفس تجھے قتل کر دے تو تُو بد بخت ہو جائے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ ؎1

اس تفسیر سے یہ بات واضح ہوتی ہے اللہ تعالیٰ انبیاء کرام اور اولیاء کی محبت اور ان کا دیدار، رب العلمین کے قرب کا وسیلہ ہے۔ اسی طرح اعمال صالحہ بھی قرب کا سبب ہیں۔ دوسرے بات یہ ظاہر ہوئی کہ مسلمان کے لیے نفس کا خطرہ اور ضرر بہت زیادہ ہے۔

حضرت علامہ اسماعیل حقیؒ اس آیت مبارکہ کی تفسیر اس طرح بیان فرماتے ہیں:

وا علم ان الا یة الکریمة صرحت باالامر بابتغاء الو سیلئه و لابُدَّ هد منها البتته فان الوصول الی الله تعالی لا یحصل الا بالوسیله و هی علماء الحقیقة و مشائح الطریقة۔ ؎2

ترجمہ: اور تو جان لے اس آیت مبارکہ میں بڑی وضاحت سے وسیلہ پکڑنے کا حکم ہے اور یہ بہت ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنا بغیر وسیلہ کے ناممکن ہے اور یہ وسیلہ علماء حقیقت اور مشائخ طریقت ہیں۔

حضرت حافظ سعدی شیرازیؒ فرماتے ہیں:

قطع ایں مرحلہ بی ھمر ہی حضر مکن　　　طلما تست بترس از ھطر کمراھی

؎1 (حاشیہ الصاوی علی تفسیر الجلالین، ص ۴۹۷)، ؎2 (تفسیر روح البیان)

قرب الٰہی کے مراحل بغیر مرشد کے طے کرنا خود کو گمراہی کے خطرات میں ڈالنا ہے اس لیے مرشد کامل کی رہنمائی ضروری ہے۔

حضرت علامہ اسماعیل حقیؒ اس کی مزید وضاحت ارشاد فرماتے ہیں:

وفق اشارة المرشد دلالة الانبياء والاولياء فيخلصهامن الوجود و يرفع الحجاب ويوصل القالب الى رب الارباب۔ [1]

اس میں مرشد کی طرف اشارہ ہے اور یہ انبیاء اور اولیاء (کے وسیلہ ہونے) پر دلیل ہے کہ اس طرح نفس سے حفاظت حاصل ہوتی ہے اور حجابات اٹھتے ہیں اور طالب (مرید) رب العلمین تک پہنچتا ہے۔

حضرت اسماعیل حقیؒ اللہ تعالیٰ تک وصول کے لیے انبیاء اور اولیاء کے واسطے کو لازمی قرار دیتے ہیں کیونکہ عام مسلمان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجابات کے اٹھانے کے لیے انبیاء عظام اور اولیاء کرام کے باطنی انوارات اور توجہات کی اشد ضرورت ہے۔ [2]

حضرت شیخ شاذلیؒ جو کاملین اولیاء کرام میں سے ہیں فرماتے ہیں روحانی دنیا میں قدم رکھنے کے ابتدائی دنوں میں میں اور میرا ایک دوست ایک غار میں چلے گئے اور وہاں اللہ تعالیٰ کی یاد شروع کر دی تا کہ اللہ تعالیٰ اور ہمارے درمیان حجابات (پردے) اٹھ جائیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہو جائے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہر رات کو ہماری یہ امید ہوتی تھی کہ کل صبح ہمارے باطنی پردے اٹھ جائیں مگر ایسا نہ ہوتا تھا۔ ایک دن اچانک ایک لمبے قد والی شخصیت غار میں داخل ہوئی اور سلام کیا ہم نے ان سے عرض کی آپ کا کیا حال ہے اس شخصیت نے جواب دیا میرا حال دریافت

---

[1] (تفسیر روح البیان) [2] (تفسیر روح البیان)

کرتے ہو اور خود نفس کی سرکشی اور بغاوت کی حالت میں رہتے ہوئے تم کس طرح واصل بحق ہو سکتے ہو وہ شخص جو نفس کے نقصان سے آزاد نہیں ہوا اور اللہ تعالی کی عبادت کا دعوی کرتا ہے اس کی عبادت خالص نہیں ہے۔ اس شخصیت کی روحانی توجہات اور ملاقات سے ہمارے حجابات (پردے) اٹھ گئے وہ شخصیت ایک ولی اللہ تھے حضرت شیخ شاذلیؒ فرماتے ہیں ہمارے باطنی پردے ذاتی عبادات اور مجاہدات سے نہیں ہٹ سکے بلکہ اس ولی اللہ کے سینہ کے نور سے ہمارے باطنی پردے ہٹ گئے اور ہم نے اللہ کے قرب کو باطن میں محسوس کیا اور انشراح صدر حاصل کیا۔ [۱]

مفسر قرآن حضرت علامہ فضل شاہ آیت وسیلہ کی تفسیر اس طرح بیان فرماتے ہیں:

جو اللہ تعالی کی طرف رجوع کر رہا ہو اور خوف و حزن سے نجات دینے کا مرتبہ رکھتا ہو وہ وسیلہ ہے۔ جو حال پر معیار ہوتا ہے اور قرب الہی کے لیے آسرا ہوتا ہے۔ یہی وسیلہ وصال کا دروازہ ہوتا ہے کہ رضا الہی اس کے علاوہ کسی طرح بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ قول پاک ہے: اس وسیلہ سے، عمل کی اصلاح ہو گی تو اسی وسیلہ کی نسبت سے اور یکسوئی کا شرف بھی اسی وسیلہ کی نسبت سے حاصل ہو گا۔ اس وسیلہ کو پا لینے کے لیے اپنی پسند کو چھوڑنا بڑا کام ہے اور اللہ کی راہ میں یہ جہاد اکبر کیا جائے تو فلاح حاصل ہو گی۔ [۲]

حضرت پیر جسٹس کرم شاہؒ اس آیت وسیلہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: سالکان راہ طریقت نے وسیلہ سے مراد مرشد لیا ہے پس حقیقی کامیابی حاصل کرنے کے لیے مجاہدہ سے پہلے تلاش مرشد از بس ضروری ہے۔ [۳]

---

[۱] (تفسیر روح البیان)، [۲] (تفسیر فاضلی)، [۳] (تفسیر ضیاء القرآن)

۱۱۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَّاتَّبِعۡ سَبِيۡلَ مَنۡ اَنَابَ اِلَىَّ۔ ۱؎

ترجمہ کنزالایمان: اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت سید محمد نعیم الدین مراد آبادی فرماتے ہیں کہ اس سے سیدنا حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ کی راہ مراد ہے۔ اور اسی راستہ کو مذہب سنت و جماعت کہتے ہیں۔ ۲؎

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ سبیل سے مراد دین ہے اور مَنۡ اَنَابَ سے مراد سیدنا حضور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ ہیں۔ جبکہ عطاء نے سیدنا حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی ذات مراد ہے کیونکہ آپؓ کی رہنمائی سے بہت بڑے بڑے صحابہ کرامؓ مسلمان ہوئے تھے۔ ۳؎

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب انابت کی راہ چلنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا سب کا ترک کرنا اور چھوڑنا اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے لو لگانا اور شدتِ محبت سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کی طرف متوجہ ہونا صرف اہل انابت کا طریقہ ہے۔ اہل انابت تو اللہ تعالیٰ کی قربت و معرفت کو عشق مصطفےٰ ﷺ کے بحر بیکراں میں غوطہ زن ہو کر تلاش کرتے ہیں۔ جیسا کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے ذات مصطفےٰ کریم ﷺ کے عشق میں خود کو فنا کر دیا اور بقا ابدی پا لی۔ آقا کریم ﷺ کی توجہات اتحادیہ کو نورانیت نے آپؓ کو اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (یعنی اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے) کے مقام تک پہنچا دیا۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ ہوں یا سیدنا مولائے علی شیر خداؓ وہ اہل طریقت کے مختلف سلاسل کے

۱؎ (سورۃ لقمٰن، پ۲۱، آیت ۱۵)، ۲؎ (خزائن العرفان)، ۳؎ (تفسیر مظہری)

امام و پیشوا ہیں۔ان اشخاص کے راستہ کو اپنانے کا حکم ہے ان حضرات کے طریقوں میں آج بھی نور نبوت کے انوارات کی وہ نایاب روشنی موجود ہے جو حجابات باطنیہ کو دور کرنے اور ظلمت کو نورانیت میں بدلنے کا واحد راستہ ہے۔اس راستہ پر چل کر ہی انسان توحید و رسالت کی حلاوت و خوشبو حاصل کر کے ایمان حقیقی کی نعمت سے لذت آشنائی پاتا ہے اور صف اولیاء میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ جب تک طریق صوفیاء میں داخل ہو کر نور نبوت سے نور چینی نہ کی جائے ایمان غیبی کو ایمان شہودی کا درجہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ آقا کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرے سینہ میں جو کچھ تھا وہ میں نے ابوبکر صدیقؓ کے سینہ میں ڈال دیا۔لہذا اہلسنت ہی اہل نور ہیں اور اہل سنت و جماعت وہی ہیں جو عشق مصطفے ﷺ میں گم ہیں۔نور مجسم ﷺ کے نور اور نورانیت کے منکر کس طرح اہل سنت و جماعت ہو سکتے ہیں اور وہ کبھی بھی صاحب باطن اور صاحب نور نہیں ہو سکتے ان کا دعوٰی توحید و رسالت صرف الفاظ کی حد تک ہے۔

آج وقت ہے ہم اپنے قلوب کو ٹٹولیں آیا کہ وہاں رحمانیت کے انوارات جلوہ گر ہیں اور حیات باطنیہ سے ہم انشراح صدر کی نعمت حاصل کر چکے ہیں اور اپنے سینہ میں محبت ذات الہیہ کی تڑپ رکھتے ہیں اور صفات الہیہ کے مشاہدہ میں مستغرق ہیں یا ہم اپنے قلب غافل میں شیطان کو بٹھائے ہوئے ہیں اور نفس امارہ کی گرفت میں ہیں۔

سیدی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقیؒ فرماتے ہیں کہ جب تک نفس امارہ تزکیہ کے ذریعے مطمئنہ نہ ہو جائے انسانی عبادات نفس کی لذت کے لیے ہوئی ہیں۔اللہ تعالیٰ کے لیے خالص نہیں ہو سکتیں۔وہ عبادت جو رغبت جنت یا خوف دوزخ کے تحت ہوتی ہے فی الحقیقت وہ عبادت اپنی عبادت ہے۔یہ شخص اب تک تو اپنی اغراض کی بندش میں ہے۔تیرا دعوٰی عشق ربانی جھوٹ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔[1]

[1] (مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر ۷۷)

طریقت کے ثبوت کے لیے احادیث مبارکہ پیش خدمت ہیں:

ا۔حدیث جبرائیلؑ:

قَالَ مَاالْاِیْمَانُ قَالَ الْاِ یْمَانِ اَنْ تُؤ مِنَ بِاللّٰہِ وَ مَلَائِکَتِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَ تُؤ مِنَ بِالْبَعْثِ قَالَ مَا الْاِسْلَامُ قَالَ الْاِسْلَامُ اَنْ تَعْبُدَاللّٰہَ وَلَاا تُشْرِکَ بِہٖ وَ تُقِیْمَ الصَّلٰوۃَ وَ تُؤدِّی الزَّکٰوۃَ الْمَفْرُوْضَۃَ وَ تَصُوْمَ رَمَضَانَ قَالَ مَا الْاِحْسَانُ قَالَ الْاِ حْسَانُ اَنْ تَعْبُدَاللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ [1]

حضرت جبرائیلؑ نے حضورﷺ سے پوچھا ایمان کیا ہے؟ آپﷺ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر اس کے فرشتوں پر اور اس کے رسولوں پر اور مرنے کے بعد اٹھنے پر ایمان لائے۔ پوچھا گیا اسلام کیا ہے؟ آپﷺ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے اور کسی کے ساتھ اس کو شریک نہ کرے اور نماز قائم کرے اور فرض زکوۃ ادا کرے اور رمضان مبارک کے روزے رکھے۔ جبرائیلؑ نے پوچھا احسان کیا ہے؟ آپﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو اس طرح اللہ کی عبادت کرے کہ گویا اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو خدا کو نہیں دیکھ رہا تو خدا تو تجھے دیکھ رہا ہے۔

حدیث مبارکہ میں درج ذیل تین چیزوں کا ذکر ہے۔

(۱)ایمان (۲)اسلام (۳)احسان

حضرت مجدد الف ثانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے احسان سے مراد تصوف وطریقت ہی لیا ہے۔

---

[1] (صحیح بخاری ۱:۲)

۲۔حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے: عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرہ:قَال حِفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ (مِنَ الْعِلْمِ) فَاَمَّا اَحَدُ ھُمَافَبَثَثْتُہ، اَمَّا الْاٰ خَرُ فَلَوْ بَثَثْتہ، قُطِعَ ھٰذَا الْبُلْعُوْمُ (اَلْحُلْقُوْمُ) ۱؎

حضرت ابوھریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو اقسام کے علوم سیکھے ایک کو میں نے ظاہر کر دیا اور دوسرے کو ظاہر کروں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے گا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دھلویؒ حدیث مذکورہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ پہلی قسم سے مراد احکام اور اخلاق کا علم ہے وہ عام وخاص سب کے لیے ہے اور دوسری قسم علم اسرار ہے جو غیروں کی تاریکی سے محفوظ کیا گیا ہے جو ان کی عقل وسمجھ میں نہیں آسکتا وہ خاص حصہ ہے علماء ربانی کا، جو اہل عرفان میں سے ہیں۔ ۲؎

حضرت محدث ملاعلی قاریؒ بھی حدیث مذکورہ کی شرح میں فرماتے ہیں پس ان دونوں علوم میں سے ایک علم ظاہر ہے جو کہ احکام واخلاق کا علم ہے جو میں نے تم کو واضح کیا اور دوسری قسم کا علم جو علم باطنی ہے اگر اس کی تفصیل بیان کروں تو میرا حلق کاٹ دیا جائے گا۔ ۳؎

۳۔ علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ علم باطن کے ثبوت اور تجلیات ربانیہ کے ورود پر استدلال کرتے ہوئے حدیث مبارکہ بیان فرماتے ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس لوگ آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ ہم اپنے اندر ایسی چیزیں (اسرار) پاتے ہیں کہ ہم ان میں سے کسی ایک پر تکلم کرنا مشکل پاتے ہیں تو نبی پاک ﷺ نے پوچھا کیا آپ نے یہ چیزیں پالیں؟ انہوں نے عرض کیا ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ صریح ایمان ہے اور ان کا سوال معارف الہیہ کے متعلق تھا کہ ان کے بارے میں بات کرنے سے کفر واقع ہونے کا خوف ہوتا ہے۔ ۴؎

۱؎ (بخاری شریف کتاب علم)، ۲؎ (اشعنہ اللمعات جلداول صفحہ ۱۷۷)، ۳؎ (بخاری ومرقات شرح مشکوۃ جلداول صفحہ ۳۱۳)، ۴؎ (تفسیر مظہری)

طریقت اور معرفت ربانی سے متعلق اکابرین کے اقوال وافعال پیش خدمت ہیں تا کہ طالبین حق یکسوئی اور استقامت سے روحانی سفر جاری رکھنے اور منزل مقصود کو پانے کی ہمت کرسکیں۔

قول نمبر۱۔

امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: لَوْ لَا السِّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ۔

ترجمہ: اگر میرے دوسال تحصیل کمالات باطنیہ میں صرف نہ ہوتے تو نعمان بن ثابت ہلاک ہوجاتا۔ [1]

حضرت امام ابوحنیفہ نے حضرت امام جعفر صادقؓ سے بیعت کر کے کمالات باطنیہ حاصل کیے

قول نمبر۲۔

حضرت امام مالک بن انسؒ فرماتے ہیں: مَنْ تَفَقَّهَ وَ لَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَ مَنْ تَصَوَّفَ وَ لَمْ يَتَفَقَّهَ فَقَدْ تَزَنْدَقَ وَ مَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ۔ [2]

جس نے تصوف کے بغیر فقہ کا علم حاصل کیا وہ فاسق ہوا اور جس نے علم فقہ حاصل نہ کیا اور تصوف اختیار کیا وہ زندیق ہوا اور جس نے دونوں کو جمع کیا وہ محقق ہوا۔

قول نمبر۳۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں: میری علمی پیاس علوم ظاہری حاصل کرنے کے باوجود نہ بجھی جب تک علوم باطنیہ سے سیراب نہ ہوا اور علم معرفت فرض عین ہے۔آپ نے طریق تصوف

---

[1] (مکتوبات معصومیہ)، [2] (مرقاۃ شرح مشکوۃ المفاتیح ۱:۲۵۶ وحقیقت تصوف)

کے ثبوت میں کتاب المنقذمن الضلال لکھی اور احیاء العلوم میں ایک باب بعنوان۔ بیان شواھد الشرح علی صحته طریق اھل التصوف، تحریر فرمایا۔ [1]

قول نمبر ۴۔

حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں: نفس اللہ کا دشمن اور مغضوب و مقہور ہے اس لیے تم نفس کی مخالفت میں حق تعالیٰ کی موافقت کرو اور صاحب دل (یعنی ذاکرین قلب) کی صحبت کو لازم جانو۔ [2]

قول نمبر ۵۔

حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں:

تصوف روح اسلام ہے۔ تصوف کا انکار ساری شریعت کا انکار ہے۔ اگر انسان کسی پہاڑ کو ناخن سے کھودنا شروع کرے تو ممکن ہے وہ پہاڑ کسی وقت ختم ہو جائے مگر انسان کے لیے شیخ کامل کے بغیر نفس کو فنا کرنا ناممکن ہے۔ [3]

قول نمبر ۶۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اپنے بیٹے عبداللہ کو فرمایا کرتے تھے:

تم پر حدیث کا علم حاصل کرنا ضروری ہے اور تم پر ان لوگوں کی مجلس اختیار کرنا ضروری ہے جن کو صوفیاء کہا جاتا ہے۔ [4]

---

[1] (احیاء العلوم)، [2] (فتوح الغیب)، [3] (کشف المحجوب)، [4] (دلائل السلوک)

قول نمبر ۷۔

شیخ المشائخ حضرت ابوالنجیب سہروردیؒ [۱] فرماتے ہیں:

اللہ تعالی کے بعض محبوب بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ کسی شخص کی طرف نظر بھر کر دیکھ لیں تو وہ سعادت نورانیہ سے مالا مال ہوجاتا ہے۔ [۲]

قول نمبر ۸۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں: تباہی مردہ دلی میں ہے اور اس کی نشانی دنیا کی طرف رغبت ہے اور اس کا علاج اولیاء اللہ کی صحبت ہے۔ [۳]

قول نمبر ۹۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی چشتیؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالی سے سچی محبت کرنے والوں کو اولیاء سے وحشت نہیں ہوتی بلکہ عشق ربانی کے غلبہ کے تحت وہ اولیاء اللہ کے اس طرح دیوانے ہوتے ہیں جس طرح شمع پر پروانے گرویدہ ہوتے ہیں۔ [۴]

قول نمبر ۱۰۔

حضرت قیوم زمانی خواجہ معصوم فاروقیؒ فرماتے ہیں:

طالب ومطلوب کے درمیان سب سے بڑا احجاب طالب کا نفس ہے لہذا طریق اولیاء پر نفس کا تزکیہ کرنا لازمی ہے۔ [۵]

---

[۱] (نام شیخ شہاب الدین ہے ابوالنجیب کنیت ہے)، [۲] (عوارف المعارف)، [۳] (تذکرہ خواجگان حیشت) [۴] (تذکرہ خواجگان حیشت)، [۵] (مکتوبات معصومیہ)

قول نمبر ۱۱۔

شیخ ابو طالب مکی صاحب قوت القلوب میں شریعت و طریقت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ دونوں ایسے علوم ہیں جن میں سے کوئی ایک دوسرے سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ جیسے اسلام اور ایمان کہ ان میں سے ہر ایک مرتبط ہے۔ یا جیسے جسم اور قلب کا رشتہ ہے کہ ان دونوں میں جدائی ممکن نہیں۔ [۱]

قول نمبر ۱۲۔

شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ فرماتے ہیں: شریعت ظاہر حقیقت ہے اور حقیقت شریعت کا باطن ہے اور وہ باہم لازم و ملزوم ہیں، ان میں سے کوئی دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ [۲]

قول نمبر ۱۳۔

حضرت شیخ زروقؒ فرماتے ہیں: تصوف کا دین میں مقام وہی ہے جو روح کا بدن میں ہوتا ہے۔ [۳]

قول نمبر ۱۴۔

حضرت علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: شریعت اور طریقت باہم لازم و ملزوم ہیں کیوں کہ اللہ کی طرف جانے والے راستے کا ایک ظاہر حصہ ہے اور ایک باطنی۔ ظاہری حصہ شریعت اور طریقت ہے اور باطنی حصہ حقیقت ہے۔ [۴]

---

[۱] (مرقاۃ المفاتیح ۱:۲۵۶)، [۲] (بحوالہ شرح الرسالۃ تفشیریہ) [۳] (طبقات الکبریٰ)، [۴] (بحوالہ رد المحتار ۳:۳۲)

قول نمبر ۱۵۔

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ: نفس اور نفسانی ہوس سے جہاد کرنا ہی جہاد اکبر ہے۔ [۱]

قول نمبر ۱۶۔

مفسر قرآن حضرت علامہ اسماعیل حقیؒ فرماتے ہیں: جب تک نفس خواہشات سے پاک نہ ہو جائے انسان کا دل ماسوائے اللہ سے پاک نہیں ہو سکتا۔ [۲]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی ۝ [۳]

ترجمہ: وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے تزکیہ نفس کیا۔

قول نمبر ۱۷۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: اہل سنت کا مدار شریعت اور طریقت پر ہے۔ انہی دونوں باتوں کو موقع ریاست اور بزرگی گردانتے ہیں۔ [۴]

قول نمبر ۱۸۔

مفسر قرآن حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددیؒ فرماتے ہیں: صوفیہ کے طریقہ پر چلنا اور فقراء کے دامن سے وابستہ ہونا ایسا ہی فرض ہے جیسے کتاب اللہ کی تلاوت اور اس کے احکامات کو سیکھنا۔ [۵]

---

[۱] (تفسیر مظہری) [۲] (روح البیان)، [۳] (سورۃ الاعلیٰ، پ۳۰، آیت نمبر ۱۴)، [۴] (بحوالہ تحفہ عشریہ)، [۵] (تفسیر مظہری)

قول نمبر ۱۹۔

امام اہلسنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلویؒ فرماتے ہیں کہ قرآن عظیم نے حکم فرمایا ہے کہ اللہ کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ اللہ تعالی کی طرف وسیلہ حضورﷺ ہیں اور آپﷺ کی طرف وسیلہ مشائخ کرامؒ سلسلہ بہ سلسلہ۔ جس طرح اللہ عزوجل تک بے وسیلہ رسائی محال قطعی ہے یونہی حضورﷺ تک رسائی بے وسیلہ دشوار عادی ہے۔ ۱

قول نمبر ۲۰۔

حضرت امام علامہ یوسف نبہانی فلسطینیؒ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ وہ ذوات قدسیہ ہیں جو عالم غیب کی طرف ارتقاء فرماتے ہیں اور ان کے سامنے وہ دنیا آجاتی ہے جسے اللہ تعالی نے معارف قدسیہ اور انوارات سے مزین کر رکھا ہے۔ قرب الٰہی اور عالم غیب کی طرف بڑھنا صرف اولیاء اللہ کے روحانی نور کی رہنمائی سے ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ ۲

قول نمبر ۲۱۔

حضرت علامہ شیخ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں: تصوف کا علم عین شریعت ہے۔ صوفیوں کے احوال کو وہی برا سمجھے گا جو ان کا حال نہیں جانتا۔ جس شخص کے دل میں خدائے عزوجل کے طریق کا میلان وشوق نہ پیدا ہو تو وہ شخص مردوں کے شمار میں ہے۔ ۳

قول نمبر ۲۲۔

حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی فرماتے ہیں کہ جسم پاک مصطفیﷺ کے حالات کا نام شریعت ہے اور قلب پاک کے احوال کا نام طریقت ہے۔ شریعت درخت ہے طریقت اس کا پھل پھول ہے۔ ۴

---

۱ (بیعت وخلافت)، ۲ (جامع کرامات اولیاء) ۳ (الطبقات الکبری، علامہ عبدالوہاب شعرانی)، ۴ (رسائل نعیمیہ)

قول نمبر ۲۳۔

حضرت علامہ انور شاہ محدث کشمیریؒ نے فرمایا: شریعت و طریقت دو مختلف چیزیں نہیں۔ دین ایک طرف چار فقہی مذاہب میں اور دوسری طرف چار روحانی سلسلوں میں محفوظ ہو کر ہم تک پہنچا ہے۔ اہل سنت والجماعت کا مدار نبوت کے انہی دو پہلوؤں پر ہے۔ [۱]

قول نمبر ۲۴۔

حضرت حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں شیخ ایسا پکڑیں جو ذاکر ہو اور اہل غفلت میں سے نہ ہو۔ وہ متبع سنت ہو کیونکہ قلوب کی اصلاح جوارح سے مقدم ہے لہذا اعمال قلبیہ واجب ہیں۔ [۲]

قول نمبر ۲۵۔

حضرت شیخ امداد اللہ مہاجر مکی فرماتے ہیں: مرشد کے حکم اور ادب کو خدا عزوجل اور رسول ﷺ کے حکم اور ادب کی جگہ سمجھے کیونکہ مرشدین خدا اور رسول ﷺ کے نائب ہیں۔ [۳]

قول نمبر ۲۶۔

مولانا اشرف علی تھانوی دیوبندی فرماتے ہیں: تصوف کے اصول صحیحہ قرآن اور حدیث میں سب موجود ہیں اور یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف قرآن اور حدیث میں نہیں ہے بالکل غلط ہے۔ جعلی صوفیوں اور خشک علماء کا خیال ہے کہ تصوف سے قرآن وحدیث خالی ہیں مگر دونوں غلط سمجھے ہیں۔ اولیاء کے دل خدا تعالیٰ کے نور سے روشن ہیں۔ ان کے پاس رہنے سے نور ملتا ہے۔ لہذا ان کی صحبت کی بھی ضرورت ہے۔ اور تصوف مثل نماز روزہ فرض ہے۔ [۴]

---

[۱] (دلائل السلوک)، [۲] (ابن قیم مدارج السالکین)، [۳] (کلیات امدادیہ)، [۴] (شریعت و طریقت)

قول نمبر ۲۷۔

بقول مولانا احمد علی لاہوریؒ دیوبندی: منکرین تصوف چور، ڈاکو اور رہزن ہیں جو دین کے اہم جزو کو دین سے خارج کرنا چاہتے ہیں۔ [۱]

قول نمبر ۲۸۔

بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ: نور نبوت کے بغیر علوم نبوت پڑھ لینے سے عملی زندگی کبھی درست نہیں ہوسکتی اس لیے فراغ درسیات اور علوم ظاہری کے بعد اہل اللہ کی صحبت میں حاضری ضروری ہے۔ [۲]

قول نمبر ۲۹۔

حضرت علامہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری فرماتے ہیں: تزکیہ نفس کا مبارک فریضہ انبیاء کرام سرانجام دیتے ہیں اور عوام کے نفوس کو پاکیزگی فراہم کرتے رہے ہیں۔ تزکیہ نفس کے پیغمبرانہ منصب سے ہی طریق صوفیاء کا سنت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ [۳]

---

[۱] (دلائل السلوک)، [۲] (دلائل السلوک)، [۳] (تفسیر منہاج القرآن)

باب نمبر ۳

(بیعت)

بیعت کیا ہے؟

بیعت کا معنی کسی مقصد یا منزل کو حاصل کرنے کے لیے کسی شخصیت کو اپنا رہنما تسلیم کرنا ہے
بیعت کا ایک مطلب وہ معاہدہ ہے جس کے تحت بیعت ہونے والا شخص اپنی مرضی اور اختیارات کسی کامل شخصیت کے سپرد کر دیتا ہے۔

تصوف کی اصطلاح میں جب کوئی مسلمان کسی ولی اللہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر تجدید ایمان اور توبہ ورجوع الی اللہ کا عہد کرتا ہے اور خود کو تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کے لیے مرشد کے سپرد کرتا ہے تاکہ قرب الٰہی کی منازل طے کر سکے تو اس عمل کو بیعت کا نام دیا جاتا ہے۔

بیعت کی اقسام:

حضرت امام نسائیؒ نے بیعت کی درج ذیل اقسام بیان فرمائی ہیں [1]:

۱۔سمع وطاعت پر بیعت

۲۔حاکموں سے حکومت نہ چھیننے پر بیعت

۳۔حق بات کہنے پر بیعت

۴۔انصاف کی بات کرنے پر بیعت

۵۔ کسی کو ترجیح دینے پر بیعت

۶۔ ہر مسلمان کے لیے اخلاص کا مظاہرہ کرنے پر بیعت

۷۔ میدان جنگ سے بھاگ نہ جانے پر بیعت

۸۔ موت پر بیعت

۹۔ جہاد پر بیعت

۱۰۔ ہجرت پر بیعت

۱۱۔ پسندیدہ اور ناپسندیدہ عمل پر بیعت

۱۲۔ مشرک سے الگ تھلگ ہونے کی بیعت

۱۳۔ عورتوں کو بیعت

۱۴۔ جسے کوئی مرض ہو اس کی بیعت

۱۵۔ لڑکے کی بیعت

۱۶۔ غلاموں کی بیعت

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حدیث سے بیعت کا مسنون ہونا ثابت ہے اور بیعت قرب الٰہی کا وسیلہ ہونا بھی ثابت ہے۔ آپ فرماتے ہیں حضور نبی کریم ﷺ سے لوگ درج ذیل بیعت کرتے تھے [۲]:۔

۱۔ بیعت قبول اسلام

۲۔ کبھی ہجرت پر بیعت

---

[۱] (نسائی کتاب البیعت)، [۲] (رسالہ القول الجمیل)

۳۔کبھی اقامت ارکان پر بیعت (یعنی نماز، روزہ، حج، زکوۃ)

۴۔کبھی سنت کی پیروی پر بیعت

۵۔کبھی تقویٰ کی رسی پکڑنے پر بیعت

۶۔کبھی بدعت سے بچنے پر بیعت

۷۔کبھی نوحہ نہ کرنے پر بیعت

۸۔جہاد کرنے اور ثابت قدم رہنے پر بیعت۔

شاہ رفیع الدین نے بیعت کو پانچ اقسام میں تقسیم کیا ہے [۱]:۔

۱۔بیعت معیشت ۲۔بیعت وسیلت

۳۔بیعت شریعت ۴۔بیعت طریقت

۵۔بیعت حقیقت

بیعت سے متعلق آیات قرآنیہ پیش خدمت ہیں

۱۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ط یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡهِمۡ فَمَنۡ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِهٖ وَ مَنۡ اَوۡفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیۡهُ اللّٰہَ فَسَیُؤۡ تِیۡهِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا۔ [۲]

ترجمہ: بے شک جو لوگ آپ ﷺ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے

---

[۱] (رسالہ مقالات احسانی) [۲] (سورۃ الفتح، پ ۲۶، آیت نمبر ۱۰)

ہیں۔اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے پس جو کوئی قول توڑتا ہے اپنی جان پر اور جو کوئی پورا کرے اپنا کیا ہوا وعدہ تو اس کو اللہ تعالی بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔

۲۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

یٓاَ یُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَ کَ الْمُؤمِنٰتِ یُبَایِعُنَکَ عَلیٰٓ اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلٰدَھُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُھْتٰنٍ یَّفْتَرِیْنَہ بَیْنَ اَیْدِیْھِنَّ وَ اَرْ جُلِھِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَا یِعْھُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَھُنَّ اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ عَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ٥ [۱]

ترجمہ: اے نبی! جب مومن عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں اس بات پر کہ اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی اور چوری نہیں کریں کی اور زنا نہ کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی اور کسی پر من گھڑت بہتان نہ لگائیں گی اور کسی اچھے کام میں آپ ﷺ کی نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت کرلو۔اور ان کے لیے اللہ تعالی سے بخشش کی دعا کریں اللہ تعالی بے شک بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ آیہ کریمہ فتح مکہ کے روز نازل ہوئی۔جب آپ ﷺ مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے تو عورتوں کی بیعت شروع کی،عورتوں کی بیعت صرف زبان سے ہوئی اور آپ نے کسی بیعت کرنے والی عورت کے ہاتھ کو ہرگز نہیں چھوا۔حضرت اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں کہ یہ آیت بیعت کی غرض میں صریح ہے۔

---

۱ (سورۃ الممتحنۃ، پ۲۸،آیت نمبر۱۲)

۳۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَنۡ اَوۡفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَيۡهُ اللّٰهَ فَسَيُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا۔ ۱

ترجمہ: اور جس نے اللہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا تو اللہ تعالی عنقریب اس کو بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔

درحقیقت بیعت اللہ تعالی کے احکامات کو پورا کرنے کا کسی ولی اللہ کے ہاتھ پر وعدہ ہوتا ہے۔

۴۔ بیعت رضوان کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ يُبَايِعُوۡنَكَ تَحۡتَ الشَّجَرَةِ۔ ۲

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالی مومنوں سے راضی ہوا جب آپ ﷺ سے درخت کے سائے میں بیٹھ کر انہوں نے بیعت کی۔

۵۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَاَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَنَّةَ۔ ۳

ترجمہ: بے شک اللہ تعالی نے مومنوں کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں جنت کے بدلے۔

اصل مومن وہ ہوتا ہے جو اپنی جان اور مال پر اللہ تعالی کے احکامات جاری کرتا ہے۔ یعنی مومن جان اور مال کا اختیار اللہ تعالی کے سپرد کر چکا ہوتا ہے۔

ایسی شخصیات کے لیے ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالی کی طرف سے بہت بڑی کامیابی کی

---

۱ (سورۃ الفتح، پ ۲۶، آیت نمبر ۱۰)، ۲ (سورۃ الفتح، پ ۲۶ آیت نمبر ۱۸)، ۳ (سورۃ التوبہ، پ ۱۱، آیت نمبر ۱۱۱)

بشارت ہے فرمایا: وَمَنۡ اَوۡ فٰی بِعَھۡدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسۡتَبۡشِرُوۡا بِبَیۡعِکُمُ الَّذِیۡ بَا یَعۡتُمۡ بِہٖ، وَ ذٰلِكَ ھُوَالۡفَوۡزُالۡعَظِیۡمُ۔[۱]

ترجمہ: اور جس نے اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کیا پس مومنوں کو اللہ سے کی ہوئی بیعت پر بشارت ہو اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

اس بیعت پر مومنوں کو خوشیاں منانے کا حکم ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کو بہت ہی بڑی کامیابی قرار دیا گیا ہے۔

۶۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُو اللّٰہَ وَ کُوۡ نُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ۔[۲]

ترجمہ: اے ایمان والے لوگو تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

اس آیت مبارکہ میں مومنوں کو پرہیز گاری اختیار کرنے اور سچے لوگوں کی صحبت میں آنے کا حکم ہے اور کو نوا میں سچے لوگوں کے ساتھ مستقل تعلق و رابطہ قائم کرنے کا حکم ہے۔

بیعت سے متعلق احادیث مبارکہ درج ذیل ہیں

۱۔ قال: با یعنا رسول اللہ ﷺ علی السمع والطاعة فی العسر و الیسر والمنشط والمکرہ و علی اثرة علینا و ان لا تنازع الا مر اھله الا ان تروا کفرا بواحا عندکم من اللّٰہ جیه برھان و علی ان نقول باالحق اینما کنا، لا نخاف فی اللّٰہ لومة لآ ئم۔ [۳]

---

[۱] (سورۃ التوبہ، پ۱۱، آیت نمبر۱۱۱)، [۲] (سورۃ التوبہ، پ۱۱، آیت نمبر۱۱۹)، [۳] (بخاری و مسلم)

مفہوم:

حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول کریم ﷺ سے بیعت کی کہ: ہم ہر حالت میں بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے خواہ تنگی کی حالت ہو یا فراخی کی اور خوشی کی حالت میں بھی اور ناپسندیدگی کی حالت میں بھی اور اس صورت میں بھی جب دوسروں کو ہمارے مقابلے میں ترجیح دی گئی ہو۔ امیر سے جھگڑا نہیں کریں گے سوائے اس کے کہ امیر سے کھلا ہوا کفر سرزد ہو۔ اس وقت ہمارے پاس دلیل ہوگی کہ ہم اس کی بات نہ مانیں اور جہاں کہیں بھی ہوں گے حق بات کہیں گے۔ اللہ کے سلسلے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔

اس حدیث کی شرح میں مولانا محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ یہ وہی بیعت صوفیاء ہے جو امور اسلام پر تاکید کے واسطے کی گئی۔

۲۔ نحن الذین بایعوا محمدا علی الجهاد ما بقینا ابدا۔ [۱]

ترجمہ: ہم وہ لوگ ہیں جنھوں نے محمد ﷺ سے جہاد کے لیے بیعت کی ہے جب تک ہم زندہ ہیں (جب صحابہ کرامؓ غزوہ احزاب میں خندق کھود رہے تھے تو ان کی زبانوں پر یہ شعر جاری تھا)۔

۳۔ حدیث مبارکہ:

عن عبداللّٰہ بن عمر من مات و لیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة و من خلع یدا من طاعته لقی اللّٰہ یوم القیمة و لا حجة له۔ [۲]

---

[۱] (بخاری)، [۲] (مسلم۔ مشکوۃ)

ترجمہ: وہ شخص مر گیا، اور اس کی گردن میں بیعت نہیں ہے تو، وہ مر گیا جاہلیت کی موت، اور جس نے اپنے ہاتھ اللہ کی اطاعت سے اٹھائے وہ قیامت کے دن اللہ تعالی سے ملے گا اور کوئی حجت اس کے پاس نہ ہوگی۔

۴۔ حضرت عوف بن مالک اشجعی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے نو (۹) آدمی تھے یا آٹھ یا سات۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے بیعت نہیں کرتے۔ ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ کس امر پر آپ ﷺ کی بیعت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان امور پر کہ اللہ تعالی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور احکام سنو اور مانو۔ [۱]

اس حدیث میں بیعت طریقت کا صریح اثبات موجود ہے۔

۵۔ ایک دن آنحضرت نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے اور چند بڑے صحابی آپ ﷺ کے گرداگرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: بایعو فی علی ان لا تشر کو ا باللہ شیئا۔ اس شرط پر میرے ساتھ بیعت کرو کہ تم اللہ تعالی کے ساتھ کسے ایک کو بھی شریک نہیں ٹھہراؤ گے۔ [۲]

۶۔ حضرت عتبہ بن عبدؓ سے مروی ہے:

بابعت رسول اللہ ﷺ سبع بیعات خمس علی الطاعتہ وا ثنین علی المحبہ۔ [۳]

ترجمہ: میں نے حضور ﷺ کے دست حق پرست پر سات بیعتیں کیں جن میں سے پانچ اطاعت اور دو محبت پر تھیں۔

---

[۱] (مسلم، ابوداود نسائی)، [۲] (مرآۃ العاشقین)، [۳] (حیاۃ الصحابہ ۱:۲۳۲)

۷۔حضرت انس بن مالکؓ سے ابونعیمؒ اورابن عساکرروایت کرتے ہیں

قال بابعت النبی ﷺ بیدی ھذا علی السمع و الطاعته فبما اِستطعتُ [۱]

فرماتے ہیں کہ میں نے اس ہاتھ سے آپ ﷺ کے ساتھ سمع وطاعت پر بیعت کی جتنی میں طاقت رکھتا ہوں۔

۸۔حدیث مبارکہ:

من خلع یدا من طاعته لقی الله یوم القیامة ولا حجة له و من مات و لیس فی عنقه بیعة مات میتة جاھلیته [۲]

مسلم نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے جس نے کھینچا ہاتھ کو اطاعت سے تو وہ اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اور جو مر جائے اس حال میں کہ اس کی گردن میں بیعت کا پٹا نہ ہو وہ تو جہالت کی موت مرے گا۔

حضرت امام جعفرالصادقؒ کا فرمان مبارک کہ:

لَا تَصِحُّ الْعِبَادَۃُ اِلَّا بِاالتَّوْبَۃِ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدَّمَ التَّوْبَۃَ عَلَی الْعِبَادَۃِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَلتَّائِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ۔

ترجمہ: عبادت توبہ کے بغیر درست اور صحیح نہیں ہوسکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے توبہ کو عبادت پر مقدم رکھا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا توبہ کرنے والے ہی عبادت کرنے واے ہیں۔

یعنی کسی کامل شخصیت کے ہاتھ پر توبہ سے ہی طریقت کی ابتداء ہوتی ہے اسی لیے قرآن

---

[۱] (حیاۃ الصحابہ ۱:۲۳۲)، [۲] (مسلم شریف)

حکیم میں ارشاد ہے کہ: وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ"۔ ا

ترجمہ: اور اپنے رب سے معافی چاہو پھر اس کی طرف رجوع (توبہ) کرو بیشک میرا رب مہربان محبت کرنے والا ہے۔

بیعت دراصل توبہ کرنے اور اس پاک ذات کی طرف رجوع کرنے کا ہی نام ہے۔ اس کے بعد ہی عبادت کی لذت محسوس ہوتی ہے۔

حضرت مولانا روم فرماتے ہیں ۲ :

دست پیراز غائباں کوتاہ نیست　　　　دست او جز قبضہ اللہ نیست

ترجمہ: پیر کا ہاتھ (اس کی توجہ و فیضان کی وجہ سے) غائبین تک بھی اثر کرتا ہے اور اس کے ہاتھ پر بیعت ہونا گویا کہ حق تعالیٰ ہی سے بالواسطہ توبہ اور عہد کرنا ہے۔

چونکہ دست خود بدست او وہی　　　　پس زوست آکلاں بیروں جہی

ترجمہ: جس دن تو کسی ولی کامل کے ہاتھ پر بیعت و توبہ کرے گا اسی دن گمراہ کرنے والے تمام طبقات اور ان کے نظریات باطلہ کے جال سے خلاصی حاصل کرلے گا۔

۹۔　حضرت بشیر بن حصاصیہؓ کہتے ہیں کہ میں بیعت کیلئے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے پوچھا کہ آپ ﷺ کن امور پر مجھ سے بیعت لیتے ہیں۔ سیّدنا حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ مبارک (بیعت کرنے کے واسطے) پھیلائے اور فرمایا کہ تو گواہی دے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور پانچوں نمازیں اپنے اپنے اوقات پر پڑھے اور زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے

ا (سورۃ ھود، پ۱۲، آیت ۹۰)، ۲ (مثنوی مولانا روم)

رکھے اور حج کرے اور اللہ تعالی کے راستہ میں جہاد کرے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ سب باتوں کی مجھے طاقت ہے مگر دو چیزوں کی طاقت نہیں۔ ایک زکوۃ کی کہ میرے پاس صرف دس (۱۰) اونٹ ہیں وہی میرے اہل وعیال کے دودھ کے لیےاور سواری کے لیے ہیں اور جہاد کی بھی میں طاقت نہیں رکھتا کیونکہ میں کمزور دل ہوں اور لوگ کہتے ہیں کہ جو جہاد سے بھاگے تو اللہ تعالی کے غصہ کا سبب ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ میں جہاد میں شریک ہوں اور کسی وقت موت کے ڈر سے بھاگ جاؤں تو اللہ تعالی کے غصہ میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ تو حضور اقدس ﷺ نے اپنے ہاتھوں کو کھینچ لیا اور حرکت دے کر فرمایا کہ او بشیر! جب نہ زکوۃ ہوگی نہ جہاد ہوگا پھر جنت میں کیسے جائے گا۔ تو میں نے عرض کیا کہ اچھا اپنے ہاتھ پھیلایئے میں بیعت کرتا ہوں تو حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے دست مبارک پھیلائے اور میں نے تمام امور بالا پر بیعت کی۔ [۱]

۱۰۔ حضرت جریرؓ کی روایت ہے کہ جس نے حضور نبی کریم ﷺ سے نماز کے قائم کرنے اور زکوۃ ادا کرنے پر بیعت کی اور اس بات پر کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا۔ دوسری روایت میں اسطرح ہے حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ضریر! اپنے ہاتھ پھیلاؤ تو میں نے عرض کیا کس بات کے لیے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس واسطے کہ اپنے آپ کو اللہ تعالی کا تابعدار بنادے اور ہر مسلمان کے لیے خیر خواہی کر۔ اس کو انہوں نے غور سے سنا اور آدمی بہت سمجھدار تھے اس لیے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جہاں تک مجھے طاقت ہے۔ تو اس کے بعد حضرت جریرؓ کا یہ کہنا لوگوں کے لیے رخصت کا سبب ہو گیا۔

---

[۱] (حیات الصحابہ)

۱۱۔ حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ہے کوئی جو مجھ سے بیعت کرے تو حضرت ثوبانؓ نے عرض کیا کہ ہمیں بیعت فرمالیجئے۔ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے اس بات پر بیعت لی کہ کسی سے کوئی سوال نہیں کرے گا تو حضرت ثوبانؓ نے عرض کیا اس کو کیا ملے گا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا جنت! تو حضرت ثوبانؓ نے بیعت کی۔

۱۲۔ حضرت ابوذرؓ کی حدیث کے بہت سے الفاظ بہت سی سندوں سے نقل کئے گئے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے پانچ دفعہ مجھ سے اس پر بیعت لی کہ میں اللہ تعالی سبحانہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈروں جبکہ ایک حدیث اسطرح ہے کہ سیدنا حضور اقدس ﷺ نے ابوذرؓ سے فرمایا چھ دن انتظار کر اور ساتویں دن میں تجھ سے ایک بات کہوں گا اسے اچھی طرح سمجھ لینا ساتویں دن آپ ﷺ نے فرمایا کہ اولاً تجھے وصیت کرتا ہوں اللہ تعالی کے تقویٰ کی تنہائی میں اور مجمع میں بھی خلوت میں بھی اور جلوت میں بھی۔ اور جب کوئی برائی ہو جائے تو اس کے بعد فوراً کوئی اچھا کام کر لیا کر اور کسی سے سوال نہ کر چاہے تیرا کوڑا ہی گر جائے اور کسی کی امانت نہ رکھنا۔

کیا دوسری بار بیعت کرنا جائز ہے؟
کیا متعدد مشائخ سے روحانی تعلیم اور صحبت کا استفادہ کر سکتا ہے؟
کیا ایک ہی پیر کی بیعت کافی ہے خواہ کامل ہو یا ناقص؟

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ فرماتے ہیں: حضرت خواجہ احرار قدس سرہ

نے فرمایا ہے کہ طریقہ عالیہ نقشبندیہ میں پیری و مریدی طریقہ کے تعلم و تعلیم پر موقوف ہے نہ صرف کلاہ و شجرہ پر جو مشائخ کے اکثر طریقوں میں مروج ہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے متاخرین نے پیری مریدی کو کلاہ و شجرہ پر منحصر کر دیا یہی وجہ ہے کہ پیر کا تعدد تجویز نہیں کرتے اور طریق سکھانے والے کو مرشد کہتے ہیں پیر نہیں جانتے آداب پیری مدنظر نہیں رکھتے یہ ان کی بڑی جہالت اور نادانی ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ مشائخ نے پیر کا تعدد تجویز فرمایا ہے بلکہ پیر اول کی حیات میں اگر طالب اپنی ہدایت کسی اور جگہ دیکھے تو اس کو جائز ہے کہ پہلے پیر کے انکار کے بغیر دوسرے پیر کی بیعت کرے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ نے اس بات کی تجویز کے لیے علماء بخارا سے بات کا فتوی درست فرمایا تھا اگر ایک پیر سے حرقہ ارادت لیا ہو تو دوسرے سے تبرک کا حرقہ لے مگر اس پر یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ دوسرا پیر ہرگز نہ پکڑے۔ اگر خرقہ ارادت ایک سے لے اور طریقت کی تعلیم دوسرے سے اور صحبت تیسرے کے ساتھ رکھے اگر تینوں دولتیں ایک جگہ میسر آ جائیں تو قسمت و نعمت ہے اور جائز ہے کہ مشائخ متعدد سے تعلیم و صحبت کا استفادہ کرے۔ [1]

مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر مرید ایک پیر کو چھوڑ کر دوسرے پیر کی بیعت کر سکتا ہے۔

۱۔ بیعت کا مقصد قرب الٰہی کا حصول ہے اگر پیر شریعت کا پابند نہیں اور نہ ہی اس کے پاس روحانی صلاحیت ہے تو ایسے پیر کی بیعت توڑنا لازم ہے کیونکہ جو بذات خود واصل حق نہیں وہ دوسروں کی کس طرح تربیت کر سکتا ہے۔

۲۔ اگر کوئی مرید کسی صاحب شریعت اور متقی شخص ہی سے بیعت ہو مگر اس کی صحبت اور تربیت

---

[1] (مکتوبات امام ربانیؒ جلد دوئم کے مکتوب نمبر ۲۲۱)

کے اثر کو نہ پا سکے تو اس کو بھی اپنے لیے دوسرا پیر تلاش کرنا چاہیے کیونکہ مقصود و مطلوب اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ممکن ہے پیر کی روحانی نسبت اور فیض کسی دوسری شخصیت سے وابستہ ہو مگر اس صورت میں مرید کے لیے ایک چیز ضروری ہے کہ پہلے پیر کی عزت اور صحبت جاری رکھے کیونکہ ممکن ہے وہ پہلا پیر کامل ہی ہو۔

۳۔ اگر کوئی پیر فوت ہو جائے اور مرید کے روحانی سلوک طے کرنے باقی ہوں تو اس صورت میں مرید کو کسی زندہ ولی اللہ کی بیعت کرنا ہوگی اور پہلے پیر کی عقیدت اور عزت کو برقرار رکھنا ہوگا اگرچہ ولی کامل کا فیض وفات کے بعد بھی جاری رہتا ہے مگر مبتدی یعنی ابتدائی مرید کے لیے عالم برزخ سے فیض یابی مشکل ہوتی ہے۔ اس لیے تمام مشائخ اکابرین کا طریقہ یہی رہا کہ زندہ شخصیت کو پیر بنایا اور اس کی نگرانی میں روحانی سلوک طے کیے۔ فنا قلبی کے بعد ہی عالم برزخ کے اولیاء سے فیض یابی کر سکتا ہے۔

۴۔ اگر پیر یا مرید کسی دوسرے ملک میں چلا گیا ہو اور ظاہری ملاقات ممکن نہ ہو جو کہ روحانی صحبت کے لیے ضروری ہے کیونکہ روحانی فیض یابی کے لیے جسمانی قرب بہت اہمیت رکھتا ہے۔ جیسا کہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کی ظاہری ملاقات نہ ہونے کی وجہ سے حضرت اویس قرنیؒ صحابہ کرام کی لسٹ میں شامل نہ ہوئے بلکہ تابعین کی فہرست میں اولیت کی سعادت حاصل کی حالانکہ وہ کس بلند محبت پر فائز تھے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی مفسر تفسیر مظہری فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص ایک مدت تک حسن اعتقاد کے ساتھ اپنے پیر کی صحبت میں رہا اور اس کی صحبت کی تاثیر نہ پائی تو اس پر واجب ہے کہ اس پیر کو چھوڑ کر دوسرے شیخ کی تلاش کرے۔ ورنہ اس شخص کا مقصود اور معبود شیخ (پیر) ہوگا نہ کہ اللہ تعالیٰ۔ اور یہ شرک ہے۔ خواجہ عزیزاں علی رامیتنی قدس سرہ جو کہ طریقہ نقشبندیہ کے عظیم بزرگ ہیں

اس طرح فرماتے ہیں: جب تو کسی پیر کی صحبت میں رہے اور تجھے اطمینان حاصل نہ ہو اور تجھ سے آب وگل (دنیا) کی کدورتیں دور نہ ہوں تو ایسے پیر کی صحبت سے دور بھاگ ورنہ عزیزاں کی روح کو تکلیف ہوگی۔ لیکن اپنے پرانے شیخ سے حسن ظن رکھے کیونکہ ممکن ہے وہ پیر کامل ومکمل ہو لیکن اس کی صحبت سے فیض حاصل کرنا اس مرید کے مقدر میں نہ ہو۔ اسی طرح مرید کے درجہ کمال تک پہنچنے سے پہلے ہی شیخ کامل دنیا سے رحلت کر جائے تو مرید پر واجب ہے کہ کسی دوسرے شیخ کی صحبت تلاش کرے کیونکہ مقصود اللہ تعالیٰ ہے۔ [1]

اب مذکورہ سوالات کی مزید وضاحت کے لیے کچھ اولیاء کرام کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو ایک سے زیادہ شیوخ سے فیض یاب ہوئے اور انہوں نے صرف ایک شیخ تک ہی خود کو پابند نہ کیا:

حضرت ابوحمزہ بغدادی حضرت حارثؒ کے مرید تھے مگر حضرت سری سقطیؒ کی صحبت سے بھی فیض یاب ہوئے۔ حضرت ابوبکر شبلیؒ نے حضرت خیر النساجؒ کے ہاتھ پر توبہ کی اور حضرت جنید بغدادیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اسی طرح غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے چار پیر تھے ایک آپ کے والد گرامی حضرت شیخ ابو صالحؒ، دوسرے ابوسعید مخرومیؒ، تیسرے حضرت حماد باسؒ اور چوتھے حضرت شیخ ابووفا قدس سرہ۔ [2]

اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اپنے والد حضرت شیخ عبدالاحدؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور سلسلہ چشتیہ میں خلافت حاصل ہوئی لیکن بعد میں آپ سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور خلافت حاصل کی اور پھر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کو ہی چلایا۔

---

[1] (بستان السالکین)، [2] (بحوالہ در المعارف ملفوظات شاہ غلام علی)

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے پہلی بیعت حضرت عابد منامی کی جبکہ دوسری بیعت حضرت مرزا مظہر جان جاناں کی کی اور خلافت پائی۔

سوال:۔ کیا اولیاء کاملین کی اولاد دوسرے مشائخ سے بیعت کر سکتی ہے یا ان کے لیے صرف کاملین اولیاء کرام کی اولاد ہونا ہی کافی ہے روحانی تربیت کی ضرورت نہیں؟

جواب:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کے دنیا ظاہری سے تشریف لے جانے کے بعد صحابہ کرام نے خلفاء راشدین کی باری باری جو بیعت کی وہ صرف بیعت خلافت ہی نہیں تھی بلکہ وہ روحانی اور طریقت کی بیعت بھی تھی۔ اس لیے تجدید بیعت صحابہ کرامؓ کے عمل سے ثابت ہے۔ [1]

عالم علم لدنی غوث الزمان حضرت خواجہ محمد عبدالرحمٰن چھوہرویؒ فرماتے ہیں:

آنحضرت ﷺ کے ساتھ سب اصحاب کبار نے بیعت کی۔ پھر حضرت صدیق اکبرؓ کے ساتھ پھر حضرت عمرؓ کے ساتھ پھر حضرت عثمانؓ کے ساتھ اور پھر حضرت علی کرم اللہ وجھہ کے ساتھ تو کیا یہ اصحابہ جو بیعت ایک صاحب سے پھر دوسرے صاحب سے کرتے رہے (نفس بیعت سے) منکر ہو جاتے تھے؟ (کہ دوسری بیعت کی ضرورت پڑتی رہی) بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بیعت خلفاء راشدین کی سلطنت کی (ہی) بیعت تھی طریقت کی بیعت نہ تھے، مگر ان کا یہ قول جھوٹ ہے۔ نیز حضرت امام حسین علیہ سلام نے اپنے والد گرامی حضرت علیؓ کے ساتھ بیعت کی پھر بھائی امام حسن علیہ سلام کے ساتھ بیعت کی ان کی یہ بیعت ثانی بیعت طریقت تھی علی ہذا القیاس یہی طریقہ اولیاء کرام کا ہے ایک سلسلے میں بیعت کر کے اس کا فیض حاصل کر کے پوری تکمیل فیض سلسلہ کے بعد دوسرے سلسلہ کے شیخ سے بیعت اور فیض حاصل کرتے رہے ہیں۔ [2]

---

[1] (مکتوبات امام ربانی)، [2] (مکتوبات رحمانیہ ۱۲۲)

اس کے علاوہ گذشتہ صفحات پر بھی مذکور ہے کہ حضور غوث الاعظمؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ جیسی بے مثل ہستیاں قرب الٰہی کے حصول کے لیے دوسرے با کمال اولیاء کرام کے ہاتھ پر بیعت ہوئیں۔ اگرچہ یہ عظیم شخصیات اپنے آبائے اجداد کے روحانی فیوض و برکات کو حاصل کر چکی تھیں۔ اگر کسی ولی اللہ کی اولاد روحانی تزکیہ و تصفیہ کے مراحل سے نہیں گذری تو اس کے لیے بیعت کرنا اور معرفت الٰہی کے سلوک طے کرنا اسی طرح لازمی اور ضروری جس طرح ایک عام آدمی کے لیے ضروری ہے۔ کیونکہ اولیاء عظام کے ارشادات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ولایت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ مگر یہ موروثی چیز نہیں بلکہ کسبی ہے۔ ولایت کسی ایک خاندان کے لیے مختص نہیں اور نہ ہی عام مسلمانوں کے لیے ولایت کے حصول کے لیے دروازے بند ہیں جیسا کہ اولیاء کرام کی تاریخ بتاتی ہے کہ بہت سے اولیاء کرام ایسے ہیں جن کے آباؤ اجداد ولی نہیں تھے۔

سوال: اگر کوئی شخص کسی ولی اللہ کا مرید تھا اب اس کی اولاد کے لیے ضروری ہے کہ اس ولی کی اولاد ہی سے بیعت کرے یا دوسرے ولی کے ہاتھ پر بیعت کرے؟

جواب: بیعت کا مقصد اولیاء کرام کے سینہ سے باطنی فیوضات و انوارات حاصل کرنا ہے نہ کہ رسمی تعلقات قائم کرنے ہیں۔ اگر کسی ولی اللہ کی اولاد میں کامل اولیاء کرام موجود ہیں تو اس صورت میں مریدین کی اولاد وہاں بیعت کر سکتی ہے۔ ہاں اگر اولیاء کی اولاد ولایت کی حامل نہیں تو اس صورت میں مریدین کی اولاد کے لیے وہاں بیعت کرنا مناسب نہیں۔ انہیں شرِ نفس اور شرِ شیطان سے بچنے کے لیے کسی ولی کامل کی تلاش کر کے بیعت کرنی چاہیے۔

طریقہ بیعت

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں مرید کو بیعت کرنے کا طریقہ اس طرح ہوتا ہے۔

شیخ کے سامنے مرید باوضو حالت میں گھٹنوں کو شیخ کے گھٹنوں سے ملائے بیٹھتا ہے اور مرید

اپنے ہاتھوں کو شیخ کے مبارک ہاتھوں میں دے دیتا ہے۔شیخ مرید کے ہاتھوں کو پکڑے ہوئے اسے درج ذیل کلمات اپنے ساتھ ساتھ دہرانے کا حکم کرتا ہے۔

۱۔تعوذ وتسمیہ

۲۔کلمہ شہادت

۳۔ایمان مفصل اور ایمان مجمل

۴۔رضیت باالله تعالی رباً و بالاسلام دیناً و بسید نا محمد ﷺ نبیاً و رسولاً

۵۔اسئل توبہ (تین مرتبہ)

۶۔شیخ اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت والی انگلی (جس کو انگھوٹھا اور درمیانی انگلی کا سہارہ بھی حاصل ہوتا ہے) کو مرید کے لطیفہ قلب پر رکھتا ہے اور تین مرتبہ اسم ذات اللہ پڑھتے ہوئے مرید کے قلب کو شہادت انگلی سے لفظ اللہ کا نور اپنے لطیفہ قلب سے مرید کے قلب میں توجہ کے ذریعے داخل کرتے ہوئے کھولتا ہے۔اس طرح مرید کے قلب کو ایک نورانی کنکشن اور جوڑ مل جاتا ہے جو سلسلہ کے اولیاء کرام کے قلوب سے گذرتا ہوا سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر و منور تک پہنچ جاتا ہے جو فیوضات باطنیہ اور انوارات کا منبع اور خزانہ ہے۔

۷۔شیخ مرید کو قلب پر اللہ اللہ کی ضرب لگانے کا حکم کرتا ہے کہ ہر وقت ذکر کرتا رہے۔

۸۔شیخ مرید کو شریعت مطہرہ پر پابند رہنے کا حکم کرتا ہے اور اتباع سنت کی تلقین کرتا ہے۔

۹۔شیخ اللہ تعالی کے حضور مرید کے لیے استغفار اور استقامت کی دعا کرتا ہے۔

۱۰۔شیخ مرید کو فیوضات کے حصول کے لیے صحبت باطنیہ کے لیے با قاعدہ حاضری کا حکم کرتا ہے۔

باب نمبر۴

(ولایت)

ولایت سے مراد وہ بے کیف نسبت ہے جو بندے کو اللہ تعالی کے ساتھ حاصل ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالی کی ذات مقدسہ بے مثل اور بے نظیر ہے۔کوئی چیز بھی اس کی ذات میں یا صفات میں اور کسی بھی اعتبار سے اس جیسی نہیں ہے۔اللہ تعالی کے قرب کی نسبت جو ولی کو حاصل ہوتی ہے اسے عقل اور حِس کے ذریعے معلوم نہیں کر سکتے۔اس کو صرف اللہ تعالی کی عنایت خاصہ سے علم حضوری کے ذریعے سے لطائف سے مشاہدہ کیا جاتا ہے۔قرب کی ایسی نسبت پر ایمان لانا واجب ہے۔

لفظ ولی کا معنی ومفہوم:

لفظ ولی وِلایت (واؤ پر زیر) یا وَلایت (واؤ پر زبر) سے مشتق ہے۔ولایت کا معنی حکمرانی اور مدد و نصرت ہے۔اسی طرح ولی کا ایک معنی محبّ اور قریب بھی آتا ہے۔

ولی ہونے کی حیثیت

ولی کے مفہوم کو مزید واضح کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس چیز کی وضاحت کی جائے کہ ولی کس صورت میں استعمال ہوا کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے لفظ ولی اپنی ذات مقدسہ کے لیے استعمال فرمایا اور دوسری طرف مومن انسان کے لیے بھی ولی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بذات خود ولی ہونا:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا۔[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ مومنوں کا ولی ہے۔

اس حیثیت کی وضاحت اس طرح ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی بلند و بالا شان کے مطابق کسی بندہ مومن کے ولی بن جاتے ہیں تو اس وقت بندہ مومن کے تمام معاملات اپنے سپرد کر لیتے ہیں اور بندہ مومن کے خود کفیل ہو جاتے ہیں تو ایسی صورت میں بندہ مومن اپنا ارادہ اور مرضی اللہ تعالیٰ کے سپرد کر چکا ہوتا ہے۔ اس طرح ایک طرف یہ منظر ہوتا ہے: اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ۔[2]

ترجمہ: کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے لیے کافی نہیں ہے؟

تو دوسری طرف بندہ مومن کی کیفیت یہ بن جاتی ہے: وَاُفَوِّضُ اَمۡرِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ۔[3]

ترجمہ: میں اپنا معاملہ اللہ رب العزت کے سپرد کرتا ہوں۔

بندہ مومن اپنا جینا مرنا، عزت و آبرو، شہرت و اقتدار، بیماری و صحت، سب کچھ ہی اللہ رب العزت کے سپرد کر دیتا ہے۔ ایسے بندہ مومن پر صرف اللہ رب العلمین کی حکمرانی ہوتی ہے وہ کسی دنیاوی حکمران کا خوف نہیں رکھتا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہو چکا ہوتا ہے:

مَنۡ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ۔

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ کا ہو گیا بس اللہ تعالیٰ اس کے ہو گئے۔

---

[1] (سورۃ البقرہ، پ۳، آیت ۲۵۷)، [2] (سورۃ الزمر، پ۲۴، آیت ۳۶)، [3] (سورۃ المؤمن، پ۲۴، آیت نمبر ۴۴)،

بندہ مومن کا ولی ہونا:

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے اپنے بہت سے معاملات اولیاء کرام کو سپرد فرما دیتے ہیں تا کہ وہ لوگوں کی رشد و ہدایت اور اصلاح احوال کی ذمہ داری پوری کر سکیں۔ چنانچہ فرمایا:

اِنْ اَوْلِیَآءُ ہٗ ط اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ ھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ولی صرف متقی لوگ ہی ہیں۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اس آیت مبارکہ میں بندوں کے ولی ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ ایسے لوگوں کے افعال اور اقوال میں اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت شامل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے اولیاء کرام کو ظاہری اور باطنی کرامات و تصرفات عطا فرماتے ہیں اس طرح اولیاء کرام عطائی اختیارات استعمال کرتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ذکر ہوا ہے:

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتَابِ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْ تَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ۔ [2]

ترجمہ: کہا ان میں سے جس کے پاس کتاب کا علم تھا (یعنی ولی اللہ آصف نے عرض کیا) میں آپ (حضرت سلیمان علیہ السلام) کی خدمت میں بلقیس کے تخت کو آنکھ جھپکنے سے پہلے پیش کر دوں گا۔

ولی کی تعریف

قاموس میں الولی کا معنی القرب ابد نو آتا ہے۔ ولی سے صفت مشبہ کا صیغہ فَعِیْلٌ کے وزن پر وَلِیٌ ہے۔ پس ولی کا معنی قرب رکھنے والا یا دوست ہے۔

---

[1] (سورۃ الانفال، پ۹، آیت۳۴) [2] (سورۃ النمل، پ۱۹ آیت۴۰)

ولی اللہ کی ذات وصفات کا عارف ہوتا ہے۔حتی الامکان طاعات پر مداومت کرتا ہےاور معاصی سے بچتا ہےاورلذت وشھوات میں پڑھنے سے گریز کرتا ہے۔ [۱]

شریعت کی اصطلاح میں اس بندہ مومن کو ولی کہا جاتا ہےجس کواللہ ایمان اورتقویٰ کی وجہ سے اپنا خصوصی قرب عطا فرماتے ہیں۔

حدیث قدسی میں اس قرب کی وضاحت اس طرح بیان ہوئی:

(اللہ تعالی نے فرمایا) میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے پیار کرنے لگتا ہوں جب میں اس کو پیار کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔اورمیں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے۔۔۔۔الی آخرالحدیث (یعنی اس وقت وہ جوکام کرتا ہے وہ اس پر عمل پیرا ہوتا ہے) [۲]

اس حدیث مبارکہ کی وضاحت اس طرح ہے کہ ہرنوافل ادا کرنے والا خودکواس کا مصداق نہ سمجھے جب تک اس کے اعمال اس طرح نہ ہوجائیں جس طرح حدیث میں مذکور ہے۔

بارگاہ الٰہی کا قرب رکھنے والے سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے سیدہ عائشہؓ کوفرمایا: تیری ماں کے بطن سے تیری بہن پیدا ہوگی۔ بالکل اسی طرح ہوا آپؓ کی بیٹی پیدا ہوئی۔نگاہ صدیق نے پیدائش سے پہلے دیکھ لیااورخبر دے دی۔ [۳]

اسی طرح سیدنا عمرفاروقؓ کے قرب کا نظارہ کیجئے کہ مدینہ میں ممبر نبویﷺ سے یا ساریۃ الجبل کی آواز بلند کرتے ہیں اوروہ آواز عراق میں نہاوند کے پہاڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔جو

---

۱ (کتاب التعریفات الجرجانی،ص ۱۷۷)، ۲ (رواۃ البخاری عن ابی ہریرہ)، ۳ (تفسیر مظہری)

سینکڑوں کلومیٹر دور ہے۔ آپؓ نے کس طرح وہاں کا منظر مشاہدہ فرمایا اور حضرت ساریہ کو ہوشیار کیا۔ اس وقت ٹیلی فون، انٹرنیٹ کا کوئی نظام نہ تھا۔

اسی طرح سیدنا حضرت عثمان غنیؓ نے ایک شخص کو دیکھ کر فرمایا تیری آنکھ نے خیانت کی ہے۔ حالانکہ دور راستہ میں اس کی نظر غیر محرم عورت پر پڑی تھی۔

اسی طرح سیدنا مولائے علیؑ کوفہ کی مسجد میں تشریف فرما ہوتے ہوئے کسی گھر میں جھگڑتے ہوئے مرد و عورت کو دیکھتے اور ان کو پاس بلوا کر ان کے سب احوال کی ان کو اطلاع فرماتے ہیں۔

اس بیان کا مقصد یہ کہ اللہ تعالی کا کان، زبان، ہاتھ بننے کا فرمان واضح ہو جائے۔ اس حدیث مبارکہ کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ ولی اللہ کے سارے اعضاء اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا عملی نمونہ پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ ولی اللہ کا قلب اللہ تعالی کے ماسوا سے خالی ہو چکا ہوتا ہے وہ قلب جلوہ گاہ رب العالمین بن جاتا ہے اور ولی کا نفس راضیہ مرضیہ کے مقام کو حاصل کر چکا ہوتا ہے۔

اولیاء اللہ کی علامات

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا اولیاء اللہ کون ہوتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جن کو دیکھنے سے اللہ تعالی کی یاد ہوتی ہو۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے: میرے بندوں میں میرے اولیاء وہ ہیں جن کی یاد میرے ذکر سے ہوتی ہے اور میری یاد ان کا ذکر کرنے سے ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] (بغوی)، [2] (بغوی)

حضرت اسما بنت یزیدؓ نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: سنو کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے اچھے کون لوگ ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ضرور فرمایئے۔ فرمایا جن کو دیکھنے سے اللہ یاد ہوتا ہو۔[1]

احادیث مذکورہ بالا کی وضاحت:

درحقیقت اولیاء اللہ کو اللہ رب العزت سے قرب اور بے کیف مصاحبت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں آیا: وہ اولیاء کرام اللہ کے ہم نشین ہوتے ہیں اس لیے ان کی ہم نشینی گویا اللہ تعالی کی ہم نشینی اور ان اولیاء کا دیدار اللہ تعالی کی یاد دلانے والا ہوتا ہے اور ان اولیاء کا ذکر اللہ تعالی کے ذکر کا موجب ہوتا ہے۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے سورج کے سامنے رکھا ہوا آئینہ جو سورج کی شعاعوں سے جگمگاتا ہے اور اس آئینہ کے سامنے جو چیز رکھی جاتی ہے وہ چیز بھی آئینہ کی عکس ریزی سے روشن ہو جاتی ہے بلکہ اگر روئی کو اس آئینے کے سامنے زیادہ قریب رکھا جائے تو آئینہ کے قرب کی وجہ سے روئی جل جاتی ہے جبکہ عام سورج کی دھوپ میں روئی نہیں جلتی۔

روحانیت سے عملی واقفیت رکھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ اولیاء کرام فیوضات و انوارات کے حامل ہوئے کیونکہ وہ مشکوۃ نبوت ﷺ سے نورانی کرنٹ کے ذریعے ہمہ وقت باطنی انوارات و برکات حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے اولیاء کے اندر اثر پذیری اور اثر اندازی کی قوی قوت ہوتی ہے وہ دوسرے ہم جنس افراد پر اثر اندازی کر کے ان کے احوال و کیفیات کو بدل سکتے ہیں۔ اور اولیاء کرام کے وجود سے فیوضات کا انعکاس ہوتا رہتا ہے اور اولیاء صاحب توجہ بھی ہوتے ہیں اس لیے حدیث کے مطابق ان کا حضور، اللہ تعالی کے سامنے حضور کا ذریعہ ہوتا ہے اور ان کو دیکھنا اور ان

---

[1] (ابن ماجہ)،

کی صحبت کرنا اللہ رب العزت کی یاد کا موجب ہوتا ہے مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ دیکھنے والے اور بیٹھنے والے کے عقائد درست ہوں اور وہ دل میں اولیاء کا منکر نہ ہو کیونکہ منکروں کو کوئی فیض حاصل نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں اولیاء کا انکار اور ان سے نفرت کرنے والے لوگ فیوضات سے محروم ہوتے ہیں۔ ۱؎

اللہ تعالی کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَاللّٰہُ لَا یَھۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفَاسِقِیۡنَ۔

ترجمہ: اللہ تعالی فاسقین کو ہدایت عطا نہیں کرتا۔

اولیاء کرام سے دشمنی اور نفرت رکھنے والوں کی اس سے بڑھ کر کیا محرومی اور بدبختی ہوسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالی نے فرمایا: جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میں نے اس کو جنگ کا الٹی میٹم دے دیا یعنی میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ ۲؎

کسی عام صاحب شریعت کو دیکھنے میں اور اولیاء کرام کو دیکھنے میں بڑا فرق ہے کیونکہ اولیاء کرام کو دیکھنے سے قرب الٰہی کی خاص کیفیات پیدا ہوتی ہیں جس سے یاد الٰہی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس حالت کو عام مسلمان محسوس نہیں کرسکتا اس لیے اولیاء کرام کی پہچان کے لیے کسی صاحب باطن کی رہنمائی حاصل کرنی ضروری ہے۔

ولی کون ہوتا ہے

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں اولیاء کرام صاحب قلب ولسان ہوتے ہیں یہ لوگ اللہ تعالی اور اس کی آیات کو جاننے والے ہوتے ہیں ان کے دل میں علوم غریبہ

۱؎ (مکتوبات امام ربانیؒ) ۲؎ (رواہ البخاری عن ابی ہریرہؓ)

ودیعت رکھے ہوتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ مخفی اسرار پر مطلع فرما دیتا ہے اور اپنے قرب خاص میں بلندی عطا فرماتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور دین پر حجت ہوتے ہیں وہ نیکی کی دعوت دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہوتے ہیں۔ ان صفات کے حامل بنی آدم کے جوہر اور مقصود حقیقی ہیں۔ ان سے اوپر صرف نبوت کا مرتبہ ہے ان کی عقیدت وغلامی لازمی سمجھو۔ [1]

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے نزدیک ولی وہ ہوتا ہے جو فناءِ قلب اور فناءِ نفس حاصل کر چکا ہو اور صاحب توجہ ہونے کی حیثیت سے مرید کے مردہ دل کو زندہ کر سکتا ہو یعنی ولی کا قلب ذاکر ہوتا ہے اور نفس مطمئنہ ہوتا ہے اور وہ مریدین کے قلوب کو ذاکر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ ولی اور ولایت کی وضاحت اسطرح فرماتے ہیں:

مکتوب نمبر ۵۸ جلد اول پیش خدمت ہے:

مخدوم گرامی! جس (روحانی) راستے کو ہم طے کرنے کے درپے ہیں وہ سارا سات قدم ہے۔ جس طرح انسان کے سات لطیفے ہیں پانچ قدم عالم امر طے کرنے سے قطع ہوتے ہیں کیونکہ عالم امر میں پانچ لطائف

ا۔قلب ۲۔روح ۳۔سر

۴۔خفی ۵۔اخفی

ہیں۔ جبکہ دو قدم عالم خلق طے کرنے سے قطع ہوتے ہیں کیونکہ عالم خلق میں دو لطیفے ہیں۔

ا۔نفس ۲۔قالب (بدن یعنی مٹی، ہوا، آگ، پانی)۔

---

[1] (فتوح الغیب)

ان سات قدموں میں سے ہر قدم میں دس ہزار حجابات اٹھاتے ہیں یہ حجابات نورانی ہوں یا ظلمانی (سیاہ)۔

حدیث:ان لله سبعين الف حجاب من نور و ظلمة۔[1]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالی اور بندے کے درمیان ستر ہزار پردے ہیں نور اور ظلمت کے۔

اول قدم جو عالم امر میں رکھتے ہیں تجلی افعال ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرے قدم میں تجلی صفات، تیسرے قدم میں تجلیات ذاتیہ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ پھر انسان تجلیات کے فرق کے مطابق آگے ترقی کرتا چلا جاتا ہے جیسا کہ اہل معرفت سے پوشیدہ نہیں۔ یہاں تک ان قدموں کے مکمل ہونے کے ساتھ قرب الٰہی بھی مکمل ہو جاتا ہے اس وقت ولی فنا اور بقا سے مشرف کر دیا جاتا اور ولایت خاصہ (ولی کامل) کے درجہ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

واسلام

(مکتوبات امام ربانیؒ)

حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں: پیر وہ ہوتا ہے جو مرید کے مردہ قلب اور روح کو زندہ کرتا ہے۔ اور اسے مکاشفہ اور مشاہدہ تک پہنچاتا ہے۔[2]

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی فرماتے ہیں: بیعت کرنے کے قابل وہ پیر ہوتا ہے جو ضروری علم دین کے علاوہ درج ذیل صفات رکھتا ہو: متقی، کبائر سے مجتنب، صغائر پر غیر مصر، زاہد، عابد، اشغال واذکار پر مداومت رکھتا ہو، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتا ہے، ذوفہم اور شیخ کی صحبت سے فیض یافتہ ہو۔

---

[1] (مشکوۃ شریف)، [2] (مکتوبات امام ربانیؒ)

حضرت امام یوسف نبہانیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت امام قشیریؒ نے بھی حضرت امام رازیؒ والا معنیٰ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ولی وہ ہوتا ہے جس کی طاعات میں تسلسل ہو یا اس کی حفاظت ونگرانی کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہو۔

اللہ کریم فرماتے ہیں: وَ هُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ۔ [1]

ترجمہ: اور وہ اللہ نیک لوگوں کا متولی ہوتا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ ولی نبیوں کی طرح معصوم نہیں ہوتا۔ اور محفوظ کا مطلب یہ ہے کہ وہ گناہوں پر اصرار نہیں کرتا۔ [2]

درحقیقت نفس مطمئنہ ہو جانے کے بعد گناہوں کا ارتکاب نہیں ہوتا کیونکہ نفس مطمئنہ اللہ تعالیٰ اور شریعت اسلامیہ کو برضا رغبت قبول کر چکا ہوتا ہے۔ ایسے ولی کا جہاد صرف اجزائے قالب کے ساتھ ہوتا ہے جو آسان اور محفوظ راستے کی خبر دیتا ہے۔ اس لیے قربت ربانی کی وجہ سے ولی کو دائرہ حفاظت میں داخل کر دیا جاتا ہے اور گناہوں سے نفرت ولی کے مزاج اور فطرت کا جزو لازم بن چکی ہوتی ہے۔

علامات شیخ کامل

۱۔ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوَاهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطاً۔ [3]

ترجمہ: اور اس کی پیروی نہ کرو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اسکا کام حد سے بڑھ گیا۔

---

[1] (سورۃ اعراف، پ۹، آیت ۱۹۶)، [2] (جامعہ کرامات اولیاء)، [3] (سورۃ الکھف، پ۱۵، آیت ۲۸)

آیت مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ قابل اتباع وہ شیخ ہوتا ہے جس کا قلب ذاکر (ذکر کرنے والا) ہو۔ شیخ وہ ہوگا جس کا عالم امر اور عالم خلق کثافتوں سے پاک ہوکر ذاکر ہوگیا ہو اور وہ فنا و بقا کی منازل طے کر چکا ہو۔

۲۔ علم شریعت سے بقدر ضرورت واقفیت رکھتا ہو تا کہ عقائد و اعمال کی حفاظت کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۳۔ عقائد اہلسنت والجماعت کے مطابق ہوں۔ اعمال و اخلاق میں پابند شریعت ہو۔

۴۔ آخرت کی طرف زیادہ رغبت رکھتا ہو اور کمینی دنیا سے بقدر ضرورت تعلق رکھتا ہو۔

۵۔ اولیاء عظام کی صحبت سے فیض یافتہ ہو اور اولیاء کے طریق پر کاربند ہو۔

۶۔ شفقت و نرمی سے مریدین کی اصلاح کرتا ہو اور مریدین کو پابند شرع بنانے کے لیے کوشاں نظر آتا ہو۔

۷۔ شیخ کامل کے مریدین سے قرب ربانی کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔

۸۔ شیخ کامل کی صحبت محبت ربانی میں اضافہ و ترقی کا سبب بنتی ہو۔

ضرورت ولی کامل

روحانی اسلام میں ولی کا لفظ مرشد اور شیخ کے لیے بولا جاتا ہے۔ ضرورت ولی کے تحت آج نوجواں کے ذہن میں یہ سوالات ابھرتے ہیں کہ کیا بلا واسطہ اللہ تعالی سے تعلق بندگی کافی نہیں؟ تقرب الی اللہ کے لیے درمیان میں ولیوں، پیروں اور صوفیاء کے طبقے کو لانے کی کیوں ضرورت پیش آتی ہے؟ کیا یہ سب خلاف شریعت نہیں؟ ایک عام آدمی کے ذہن کے ان خدشات کو دور کرنے کے لیے ہم قرآن حکیم، حدیث مبارکہ اور مستند اکابرین امت سے رہنمائی طلب کرتے ہیں۔

اللہ رب العزت قرآن حکیم میں فرماتے ہیں:

يٰاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَا بۡتَغُوۡا اِلَيۡهِ الۡوَسِيۡلَةَ وَجَاهِدُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِهٖ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۔ [1]

ترجمہ: اے ایمان والے لوگو! تقویٰ اختیار کرو اور اللہ تعالی کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کرو (اللہ تعالی کے دشمنوں سے خواہ وہ نفس ہو یا شیطان یا کفار) تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

حضرت ابن عباسؓ نے اپنی تفسیر میں وسیلہ کا معنی تقرب کیا ہے۔ حاکم نے حضرت خذیفہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ وسیلہ کا معنی تقرب ہے۔ اسی طرح عبد بن حمید ابن المنذ راور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کی یہی تفسیر نقل کی ہے۔ [2]

نعیم الدین مراد آبادیؒ نے بھی وسیلہ کا معنی تقرب الی اللہ ہی کیا ہے۔ [3]

حضرت شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی فرماتے ہیں اس آیت میں وسیلہ سے مراد سیدنا رسول اللہ ﷺ ہیں اور آپ ﷺ کی طرف وسیلہ اولیاء کرام ہیں۔اعلی حضرت مزید فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی عز وجل تک بے وسیلہ رسائی محال قطعی ہے اسی طرح سیدنا رسول اللہ تعالے علیہ وسلم تک رسائی بے وسیلہ دشوار ہے۔ [4]

مولانا رشید احمد گنگوہی نے آیت مذکورہ میں وسیلہ سے مراد ولی اور شیخ لیا ہے اور اس آیت مبارکہ کو ضرورت شیخ کے لیے بطور دلیل استعمال کیا ہے۔ [5]

---

[1] (سورۃ المائدہ آیت ۳۵، پ ۶) [2] (تفسیر مظہری)، [3] (تفسیر خزائن العرفان)، [4] (بیعت وخلافت)، [5] (امداد السلوک)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ بنی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ شیخ اپنی قوم میں ایسے ہے جیسے نبی امت میں ہے۔ وسیلہ کا معنی کسی چیز تک رغبت سے پہنچنا اور وابستہ ہو جانا بھی ہے اگر وسیلہ، وصیلہ سے فاض ہو جیسا کہ صحاح میں ہے۔ [1]

حضرت شاہ ولی اللہ نے وسیلہ سے مراد بیعت مرشد لی ہے۔

شاہ اسماعیل دہلوی نے وسیلہ سے مراد مرشد لیا ہے۔

مفسر قرآن ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے بھی وسیلہ سے مراد شیخ کامل ہی لیا ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں تقرب سے مراد تقرب ذاتی ہے جو ہر (جسمانی مادی) کیفیت سے بالاتر ہے۔ آپ مزید فرماتے ہیں وسیلہ کا اطلاق تمام مراتب قرب پر کیا گیا ہو ممکن ہے قرب کا ہر درجہ وسیلہ ہو اور حضور ﷺ نے اس وسیلہ کی اپنے لیے خاص طور پر طلب فرمائی وہ تمام مراتب قرب میں چوٹی کا درجہ ہو۔ [2]

حدیث مبارکہ: **عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ المرء علی دین خلیله فلینظر احدکم من یخالل** [3]

ترجمہ: حضرت ابوھریرہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی اپنے دوست کے طریق پر ہوتا ہے پس دیکھ بھال لیا کرے کہ کس کے ساتھ دوستی کرتا ہے۔

اس حدیث کی وضاحت میں حضرت اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں کہ ظاہر ہے پیر سے اعلی درجے کی محبت ہوتی ہے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ پیر کے عقائد واعمال اور اخلاق کا اثر مرید میں سرایت کرتا ہے۔ آپ نے اس حدیث کو شیخ کامل کی ضرورت کے تحت درج فرمایا۔ [4]

---

[1] (احیاء العلوم)، [2] (تفسیر مظہری)، [3] (ابوداؤد ترمزی شریف)، [4] (شریعت وطریقت)

اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنا تو ہر بندہ مومن کی دلی آرزو اور تمنا ہوتی ہے کیونکہ مومنوں کو تقرب الٰہی حاصل کرنے کا اللہ تعالی کی طرف سے حکم ہے۔ آیت مذکورہ کے اندر تقرب الٰہی کی ترتیب کچھ اس طرح نظر آتی ہے۔

۱۔ مومن ۲۔ تقویٰ ۳۔ وسیلہ

۴۔ مجاہدہ ۵ فلاح

اللہ تعالی صاحب ایمان لوگوں کو تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرنے کا حکم فرماتے ہیں صاحب ایمان اور متقی بن جانے کے بعد کام ختم ہو جاتا کیونکہ تقویٰ شریعت مطہرہ کی مکمل پابندی سے حاصل ہوتا ہے۔ مومن متقی بن گیا مگر آیت مذکورہ میں اس کی منزل ختم نہیں ہوتی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کوئی بڑا ہی حساس اور عظیم الشان کام باقی ہے جس میں اکیلا آگے بڑھنے پر خطرہ نظر آتا ہے کیونکہ اونچی جگہ پر چڑھنا جتنا دشوار ہوتا ہے وہاں سے گرنے سے مزید زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ دنیا کی عام مثال ہے کہ کسی شعبہ میں مہارت حاصل کرنے کے لیے ماہر آدمی کی خدمات درکار ہوں گی مثلاً انجنیئر بننے کی لیے گھر بیٹھ کر انجنیئر کی کتب اور گائیڈ سے کوئی شخص انجنیئر نہیں بن سکتا اس لیے اسے لازمی طور پر انجنیئر نگ یونیورسٹی میں داخل ہونا پڑے گا اور بعد میں انجنیئر نگ کا پریٹیکل کسی تجربہ کار انجنیئر کی نگرانی میں کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر بننے کے لیے میڈیکل کالج کا داخلہ ضروری ہے اور اس کے بعد ڈاکٹروں کی عملی نگرانی میں ہاؤس جاب لازمی ہے ورنہ بغیر تربیت ڈاکٹر کسی کی جان کے لیے خطرہ بن سکتا ہے۔ اسی طرح دنیاوی باقی معاملات میں استاد کی تربیت اور نگرانی ضروری ہے۔

اب ہم اصل مسئلہ کی طرف آتے ہیں اور وہ ہے اللہ تعالی کے قرب کے لیے روحانی منازل وسلوک طے کرنا آیا اس مشکل ترین اور اہم ترین کام کے لیے کسی ماہر استاد یا قرب الٰہی کے حامل شخص کی رہنمائی ضروری نہیں یہاں تو شیطان اور نفس کی طرف سے ایمان ضائع ہونے کا خطرہ ہے کیونکہ

اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے اندر فرماتے ہیں بے شک شیطان تمھارا واضح دشمن ہے نفس کے ضرر اور نقصان سے ہم لوگ واقف نہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی نے ایک بار فرمایا جو شخص اپنے نفس کو فرنگی کافر سے بھی برا نہیں جانتا اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کے لیے حرام ہے۔ [1]

قرب الٰہی کے راستے میں رکاوٹ بننے والے بعض علماء کرام سے سوال ہے کہ کیا وہ علوم اسلامیہ سیکھنے کے لیے مدارس میں اساتذہ سے نہیں پڑھتے اگر پڑھتے اور رہنمائی حاصل کرتے ہیں تو پھر معرفت الٰہی کے لیے استاد کی ضروت کا انکار کیوں ہے۔ ولی اور شیخ کی حیثیت تو صرف روحانی رہنما اور نگران کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے انسانوں اور جنوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا بعض مفسرین نے یعبدون ای یعرفون یعنی میں نے جن وانس کو اپنی معرفت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس لیے طالب حق کے لیے ضروری ہے کہ وہ مرشد کامل کی نگرانی میں مجاہدات روحانیہ میں قدم رکھے اور کامیابی اور کامرانی کو حاصل کرے یعنی متقین کے مقام سے گذرتا ہوا سابقون اور مقربون کی منزل پا کر حقیقی کامرانی کا مزہ ولطف اٹھائے۔ اور درج ذیل آیت کریمہ کے مطابق انعامات پائے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ [2]

ترجمہ: خبردار بے شک اللہ تعالیٰ کے اولیاء پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہونگے۔

جب اولیاء کرام کے دامن سے طالبین حق وابسطہ ہوتے ہیں تو وہ ان کو محفوظ راستوں سے قرب الٰہی کی منازل طے کرواتے ہیں اسی طرح کہ اولیاء کرام خود محفوظ ہوتے ہوئے نئے اولیاء کو بھی نفس اور شیطان کے نقصان سے محفوظ کر دیتے ہیں اس طرح اولیاء پر دنیا میں ایمان ضائع ہونے

---

[1] (تفسیر مظہری جلد دوئم)، [2] (سورۃ یونس، پ ۱۱، آیت نمبر ۶۲)

کا کوئی خوف باقی نہیں رہتا اور جب وہ مقرب بارگاہ رب العلمین بن جاتے ہیں تو اسطرح وہ آخرت کے غم سے بھی آزاد ہو جاتے ہیں۔

مولانا روم کی نظر میں پیر کامل کی ضرورت [1]:

ہر کہ او بے مرشدے در راہ شد　　　　او زغولاں گمرہ و در چاہ شد

حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں جو شخص بغیر مرشد کے راہ حق کو طے کرتا ہے وہ شیاطین کی گود میں پہنچ کر گمراہ ہو جاتا ہے اور گمراہی کے کنویں میں گر جاتا ہے۔

پیر باشد نردمان آسماں　　　　تیر پراں از کہ گردو از کماں

آپ فرماتے ہیں پیر و مرشد آسمان پر چڑھنے کے لیے یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لیے سیڑھی کی حیثیت رکھتا ہے کیا تم یہ نہیں دیکھتے کی تیر بغیر کمان کے بھی اڑ سکتا ہے؟ یعنی مرید بغیر مرشد کے روحانی اڑان یعنی پرواز نہیں کرسکتا۔

صورتش بر خاک و جاں بر لامکاں　　　　لامکانے فوق وہم سالکاں

یہ اولیاء کرام اگرچہ صورۃ زمین پر بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں ان کی روحیں عرش عظیم کے مالک کے پاس ہوتی ہیں۔اولیاء کرام کے اعلیٰ مقامات جو ان کو عالم لامکاں میں حاصل ہیں وہ عام لوگوں کے وہم اور خیال سے مافوق و بالاتر ہیں۔

ماہیان قصر دریائے جلال　　　　بحر شاں آموختہ سحر حلال

اولیاء کرام رب العزت کے جلال کے دریاؤں کی گہرائیوں کی مچھلیاں ہیں اور اللہ کے اسرار کی سیر کرنے والے یہی لوگ ہوتے ہیں اور اللہ کے بحر قرب نے اولیاء کرام کے کلام کے اندر تاثیر پیدا کی ہوئی ہوتی ہے یعنی ان کی زبان کا بڑا اثر ہوتا ہے۔

[1] (مثنوی مولانا رومؒ)

علماء دیوبند کی نظر میں ضرورت شیخ

حضرت رشید احمد گنگوئی دیوبندی فرماتے ہیں شیخ کے بغیر چارہ نہیں مشائخ نے اس معاملہ کا بہت تجربہ فرمایا ہے اور اس راز کے سبب کہا ہے کہ جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔ [۱]

اور حق تعالی نے فرمایا ہے: فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ [۲]

ترجمہ: اگر تم کو علم نہ ہو تو اھل ذکر سے (یعنی علماء و مشائخ) سے پوچھو۔

حضرت محمد طیب نانوتوی دیوبندی فرماتے ہیں کہ انسان کا نفس عیوب اور گناہوں کو انسان پر ظاہر نہیں ہونے دیتا اس لیے ضروری ہے کہ شیخ کامل پکڑے جو اس کے عیوب و معاصی کی نشاندہی اور اصلاح کرے۔ [۳]

حضرت مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں جیسا کہ امراض ظاہرہ کیلئے کسی طبیب کی ضرورت ہے اور کوئی شخص طب کی کتابیں دیکھ کر اپنا علاج خود نہیں کر سکتا اسی طرح امراض روحانیہ کے لیے طبیب کی ضرورت ہے۔ امراض باطنیہ کے معالج مشائخ کے بھی ہمارے اطراف میں چار سلسلے قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ ہیں۔ [۴]

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں مرض باطنی کے علاج کیلئے ایسے شخص و مرشد کی حاجت ہے جو خود بھی متقی و صالح ہو۔ [۵]

---

[۱] (امدادلسلوک)، [۲] (سورۃ النحل، پارہ ۱۴، آیت ۴۳ اور سورۃ الانبیاء، پ ۱۷، آیت ۷)، [۳] (خطبات شیخ الاسلام)، [۴] (شریعت وطریقت کا تلازم)، [۵] (التکشف)

اللہ تعالیٰ کے قرب کے لیے رہنمائی کا حق دار کون ہے؟

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

وَلَا تُطِعُ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہ' عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ ھَوَاہُ وَ کَانَ اَمْرُہ' فُرُطًا۔ [1]

ترجمہ: اور اس (شخص) کی پیروی نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کیا ہوا ہے اور وہ خود خواہش کا پیرو کار ہے اور اس کا کام حد سے بڑھا ہوا ہے۔

قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایسا ابدی اور منفرد معیار مقرر فرمایا جس کے بعد اللہ کے قرب کی طلب رکھنے والوں کے لیے ولی کا انتخاب کرنا نہایت ہی واضح ہو گیا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں صرف وہی قابل اتباع اور مرشد ہو سکتا ہے جس کا قلب (دل) اللہ کی یاد کرتا ہو یہاں کسی جید عالم کے علم کو معیار بیان نہیں فرمایا اور نہ کسی مشہور پیر کی ظاہری بزرگی اور بناوٹ یا کسی کے آباؤ اجداد کے شرف کو معیار مرشد بتایا گیا۔ ذرا غور فرمائیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے قلبی ذکر کا اللہ تعالیٰ نے جو معیار مقرر فرمایا ہے تو اس میں بڑی وسعت اور جامعیت پائی جاتی ہے۔ شریعت کے سارے اجزاء کو ہم اس کسوٹی پر پرکھ سکتے ہیں اگر کسی شخص کے عقائد خراب ہیں تو اس کے قلب میں سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے سینہ اطہر کا نور نہیں آ سکتا ہے لہذا اس کا قلب (دل) قطعاً ذاکر (ذکر کرنے والا) نہیں ہو سکتا ہے لہذا قلب کا ذاکر ہونا عقائد کی تصدیق فراہم کرتا ہے۔ اب اگر عبادات اور اعمال کی بنیاد پر کسی شخصیت کا جائزہ لیں تو واضح ہو گا کہ جب کوئی شخص عبادات اور اعمال صالحہ کا پابند نہیں ہو گا وہ مشکوۃ نبوت سے فیض یاب نہیں ہو سکتا۔

---

[1] (سورۃ الکھف، پ ۱۵، آیت ۲۸)

عقائد عبادات اور اخلاقیات کی اہمیت اپنی جگہ بجا ہے مگر اس طرح تو ہر ظاہری شریعت والا شخص خود کو ولی اور مرشد کے مقام پر فائز کر لیتا مگر حقیقت میں وہ فناء قلب کا حامل نہ ہونے کی وجہ سے توحید خالص کا علمبردار نہیں بن سکتا تھا لہذا قلب مومن عرش اللہ یعنی بندہ مومن کا دل اللہ تعالی کا عرش ہوتا ہے۔ تو اسی کیفیت سے محروم ہوتے ہوئے وہ عالم یا عابد ہونے کے باوجود ولی نہیں ہو سکتا جس طرح نبی کریم ﷺ کی ذات فیوضات ربانی حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے اسی طرح اولیاء کرام فیوضات نبوت حاصل کرنے کا ذریعے ہوتے ہیں۔

حضرت اشرف علی تھانوی دیوبندی آیت مذکورہ کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

اگر کوئی شخص شرع پر مستقیم ہے تو اس کا نیک ہونا تو ثابت ہو گیا مگر اس سے بیعت نہ کی جائے کیونکہ اس کو تربیت اور تکمیل کی ضرورت ہے بلکہ یہ دیکھے کہ اس کی صحبت سے قلب پر اثر پڑتا ہے۔ مگر عوام کے لیے تھوڑی صحبت میں محسوس کرنا دشوار ہے لہذا شیخ کے مریدوں سے جس کو عاقل راست گو دیکھے اس سے شیخ کی تاثیر کا حال دریافت کرے کیونکہ حدیث میں آیا ہے جہالت کا علاج اور دوا دوسروں سے پوچھنا ہے۔ [1]

قلب کا معیار ایمان اور سبب فضیلت ہونا اس حدیث مبارکہ میں کہ رحمت عالم سیدنا حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں اگر ابوبکرؓ کے ایمان کو وزن کیا جائے تو تمام اہل زمین کے ایمان پر غالب آ جائے۔ نیز فرمایا کہ: ابوبکرؓ نے کثرت صوم وصلوۃ کے سبب سب پر فضیلت نہیں پائی بلکہ ایک چیز کی وجہ سے پائی ہے جو اس کے قلب میں ہے۔ [2]

---

[1] (شریعت وطریقت) ، [2] (تفسیر مظہری)

حضرت شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں حسین بن منصور کا فرمان ہے جس کو قلب ذاکر حاصل ہے اس کو مبصروں کی بصارت، عارفوں کی معرفت، علمائے ربانی کا نور، جنتیوں کے طریقے بلکہ ازل اور ابد کے درمیان جو کچھ ہے وہ سب کچھ حاصل ہے۔ [1]

حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ فرماتے ہیں: جسم کو زندہ کرنا عوام کے نزدیک اہم ہے اس سے اولیاء نے منہ پھیر لیا ہے جبکہ خواص کے نزدیک قلب و روح کو زندہ کرنا اہمیت رکھتا ہے اس لیے اولیاء نے روحوں اور مردہ دلوں کو زندہ کرنے کی طرف اپنی تمام توجہ مبذول کردی۔ [2]

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے: وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ۔ [3]
ترجمہ: اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع کر چکا ہے۔

اولیاء ومشائخ اللہ تعالی کی مکمل رجوع رکھتے ہیں اس لیے ان کی پیروی قرآن سے ثابت ہے۔ اسی طرح آیت: و جعلنا للمتقین اماما ۔ کی تفسیر میں آتا ہے کہ ہم پرہیزگاروں کی پیروی کریں اور پرہیزگار ہماری پیروی کریں۔ [4]
اس سے اللہ والوں کی پیروی ضروری ثابت ہوتی ہے۔

---

[1] (عوارف المعارف)، [2] (رسالہ قدسیہ)، [3] (سورۃ لقمان، پ۲۱، آیت ۱۵)، [4] (تفسیر معالم التنزیل)

مشائخ کی کیا ضرورت ہے؟

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی عبداللہ بن بشرؓ فرماتے ہیں کہ اگر ایک جگہ بیس یا اس سے زیادہ افراد جمع ہوں اور ان میں ایک شخص بھی ایسا نہ ہو جو اللہ تعالیٰ سے ڈرانے والا ہو تو پھر سب لوگوں کا معاملہ خطرناک ہو جاتا ہے۔

پس مشائخ اللہ سے ڈرانے والے ہیں اور مشائخ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور شان سے آگاہ اور واقف ہوتے ہیں اس لیے دوسروں (مریدوں) کو ظاہری اور باطنی تربیت کے ذریعے پرہیز گاری اور قلبی تقویٰ سکھاتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ۔** [1]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ھدایت عطا فرمائی تو ان کی ھدایت کی پیروی کر۔

پس جب مشائخ اور اولیاء کرام ہدایت یافتہ ہوئے تو وہ اس کے مستحق اور اہل ہو گئے کہ ان کی پیروی کی جائے۔

سیدنا رسول اللہ ﷺ نے اللہ رب العزت کی طرف سے ارشاد فرمایا (حدیث قدسی): اذا کان الغالب علی عبدی الا شغال بی جعلت همته و لذته فی ذکری۔

ترجمہ: جب میرے بندے پر میرے ساتھ مشغولی غالب ہوتی ہے تو میں اس کی تمام ہمت اور لذت ذکر پر مرکوز کر دیتا ہوں۔

لہذا جب اولیاء کرام ذکر کی لذت میں محو ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور عشق کا ان پر غلبہ

---

[1] (سورۃ انعام، پ ۷، آیت نمبر ۹۰)

ہو جاتا ہے تو اس صورت میں حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں اللہ تعالی اولیاء کرام سے بھی محبت فرماتا ہے اور اپنے اور اولیاء کے درمیان حائل پردے اٹھا دیتا ہے یہ لوگ بطل عظیم ہیں اور جب میں ساکنان زمین پر کوئی عذاب کرنا چاہتا ہوں اور اہل زمین کو کیفر کردار تک پہنچانا چاہتا ہوں تو یہ اولیاء مجھے یاد آجاتے ہیں۔ محض ان کی وجہ سے لوگوں سے اپنے عذاب کو روک لیتا ہوں۔ [۱]

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے فرمایا: جو اللہ کے ساتھ بیٹھنا چاہے اسے چاہیے کہ وہ اہل تصوف کی مجلس وصحبت اختیار کرے۔

حدیث مبارکہ میں آتا ہے: **ھم قوم لا یشقی جلیسھم۔** [۲]

اولیاء کرام ایسے لوگ ہیں ان کے پاس بیٹھنے والے بدبخت اور محروم نہیں رہتے بلکہ خوش بخت اور سعادتوں کو حاصل کرنے والے بن جاتے ہیں ان سے وابسطہ لوگوں کی تقدیر اور مقدر میں دنیا وآخرت کی بھلائیاں لکھ دی جاتی ہیں۔

سیدنا حضور نور مجسم ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص کسی ولی اللہ کو پہلی امتوں میں سے ملنے کے لیے گیا تو اللہ تعالی نے ایک فرشتہ اس شخص کی طرف بھیجا جس نے آکر اس شخص سے پوچھا کہ تو اس ولی کو کسی کاروبار یا دنیاوی ضرورت کے لیے ملنے جا رہا ہے اس شخص نے جواب دیا کہ میں صرف اللہ تعالی کی رضا کے لیے اس ولی کو ملنا چاہتا ہوں وہ ایک صالح آدمی ہے تو فرشتے نے کہا اگر یہ تیرا ارادہ ہے تو تیرے لیے بشارت ہے کہ اللہ تعالی نے تجھے بخش دیا ہے۔ [۳]

اسی طرح حضرت جرجیس علیہ السلام کے دور میں خدائی کا دعوٰی کرنے والے ایک بادشاہ سے جب اس کی رعایا نے بارش نہ ہونے کی شکایت کی اور اعتراض کیا کہ تو کیسا خدا ہے کہ بارش نہیں برسا سکتا تو اس وقت اس جھوٹے خدائی کے دعویدار بادشاہ نے حضرت جرجیس علیہ السلام کو ایک خط

---

[۱] (عوارف المعارف) [۲] (بخاری شریف)، [۳] (مسلم شریف)

دیا کہ میری طرف سے اپنے حقیقی رب کو یہ پہنچا دینا جس میں اس بد بخت نے یہ لکھا کہ اے رب حقیقی اگر تو نے بارش نہ برسائی تو میں تجھ سے لڑائی کروں گا۔ حضرت جرجیس علیہ السلام نے جب یہ خط پڑھا تو خاموش ہو گئے اللہ رب العزت کی طرف سے حکم ہوا کہ تجھے جو پیغام پہنچا ہے مجھے پیش نہیں کیا؟ اللہ تعالی علیم البذا تصدور ہونے کی وجہ سے سب کچھ جانتا ہے اور نبی کو حکم ہوا کہ جا کر تو بادشاہ سے پوچھ کہ اللہ تعالی سے کس طرح لڑائی کرے گا تو جب اللہ تعالی کے پیارے نبی نے اس بدبخت بادشاہ سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ میں اللہ تعالی کے ولیوں پر حملہ کر کے اللہ تعالی سے لڑائی کروں گا۔ اس پر اللہ تعالی نے اپنے نبی کو فرمایا کہ میں اپنے ولیوں کو نقصان پہنچانے سے پہلے ہی بارش عطا کر دوں گا۔ بارش ہو گئی اس کے بعد وہ بادشاہ حضرت جرجیس علیہ السلام کے پاس آیا اور آ کر کہنے لگا کہ مجھے اس رحیم وکریم رب کے دین میں داخل کرو جو اپنے پیارے صالحین بندوں کی اتنی لاج رکھتا ہے کہ ان کی حفاظت وعزت کی وجہ سے مجھ جیسے اپنے دشمنوں کو بھی نواز دیتا ہے۔ [1]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مشائخ کرام کا وجود اہل دنیا کے لیے رحمت کا سبب ہوتا ہے اور ان سے عقیدت ومحبت لوگوں کی مغفرت وبخشش کو آخرت میں سبب بنے گی۔

پیر ناقص سے بیعت ہونا

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے زمین پر کچھ نہ بونے والے شخص پر افسوس ہے۔ زمین کو ضائع کرنا اور خالی رکھنا دو طرح پر ہے۔

۱۔ ایک یہ کہ زمین میں کچھ نہ بوئے

۲۔ خبیث اور ردی تخم ڈالنا، بیعت نہ کرنے والا بھی خسارہ میں کیونکہ اس نے باطنی زمین خالی چھوڑ دی۔ مگر اس سے زیادہ خرابی اور فساد یہ ہے انسان پیر ناقص سے بیعت کرے۔

[1] (مجالس صنیہ)

پیر ناقص یا جعلی پیر کے نقصانات درج ذیل ہوتے ہیں

ا۔ پیر ناقص اپنی خواہش نفس کا تابع اور پیروکار رہوتا ہے۔اس لیے مرید کی اصلاح کرنے کی بجائے مرید کی خواہشات نفسانی پراثر انداز ہوکران کوزیادہ کرتے ہوئے مرید کے باطن کومزید خراب کرے گااور تاریکی میں اضافہ کرے گا۔

۲۔ پیر ناقص (جعلی پیر) اللہ سبحانہ وتعالی تک پہنچانے والے راستوں سے خود واقف نہیں ہوتا۔پیر خود غیر واصل ہونے کی وجہ سے مرید کی استعداد کا اندازہ نہیں لگا سکتا کہ مرید کی تربیت طریق جذب سے کرنی ہے یا طریق سلوک سے۔لہذا مرید کوگمراہی میں ڈالے گا۔

۳۔ پیر ناقص کی بیعت کا بڑا نقصان یہ ہے وہ پیر کامل کے راستہ میں رکاوٹ بن گیا اگر ناقص پیر اللہ تعالی کا خوف رکھتا تو طالب حق (مرید) کوخود بیعت نہ کرتا بلکہ ولی کامل کی تلاش کا حکم کرتا۔اس طرح پیر ناقص ایمانی چوراور ڈاکو کی طرح نقصان دے ہوا۔

شیخ (ولی) کا کردار وسلوک مرید سے کیسا ہو؟

اس اہم ترین موضوع کی وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ کہیں مرید شیخ کی بدسلوکی سے تنگ آ کر قرب ربانی کے روحانی سفر کو چھوڑ کر غائب ہی نہ ہو جائے اور شیخ کو بروز قیامت اللہ تعالی کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے۔اس موضوع پر قاضی ثناء اللہ پانی پتی مفسر تفسیر مظہری کی تحریر کونقل کرنا ہی بہتر سمجھتا ہوں کیونکہ وہ بذات خود ایک ولی کامل بھی تھے اور بیہقی وقت بھی تھے آپ فرماتے ہیں کہ شیخ کو چاہیے کہ مرید کے ساتھ عمدہ سلوک رکھے اور روحانی طریقہ بیان کرنے میں گہری دلچسپی لے اور مریدوں پرمہربان اور رحم کرنے والا ہو کیونکہ (شیخ نبی ﷺ کا نائب ہوتا ہے) یہ رسول کریم ﷺ کی صفات ہیں۔[1]

[1] (بستان السالکین)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَقَدۡ جَآءَ كُمۡ رَسُوۡل" مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِیۡز" عَلَیۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِیۡص" عَلَیۡكُمۡ بِالۡمُؤۡ مِنِیۡنَ رَؤُف" رَّحِیۡم" ۔[1]

ترجمہ: تمھارے پاس ایک رسول تشریف لائے ہیں جو تم میں سے ہیں تمھارا تکلیف میں پڑنا ان پر دشوار گزرتا ہے۔ (وہ نبی) تمھاری ہدایت کے لیے حریص ہے۔ (وہ نبی) مومنوں پر شفقت فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

لہذا شیخ کے لیے ضروری ہے کہ وہ مریدوں سے ترش روئی اختیار نہ کرے، نہ ہی سخت گفتگو کرے۔ مگر اسلام کے متعلق نصیحت نرمی اور شفقت سے کرے اور سخت رویہ نہ اپنائے کیونکہ رسول کریم ﷺ کا یہی طریقہ تھا اور اپنے متعلق ان سے کوئی قصور دیکھے تو معاف کر دے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلۡیَعۡفُوۡا وَالۡیَصۡفَحُوۡا ۔[2]

ترجمہ: چاہیے کہ معاف کرے اور (ان کے قصوروں سے) درگزر کرے۔

اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہیں: فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ وَ لَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ لَا نۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَا سۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَ شَاوِرۡ هُمۡ فِی الۡاَمۡرِ ۔[3]

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سبب (اے نبی ﷺ) آپ ﷺ ان (صحابہؓ) پر نرم ہیں۔ اگر آپ ﷺ (نبی کریم ﷺ) ترش رو اور سخت دل ہوتے وہ (صحابہؓ) آپ ﷺ کے اردگرد سے بھاگ جاتے، پس آپ ان کو معاف فرمائیں اور ان کو مشورہ میں شریک کریں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تَطۡرُدِ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰاةِ وَالۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡهَه‘ ۔[4]

[1] (سورۃ التوبہ، پ ۱۱، آیت نمبر ۱۲۸) [2] (سورۃ النور، پ ۱۸، آیت نمبر ۲۲)، [3] (سورۃ آل عمران، پ ۴ آیت نمبر ۱۵۹) [4] (سورۃ الانعام، پ ۷، آیت نمبر ۵۲)

ترجمہ کنزالایمان: اور دور نہ کروانہیں جو اپنے رب کو پکارتے (یاد) کرتے ہیں صبح اور شام اس کی رضا چاہتے ہوئے۔

اللہ تعالی نے فرمایا: فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ ۱

ترجمہ کنزالایمان: پھرانہیں تم دور کرو تو یہ کام انصاف سے بعید ہے۔

اسی آیت کا ترجمہ پیر سید ریاض حسین شاہؒ نے اس طرح فرمایا کہ: اب اگر انہیں دور فرمائیں گے تو گویا انہیں روشنی کی بجائے اندھیرے میں جا رکھیں گے۔ ۲

اور مریدوں سے مالی یا بدنی نفع کی توقع اور امید نہیں رکھنی چاہیے جیسا کہ ارشاد کا کام عبادت ہے اور عبادت پر اجرت لینا جائز نہیں: وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ ۳

ترجمہ: اور آپ ان سے اپنی نگاہیں نہ ہٹائیے دنیا کی زندگی کو رونق بخشنے کے ارادے سے۔ ۴

اسی طرح شیخ کو رہنمائی کرتے وقت اجرت لینے کی نیت نہیں رکھنی چاہیے۔ اجر کی امید اللہ تعالی سے رکھنی چاہیے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ط اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ۔ ۵

ترجمہ عرفان القرآن: آپ ﷺ فرمادیں میں تم سے اس (ہدایت کی فراہمی) پر کوئی اجر نہیں مانگتا یہ تو صرف جہاں والے لوگوں کے لیے نصیحت ہے۔

رسول کریم ﷺ لوگوں کے تکلیف دینے پر صبر فرمایا کرتے تھے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: رَحِمَ اللّٰهُ تعالٰى اَخِىْ مُوْسٰى لَقَدْ اُوْذِىَ اَكْثَرَ مِنْ هٰذا فَصَبَرَ۔

ترجمہ: اللہ تعالی میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائیں کہ ان کو اس سے زیادہ تکلیف و

---

۱ (سورۃ الانعام، پ ۷، آیت نمبر ۵۲) ۲ (تذکرہ سید ریاض حسین شاہ)، ۳ (سورۃ الکھف، پ ۱۵، آیت ۲۸)، ۴ (ترجمہ تذکرہ پیر سید ریاض حسین شاہ صاحبؒ) ۵ (سورۃ انعام، پ ۷، آیت نمبر ۹۰)

ایذا دی گئی تھی جس پر انہوں نے صبر کیا۔ حضرت ایشانؒ [1] اپنے پیر مرشد حضرت سید نور محمد بدایوانیؒ کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص خود کو حضرت کے مریدوں سے بیان کرتا تھا۔ ایک دن اس شخص نے بدبختی میں آکر حضرت سید نور محمد بدایوانیؒ کی سخت بے ادبی کی اور بہت برا بھلا کہا۔ اس کے جواب میں آپؒ نے کچھ نہ کہا اگلے دن وہی شخص حضرت نور محمد بدایوانی کے پاس روحانی توجہ لینے اور استفادہ کرنے کے لیے آیا۔ میں (حضرت مرزا مظہر جان جاناں) نے چاہا کہ اس شخص کو سزا دوں مگر حضرت نے مجھے منع فرما دیا اور اس شخص کو اسی طرح توجہ [2] کی جس طرح دوسرے لوگوں پر توجہ فرما رہے تھے۔ فقیر (حضرت مرزا مظہر جان جاناں) اس بات سے بہت تنگ دل ہوئے اور اس شخص کو سب مخلصوں کے برابر سمجھنے کی وجہ کے بارے میں حضرت یعنی (سید نور محمدؒ) سے درخواست کی۔ حضرت سید نور محمدؒ نے جواب میں فرمایا مرزا صاحب! اگر میں اس کو سرزنش اور ملامت کرتا اور توجہ نہ دیتا تو اللہ تعالی مجھ سے پوچھتا کہ میں نے تیرے سینے میں ایک نور عطا کیا اور میرے بندوں میں سے ایک اس نور کو طلب کرنے آیا تو نے اسے محروم کیوں رکھا؟ تو اس وقت میں کیسے عرض کرتا کہ اے اللہ تعالی چونکہ اس نے مجھے گالی دی تھی اس لیے میں نے اس شخص کو محروم رکھا۔ کیا یہ جواب قبول کیا جاتا؟ میں تنگ دلی کے ساتھ کچھ وقت خاموش رہا۔ کچھ دیر کے بعد حضرت (سید نور محمدؒ) نے فرمایا اے بچہ اگرچہ میں نے اس کو مخلصوں کی طرح توجہ دی لیکن اللہ تعالی کب منافق کو مخلص کے برابر جانتا ہے۔ (وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ) [3] کام کی حقیقت اللہ تعالی کے دست قدرت میں ہے۔ فیض فقط مخلص اور مئودب دوستوں کو پہنچتا ہے۔[4]

---

[1] (یعنی حضرت مرزا مظہر جان جاناں جن کے خلیفہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی تھے) [2] (توجہ روحانی فیض مرید کے سینے یں منتقل کرنے کو کہتے ہیں) [3] (سورۃ البقرہ، پ۲، آیت ۲۲۰)، [4] (بستان السالکین)

شیخ کا صاحب شان ووقار ہونا

شیخ ومرشد کے لیے ضروری ہے کہ وہ باوقار طریقہ سے زندگی بسر کرے۔زیادہ میل ملاپ اور عام مجالس میں شرکت اس کی شان وشوکت کو کم کردے گی اس لیے جب مرید کی نظر میں شیخ کی عظمت کم ہوگی تو فورا مرید پر فیض کا دروازہ بند ہوجائے گا۔

جب کوئی حضور نبی کریم ﷺ کو دور سے دیکھتا تھا تو آپ ﷺ کا رعب ودبدبہ اس پر بڑھ جاتا تھا اور جو شخص آپ ﷺ کو قریب سے دیکھتا تو اس کے دل میں آپ ﷺ کی محبت گھر کرجاتی تھی۔

شیخ کو اپنے جسم اور لباس کو بالکل صاف ستھرا رکھنا چاہیے۔اسی طرح داڑھی اور سر کے بالوں کا خیال رکھنا چاہیے اور خوشبو کا استعمال کرنا چاہیے۔شیخ کو گفتگو حسب ضرورت اور ٹھہر ٹھہر کر کرنی چاہیے۔اسی طرح مسواک اور دوسرے مسنون اعمال اپنانے چاہیے۔

مشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ کی ریاکاری مرید کے اخلاص سے زیادہ بہتر ہے۔ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ شیخ فنا وبقا کی منازل طے کرنے کے بعد سراپا اخلاص بن چکا اس کے نفس کا ضرر ختم ہوچکا ہے اور شیخ شیطان کے شر سے حفاظت رحمانی میں آچکا ہے اب شیخ کا شان وشوکت اختیار کرنا اللہ تعالی کے طالبوں یعنی مریدوں کی استقامت اور فیض یابی کے لیے ہے نہ کہ ذاتی خواہشات کی تکمیل کے لیے۔حضرت امام مالک بن انسؒ کا طریقہ وعادت بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت امام مالکؒ کی خدمت میں جب کوئی مہمان آتا تو آپ کا خادم مہمان سے پوچھتا کہ وہ کسی دنیاوی کام سے متعلق ملاقات کرنا چاہتے ہیں یا قرآن وحدیث اور فقہ کے حوالے سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔

اگر مہمان بتاتا وہ دنیاوی غرض سے ملاقات چاہتا ہے تو آپ عام لباس اور عام حالت میں باہر تشریف لے آتے ،مگر جب کوئی مہمان دین اسلام کی طلب میں آتا تو آپ کا معمول مبارک اس

طرح تھا کہ آپ غسل فرماتے اور اچھے صاف ستھرے کپڑے زیب تن فرماتے۔ خوشبو لگا کر بڑی شان وشوکت سے مہمان کی ملاقات کے لیے باہر تشریف لاتے۔ آپ اس عمل سے خود تکلیف اٹھاتے مگر آپ کا مقصد دین اسلام کی شان وشوکت کو ظاہر کرنا ہوتا تھا۔

حضرت امام مالکؒ کو یہ سعادت اور شان حاصل تھی کہ اس وقت کے حکمران کو سخت الفاظ میں ڈانٹا کہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کے روضہ اطہر کے سامنے بلند آواز میں گفتگو نہ کر تو بے ادبی اور گستاخی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ آپ نے فرمایا آقا علیہ الصلوۃ ولسلام کا اب بھی اسی طرح ادب و تعظیم ضروری ہے جس طرح آپ ﷺ کی حیات ظاہریہ میں ضروری تھا۔

حضرت امام مالکؒ کا طریقہ مشائخ کے لیے بطور نمونہ ہے کہ کس طرح دین کے وقار اور شان مصطفےٰ ﷺ کا تحفظ کرنا ہے۔

شیخ کا ظاہری وقار مرید کی عقیدت ومحبت کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے تا کہ مرید کے لیے روحانی فیض یابی جاری رہے اور تربیت مرید کا عمل جاری رہے۔

کیا شیخ کے لیے اصطلاحی عالم ہونا ضروری ہے؟

جس طرح علوم شریعہ کی ایک مستقل حیثیت ہے بعینہ علوم باطنیہ بھی بذات خود ایک مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر کوئی ولی اللہ علوم ظاہریہ اور علوم باطنیہ کا جامع ہو تو وہ قابل رشک ہے۔ اگر شریعت کا نور اور طریقت کا نور یکجا ایک شخصیت میں میسر آجائے تو بڑی سعادت ہے۔ اکابرین امت میں بہت اولیاء شریعت اور طریقت کی جامعیت کے حامل گذرے ہیں۔ مگر بہت اولیاء ایسے تاریخ میں نظر آتے ہیں جو اصطلاحی عالم نہیں تھے ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ علوم لدنیہ سے نواز دیتے ہیں۔

رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں: شیخ کا اصطلاحی عالم ہونا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ عبادات میں

فرائض وسنن ونوافل کی مقدار، محرمات وممنوعات کی اقسام اور جائز وناجائز کی تمیز کے قابل علم کافی ہے۔ [1]

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے علم کے بموجب عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ان اشیاء کا علم عنایت کرتا ہے جو اس کو معلوم نہیں اور اس کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرماتا ہے وہ جنت کا مستحق ہو جاتا ہے اور جو علم کے بموجب عمل نہیں کرتا اس میں حیران ہوتا ہے اور اس کو عمل کی توفیق نہیں ملتی اور وہ دوزخ کا مستحق بن جاتا ہے۔

اولیاء کرام کے قلوب پر علوم الہامیہ اور علوم استدلالیہ جلوہ گر ہونا شروع ہو جاتے ہیں اسی طرح علوم لدنیہ سے بھی اولیاء کو نوازا جاتا ہے تاکہ راہ حق کی طرف رہنمائی کر سکیں۔

اولیاء اللہ کی روحانی حکومت

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کی امت میں ایک منظّم روحانی نظام اور سسٹم چل رہا ہے۔ جس طرح دنیا کے مختلف ممالک کو چلانے کا ایک حکومتی ڈھانچہ اور نظام ہوتا ہے۔ اولیاء کرام کا باطنی محکمہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں سے زمین اور اہل زمین کا نگران ہوتا ہے۔ اہل زمین کی دینی اور دنیاوی ضروریات کی ذمہ داریاں اللہ تعالیٰ کی رضا اور حکم کے مطابق سرانجام دیتے ہیں۔ اس روحانی حکومتی نظام کی بنیاد قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور اولیاء عظام کے ارشادات ومشاہدات پر مبنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن مُ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ لْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُونَ ہ اِنَّ فِي هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ۔ [2]

---

[1] (امداد السلوک)، [2] (سورۃ الانبیآء، پ ۱۷، آیت نمبر ۱۰۵۔۱۰۶)

ترجمہ: اور تحقیق ہم نے زبور کے اندر ذکر کے بعد یہ بات لکھ دی کہ بے شک صالحین لوگ ہی زمین کے وارث ہیں۔ بے شک اس میں عام پیغام ہے عبادت گزار بندوں کے لیے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا کی ظاہری مادی حکومت کے اوپر عالم امر کی ایک لطیف روحانی حکومت ہے۔ جس کا نظام صالحین امت چلا رہے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین کی وراثت ان کے سپرد فرمائی ہوتی ہے۔

جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میرے دو وزیر یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دنیا میں اور دو وزیر یعنی حضرت جبرائیلؑ اور میکائیلؑ آسمان میں ہیں۔ [۱]

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَطِیْعُو اللّٰهَ وَاَطِیْعُو الرَّسُوْلَ وَ اُوْلِی الْاَ مْرِ مِنْكُمْ۔ [۲]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔

ان صاحب حکم لوگوں سے مراد ہرگز یہ دنیا کے کافر، ملحد، فاسق، فاجر اور بے دین حکمران مراد نہیں ہیں جنہوں نے مکر وفریب اور ظلم و جبر سے مخلوق خدا کو پریشان کیا ہوا ہے۔ اولیاء کرام کا وجود اہل دنیا کے لیے رحمت ہے۔

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وَهُمْ جُلُسَآءِ اللّٰهِ بِهِمْ يُمْطَرُوْنَ وَ بِهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ [۳]

ترجمہ: یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہمنشین ہیں۔ ان ہی کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور ان ہی کی برکت سے رزق ملتا ہے۔

---

[۱] (تفسیر مظہری)، [۲] (سورۃ النسآء، پ۵، آیت ۵۹)، [۳] (بخاری شریف)

حضورﷺ کاارشادگرامی جوحضرت علیؓ سے منقول ہے:

عن شریح بن عبید قال ذکر اھل الشام عند ،علیؓ و قیل العنھم یا امیر المومنین۔ قال لا۔ انی سمعت رسول اللہﷺ یقول الابدال یکونون باالشام وھم اربعون رجلا کلمامات رجل ابدل اللہ مکانہ رجلا یسقی بھم الغیث و ینتصربھم علی الاعداء و یصرف عن اھل الشام بھم العذاب۔[1]

ترجمہ: شریح بن عبید سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ کے روبرواہل شام کاذکرآیاکسی نے عرض کی اے امیرالمومنین (اہل شام) پرلعنت کیجئے۔فرمایانہیں۔میں نے رسول اللہﷺ سے سنا ہےفرماتے ہوئے کہ ابدال (جواولیاء کی ایک قسم ہے) شام میں رہتے ہیں وہ چالیس آدمی ہوتے ہیں جب ان میں سے کوئی شخص مرجاتا ہےاللہ تعالی اس کی جگہ دوسراشخص بدل دیتے ہیں۔ان کی برکت سے بارش ہوتی ہے۔ان کی برکت سے دشمنوں پرغلبہ ہوتا ہے۔ان کی برکت سے اہل شام سے (دنیوی) عذاب ہٹ جاتا ہے۔

حضرت جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی روایت کی اسناد کے طریقے دس سے زیادہ ہیں۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ روئے زمین کبھی ایسے چالیس (۴۰) آدمیوں سے خالی نہیں رہتی جن کی برکت سے آسمان سے بارشیں ہوتی ہیں۔اورزمین نباتات اگاتی ہے۔یہ لوگ میری امت کے ابدال ہیں۔[2]

---

[1] (مشکوۃ، رواہ امام احمدؒ)، [2] (کتاب کرامات اولیاء)

حضرت عبادا بن صامت سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں قیامت تک چالیس آدمی ایسے رہیں گے جن کی وجہ سے زمین و آسمان کا نظم و نسق قائم رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ ان پر کوئی ظلم کرے تو معاف کرتے ہیں اور برائی کے بدلے احسان کرتے ہیں۔

حضرت جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ ابدال کی خبر احادیث میں صحیح ہے بلکہ معنا ایسی تواتر ہے کہ ان کا وجود درجہ یقین تک پہنچتا ہے۔

حضرت اسماعیل حقی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے آپ ﷺ کا ارشاد نقل کیا کہ میری امت میں ہر وقت پانچ سو (۵۰۰) برگزیدہ بندے اور چالیس ابدال رہتے ہیں جب ان میں کوئی شخص مرجاتا ہے۔فورا دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔[1]

حضرت اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ مکتوبات و ملفوظات صوفیہ میں ابدال و اقطاب و اوتاد و غوث وغیرھم الفاظ اور ان کے مدلولات کے صفات و برکات و تصرفات پائے جاتے ہیں۔[2] حدیث میں جب ایک قسم (یعنی ابدال) کا اثبات ہے تو دوسرے اقسام (اولیاء) بھی مستبعد نہ رہے۔ ایک نظیر سے دوسری نظیر کی تائید ہونا امر مسلم و معلوم ہے۔

زیر نظر موضوع کو طوالت سے بچانے کے لیے قرآن مجید کے اندر اولیاء کرام کے تصرفات، تکوینہ کے ثبوت کے حضرت آصف ولی اللہ کا بلقیس کا تحت لانے کا واقعہ اور حضرت حضر علیہ السلام کا واقعہ کافی ہے جس میں حضرت حضرؑ نے کشتی کا سوراخ کیا لڑکے کا قتل کیا اور دیوار کو روحانی تصرف و

---

[1] (تفسیر روح البیان)، [2] (شریعت و طریقت)

اختیار سے سیدھا فرمایا۔ اسی طرح احادیث مبارکہ مذکورہ اولیاء کی برکات کے ثبوت میں نص کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اہل یقین کے لیے ایک دلیل بھی کافی ہے۔ جبکہ انکار پر بضد افراد کے لیے بے شمار دلائل بھی ناکافی ہیں۔

اولیاء کرام کی اقسام

اولیاءاللہ کی مختلف اقسام زیر بحث لانے کا ایک فائدہ یہ ہے معلومات مکمل ہو جائیں اور علم ناقص نہ رہے۔ دوسرا اہم فائدہ یہ ہے کہ اولیاء کرام میں سے قرب رب تعالیٰ کی منازل طے کرانے والے حضرات کی پہچان آسان ہو جائے۔ تیسرا اہم فائدہ یہ ہے کہ عوام اہل تکوین اولیاء کرام کی محبت واحترام کو ضروری سمجھیں اور ان حضرات کی بے ادبی اور نفرت سے بچ سکیں۔ ان حضرات میں سے اکثر لوگ سادہ، خستہ حال، شکستہ حال اور عجز وانکساری کا پیکر ہوتے ہیں۔ اس لیے انسان ان کی بے ادبی کا مرتکب ہو کر بدبختی کا شکار ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں قطب اقطاب کے وجود سے سورج کی مانند فیوضات کی شعاعیں نکلتی ہیں جس کو اولیاء کرام سے عقیدت ومحبت رکھنے والے لوگ باطن میں جذب کر لیتے ہیں۔ مگر بعض عام سے بھی بالکل محروم ہوتے ہیں اگرچہ وہ ایسی باکمال شخصیت کے قریب ہی کیوں نہ رہتے ہوں۔

اسی طرح حضرت اشرف علی تھانوی بھی فرماتے ہیں کہ لوگوں کے قلوب میں انوارات و برکات ان (اولیاء) کی وجہ سے آتے ہیں۔ برکات سے متمتع ہونے کی شرط ان (اولیاء کرام) کے ساتھ اعتقاد ہے۔

اولیاء کرام کی خدمات کے اعتبار سے دو بڑی اقسام ہیں

۱۔ اہل ارشاد اولیاء:

ان اولیاء کرام کی ذمہ داری لوگوں کے قلوب ونفوس کی اصلاح کر کے ان کو اللہ تعالی کے قرب اور معرفت تک پہنچانا ہوتا ہے یعنی ولی بننے کے خواہش مند لوگوں کی تربیت ان کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ان لوگوں کے لیے صاحب کرامت وحوارق ہونا شرط نہیں ہے۔ ان لوگوں کا عروج اور نزول مکمل ہوتا ہے اس لیے دیکھنے میں عام لوگوں کی طرح زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں اور اتباع سنت میں دعوت وارشاد کی ذمہ داری پوری کر رہے ہوتے ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ واصل حق ہوتے ہیں۔

۲۔ اہل تکوین اولیاء:

یہ کاملین اولیاء کرام ہوتے ہیں۔ ان کی ذمہ داری اصلاح معاش اور معاشرتی وانتظامی امور سے متعلق ہوتی ہے۔ دفع آفات وبلیات ان کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ یہ حضرات باذن الٰہی اللہ تعالی کی عطا کردہ باطنی طاقت اور تصرف سے ان معاملات کو سرانجام دیتے ہیں۔

ان اولیاء کرام کے بارے میں حضرت اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں: ان کی حالت مثل حضرات ملائکہ کے ہوتی ہے۔ جو کہ (قرآن میں) مدبرات امر فرمایا گیا۔ ان اولیاء کرام کے لیے تصرفات عجیبہ اور کرامات کا ہونا لازمی ہوتا ہے۔ [۱]

---

[۱] (شریعت وطریقت)

اولیاء کرام کی مزید چند اقسام درج ذیل ہیں:۔

ا۔آئمہ:

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا سیدنا حضرت ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بارے میں فرمان ہے کہ:قَالَ اِنّی جاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ [1]

ترجمہ: فرمایا بے شک میں تجھے لوگوں کے لیے امام بنانے والا ہوں۔

حضرت سیدنا ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام کو منصب امامت کی خلعت عطا ہوئی۔

آقا کریم ﷺ کی امت میں اس مقام پر سیدنا حضرت علیؓ فائز ہوئے اور اہل بیت اطہار کے بارہ امام اسی عالی منصب پر فائز رہے جیسا کہ مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات میں مذکور ہے۔حضرت سیدنا امام مہدیؓ بھی اسی منصب امامت پر فائز ہوں گے۔

اولیاء کرام کے نزدیک امام کا منصب اپنے دور میں بہت ہی اعلیٰ ہوتا ہے اور اس منفرد مقام پر ایک وقت میں صرف ایک ہی صاحب قرب ہستی کو فائز کیا جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ رب العزت کی بارگاہ میں یہ اقربیت کا بے مثل مقام ہوتا ہے اور بارگاہ رسالت کی خصوصی نسبت سے یہ تعلق رکھتا ہے۔منصب امامت پر فائز شخصیت کو خصوصی قربت، معارف اور احوال عطا ہوتے ہیں۔

حضرت علامہ یوسف نبہانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ہر دور میں صرف دو ہوتے ہیں تیسرا قطعًا نہیں ہوتا۔ایک عبدالرب اور دوسرا عبدالما لک ہوتا ہے یہ ان کے صفاتی نام ہوتے ہیں اگرچہ ان کے ذاتی نام جو بھی ہوں۔ایک عالم ملکوت کے مشاہدہ میں محور رہتا ہے اور دوسرا عالم ملک تک محدود رہتا ہے۔ [2]

---

[1] (سورۃ البقرۃ،پ ا،آیت نمبر ۱۲۴) [2] (جامع کرامات اولیاء)

۲۔قیومیت:

اولیاء کرام کے مناصب میں سب سے اعلیٰ منصب قرب الٰہی کے لحاظ سے یہ ہوتا ہے۔ جس ہستی کو اس منصب کی خلعت پہنائی جاتی ہے وہ قیوم الزمان کہلاتا ہے یہ اپنے زمانے کی واحد بے مثل شخصیت ہوتی ہے۔بعض دفعہ قیومیت پر مجدد وقت ہی فائز ہوتا ہے لیکن عمومی طور پر قیومیت اور مجدد وقت الگ الگ شخصیات بھی ہوتی ہیں۔قیوم زمان کی موجودگی میں قطب ارشاد کی کوئی دوسری ہستی نہیں ہوتی۔

خواجہ محمد معصوم فاروقی مجددیؒ فرماتے ہیں کہ صاحب نسبت قیومیت کے عہد میں قطب ارشاد اس کے علاوہ نہیں ہوتا وہ قیوم زمان بمنزلہ کل ہے اور اقطاب علاقہ (جزوی اقطاب) اس سے فیض یاب اور مستفید ہوتے ہیں۔[۱]

اس ہستی کو تمام اشیاء کائنات کا قیوم یعنی خلیفۃ اللہ بنایا جاتا ہے۔تمام مخلوق کو وجود اور بقا اور تمام کمالات ظاہری و باطنی اس کے وسیلے سے پہنچے ہیں۔

قیوم زمان کے بارے میں حضرت خواجہ محمد معصوم فاروقی مجددی فرماتے ہیں کہ قیوم اس عالم میں حق تعالیٰ جل جلالہ کا خلیفہ اور اس کا نائب مناب (قائم مقام) ہوتا ہے۔اقطاب وابدال اس کے دائرہ ظلال میں داخل ہوتے ہیں جبکہ افراد واوتاد اس کے کمال کے محیط میں شامل ہوتے ہیں۔ تمام افراد عالم اس کی طرف رخ رکھتے ہیں اور اہل جہاں کی توجہ کا قبلہ وہی ہوتا ہے خواہ وہ جانیں یا نہ جانیں بلکہ اہل عالم کا قیام اس کی ذات سے ہے اس لیے کہ افراد عالم چونکہ اسماء وصفات کے مظاہر

---

[۱] (مکتوبات معصومیہ مکتوب ۶۴)

ہیں کیونکہ کوئی ذات ان کے درمیان کائن (موجود) نہیں ہے اس لیے سب کے سب اعراض و اوصاف ہیں اور اعراض واوصاف کو ذات جوہر کے بغیر چارہ نہیں ہے تا کہ ان کا قیام اس کے ساتھ ہو۔اللہ تعالی کی عادت جاری ہے کہ طویل زمانوں کے بعد کسی عارف کو ذات سے حصہ عطا فرما کر اس کو ایک ایسی ذات عطا فرماتے ہیں کہ وہ نیابت وخلافت کے طور پر اشیاء کا قیوم ہو جاتا ہے اور اشیاء اس کے ساتھ قائم ہوتی ہیں۔جاننا چاہیے کہ نسبت قیومیت کا حاصل ہونا کسی شخص کو اس وقت تک میسر نہیں ہے جب تک وہ اصالت سے کچھ حصہ نہ رکھتا ہو جس قدر وہ شخصیت اصالت سے حصہ رکھتی ہے اسی کے موافق اس کو محبوبیت فطرت ذات ودیعت کی جاتی ہے یعنی محبوبیت ذاتی اور کمال انفعالی کی بھی اس کے حق میں نشاندہی ہوتی ہے۔و ما ذالك علی الله بعزیزه۔ [1]

۳۔غوثیت:

اس عالی مقام پر فائز ہستی کو غوث کہا جاتا ہے۔اس پر کمالات ولایت کا غلبہ ہوتا ہے اپنے عصر میں ایک شخصیت اس پر فائز کی جاتی ہے۔جس کو غوث الزماں کہا جاتا ہے۔جیسا کہ اس منصب کے نام سے ہی ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ مخلوق کے معاملات میں امداد وتعاون کی ذمہ داریاں باذن اللہ سرانجام دیتا ہے۔غوث قطب مدار سے الگ حیثیت کا مالک ہوتا ہے اور قطب مدار کا ممد ومعاون ہوتا ہے۔کیونکہ قطب مدار مختلف امور میں ان سے مدد لیتا ہے اور ابدال کے منصب مقرر کرنے میں بھی غوث کا دخل ہوتا ہے۔ [2]

ایسے مردان حق جن کے مقدر میں غلبہ وقوت ہے وہ لشکر خداوندی کے سپاہی ہوتے ہیں۔

---

[1] (جلد اول مکتوبات معصومیہ مکتوب ۸۶)، [2] (مکتوبات مجدد الف ثانیؒ جلد اول مکتوب ۲۵۶)

ان کے بارے میں علامہ محمد اقبال نے فرمایا :

ما ہنوز اندر ظلام کائنات　　　　اور شریک انتظام کائنات

حضرت علامہ امام یوسف نبہانی فلسطینیؒ فرماتے ہیں کہ غوث زمانہ بھر میں صرف ایک ہی ہوتا ہے یہ مقربین خدا سے ہوتا ہے اور اپنے زمانے میں گروہ اولیاء کا آقا ہوتا ہے۔ ۱

۴۔قطب مدار:

قطب مدار کو منصب خلافت کے امور نبھانے کی ذمہ داری عطا ہوتی ہے۔جو کمالات ظلیہ سے تعلق رکھتی ہے۔قطب مدار کے مقام کی تربیت سیدنا مولائے علی شیر خدا فرماتے ہیں اور ان کی امداد واعانت سے تربیت تکمیل کو پہنچتی ہے قطب مدار کا سر سیدنا حضرت علیؓ کے قدم کے نیچے ہے۔
قطب مدار (قطب لاقطاب) ان کی حمایت و مدد سے اپنے ضروری امور کو سرانجام کرتا ہے اور مداریت سے عہدہ برا ہوتا ہے۔حضرت سیدہ طاہرہ فاطمہ الزہرہؓ اور امامینؓ (یعنی سیدنا امام حسن مجتبیٰؓ اور سید الشھد اء امام حسینؓ) بھی اس مقام میں حضرت مولائے علیؓ کے ساتھ شریک ہیں۔
قطب مدار کے لیے گوشہ نشینی اور تنہائی ناگزیر ہے اس شخصیت پر فیوضات ذاتی کا نزول ہوتا ہے اور روحانی حکومت میں قطب مدار کا کردار مرکزی ہوتا ہے۔ ۲

۵۔قطب ارشاد:

کمالات ظلیہ میں منصب امامت کے مناسب قطب ارشاد کا منصب ہوتا ے۔یہ شخصیت اپنے عصر میں اکمل واتم ہوتی ہے بلحاظ فیض۔ان لوگوں کے کمالات باطنی ہوتے ہیں جن کا سمجھنا

---

۱ (جامع کرامات اولیاء)، ۲ (نمبر ۲۵۱، مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی)

عوام کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ان کی صحبت میں جو شخص ہوتا ہے اس کو امور ذوقی ووجدانی محسوس ہوتے ہیں۔قطب ارشاد کے لیے خود صاحب کرامات وخوارق ہونا ضروری نہیں۔[۱]

۶۔ابدال: یہ اولیاء کرام چالیس ہوتے ہیں اور شام میں رہتے ہیں اور بعض عراق میں بھی ہوتے ہیں۔

حضرت علامہ امام یوسف نبہانی فلسطینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سات سے کم وبیش نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اقالیم سبعہ کی حفاظت فرماتے ہیں۔ہر بدل کی ایک اقلیم ہوتی ہے جہاں اس کی ولایت کا سکہ چلتا ہے۔پہلا نقش پائے خلیل علیہ السلام پر چلتا ہے اور اقلیم اول اس کی تولیت میں ہوتی ہے دوسرا قدم کلیم علیہ السلام پر تیسرا قدم ہارون علیہ السلام پر اور چوتھا قدم حضرت ادریس علیہ السلام اور پانچواں قدم یوسف علیہ السلام پر اور چھٹا قدم عیسیٰ علیہ السلام پر اور ساتواں آدم علیہ السلام پر چل رہا ہوتا ہے۔[۲]

۷۔ختم: حضرت علامہ امام یوسف نبہانی فلسطینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ہر دور میں ساری دنیا میں صرف ایک ہوتے ہیں۔ایسی ہستی پر اللہ تعالیٰ ولایت محمدی ﷺ کا خاتمہ فرماتے ہیں۔اولیائے محمدی میں ان سے بڑی ہستی کوئی نہیں ہوتی۔ایک ختم آخر بھی ہوں گے جن پر آدم علیہ السلام سے لے کر آخری ولی تک کی ولایت ختم ہوگی۔یہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔وہ ہی خاتم الاولیاء ہیں، دورہ فلک کے بھی وہ ختم تھے۔قیامت کو اسی لیے ان کے دو حشر ہوں گے ایک حشر بحیثیت امت محمدی میں شمولیت کے اور ایک حشر بطور رسول کے ہوگا۔[۳]

---

[۱] (مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر ۲۵۶)، [۲] (جامع کرامات اولیاء)، [۳] (جامع کرامات اولیاء)

۸۔قطب افراد:

جو متابعت نبوی ﷺ کے باعث فردیت ذات کی تجلی سے ممتاز ہوتا ہے اور اپنے انتہائی کمال کی وجہ سے دائرہ قطب الاقطاب سے خارج ہوتا ہے روئے زمین پر تین ہوتے ہیں۔ [1]

۹۔اقطاب:

اقطاب میں سے ۱۲ بڑے قطب ہوتے ہیں اس کے علاوہ ہر شہر میں ایک قطب موجود ہوتا ہے جیسا کہ فتوحات مکیہ میں آتا ہے کہ مومنوں اور کافروں کا کوئی شہر ایسا نہیں جہاں قطب مقرر موجود نہ ہو۔

۱۰۔مجذوب:

مجذوب وہ ولی ہوتے ہیں جن کی عقل کسی وارد غیبی سے زائل ہو جائے۔ مجذوب کے پاس بیٹھنے سے قلب کو آخرت کی طرف کشش ہوتی ہے۔ مجذوب پر حالت جذب کا غلبہ ہوتا ہے۔ مجذوب خود عروج میں پھنسا ہوا ہوتا ہے اس سے بیعت نہیں کرنی چاہیے۔ مجذوب سے صرف محبت واحترام کا رشتہ ہی رکھیں۔

۱۱۔قلندر:

قلندر محبین لوگ ہوتے ہیں ان کو بے رنگ فیض حاصل ہوتا ہے۔ یہ لوگ صاحب شریعت ہوتے ہیں۔ ان کے اعمال ظاہر یہ کم ہوتے ہیں مگر اعمال باطنیہ بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

---

[1] (شریعت وطریقت ص ۳۴۰)

۱۲۔ملامتی:

یہ لوگ اعمال کی کثرت کرتے ہیں مگر ان کو عوام سے پوشیدہ رکھتے ہیں ان کی حرکات ظاہر میں اس طرح کی ہوتی ہیں کہ لوگ ان سے دور ہوتے ہیں یہ خود کو بدنام کرنا پسند کرتے ہیں۔

۱۳۔ابرار:

یہ صلحاء لوگ ہوتے ہیں اور کافی تعداد میں ہوتے ہیں۔

۱۴۔اخیار:

یہ حضرات سیاح ہوتے ہیں یعنی زمین پر جگہ جگہ پھرتے رہتے ہیں۔ان کی تعداد (۷۰۰) سات سو تک ہوتی ہے۔[۱]

۱۵۔اوتاد:

ان کی تعداد چار ہوتی ہے اور عالم کے چار رکن میں رہتے ہیں۔

حضرت علامہ امام یوسف نبہانی فلسطینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ صرف چار حضرات ہوتے ہیں۔ کسی دور میں ان میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ہم نے اس جماعت کے ایک بزرگ ابنِ جدون کو فارس شہر میں دیکھا تھا یہ صاحب اجرت پر مہندی چھانتے تھے۔ان چار میں سے ایک کے ذریعے اللہ کریم مشرق کی حفاظت فرماتے ہیں اور اس کی ولایت مشرق میں ہوتی ہے۔دوسرا مغرب میں، تیسرا جنوب اور چوتھا شمال میں ولایت کا مرکز ہوتا ہے۔ان کے معاملات کی تقسیم کعبہ سے شروع ہوتی

---

۱ (شریعت وطریقت)

ہے۔کبھی اوتاد وغیرہ عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ان چاروں کے القاب اور صفاتی نام یہ ہیں: عبدالحی، عبدالعلیم، عبدالقادر اور عبدالمرید۔[1]

۱۶۔عمد:

اس منصب پر فائز شخصیات چار ہی ہوتی ہیں اور یہ زمین کے چاروں گوشوں پر رہتے ہیں[2]

۱۷۔نجبا:

یہ حضرات تعداد میں ستر (۷۰) ہوتے ہیں اور مصر میں رہتے ہیں۔

حضرت علامہ امام یوسف نبہانی فلسطینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حضرات ہر دور میں آٹھ سے کم و بیش نہیں ہوتے۔ان حضرات کے احوال سے ہی قبولیت کی علامات ظاہر ہوتی ہیں۔حالانکہ ان علامات پر ضروری نہیں کہ انہیں اختیار بھی ہو بس حال کا ان پر غلبہ ہوتا ہے۔اس حال کے غلبہ کو صرف وہ حضرات پہچان سکتے ہیں جو رتبہ میں ان سے اوپر ہوتے ہیں۔ان سے کم مرتبہ لوگ نہیں پہچان سکتے۔[3]

۱۸۔مکتومات:

یہ اولیاء پوشیدہ اور چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔

۱۹۔مفرداں:

یہ حضرات بہت لطیف ہوتے ہیں اور تیزی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ سکتے ہیں۔

---

[1] (جامع کرامات اولیاء)، [2] (شریعت وطریقت)، [3] (جامع کرامات اولیاء)

۲۰۔نقباء:

یہ حضرات تین سو (۳۰۰) ہوتے ہیں۔مغربی حصہ میں رہتے ہیں۔ ۱؎

حضرت علامہ امام یوسف نبہانی فلسطینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ہر دور میں صرف بارہ نقیب ہوتے ہیں۔آسمان کے بارہ ہی برج ہیں اور ہر ایک نقیب ایک ایک برج کی خاصیتوں کا عالم ہوتا ہے۔اللہ کریم نے ان نقبائے کرام کے ہاتھوں میں شریعتوں کے نازل کیے ہوئے علوم دے دیئے ہیں،نفوس میں چھپی اشیاء اور آفات نفوس کا انہیں علم ہوتا ہے۔نفوس کے کمر و خداع کے استخراج پر یہ قادر ہوتے ہیں۔ابلیس ان کے سامنے یوں منکشف ہوتا ہے کہ اس کی ان مخفی قوتوں کو بھی یہ جانتے ہیں جنہیں وہ خود نہیں جانتا۔ان کے علم کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اگر کسی کا نقش پا زمین پر لگا دیکھ لیں تو انہیں اس کے شقی و سعید ہونے کا پتہ چل جاتا ہے۔ ۲؎

۲۱۔صاحب خطوہ ولی:

حضرت امام یوسف نبہانی فلسطینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ وہ ولی ہوتا ہے جس کے لیے کائنات کی وسعتیں محدود ہو کر رہ جاتی ہیں اور دنیا کے ہر حصے میں اس کے قدم پہنچ جاتے ہیں۔ ۳؎

علامہ ابن حجر شافعی نے بھی اپنے فتوٰی میں صاحب خطوہ ولی کا ذکر فرمایا ہے۔

۲۲۔حواری حضرات:

حضرت علامہ امام یوسف نبہانی فلسطینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ہر دور میں صرف ایک ہوتا ہے دوسرا کبھی نہیں ہوتا۔جب وہ مرتا ہے تو دوسرا اس کا جانشین بنتا ہے۔حضور ﷺ کے دور اقدم میں

۱؎ (شریعت وطریقت ص۳۴۳)، ۲؎ (جامع کرامات اولیاء)، ۳؎ (جامع کرامات اولیاء)

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اس مقام پر متمکن تھے حالانکہ یہ دور تلوار کے ذریعے دین کی مدد کرنے والوں کی کثرت کا دور تھا مگر حواری وہ ہوتا ہے جو سیف وحجت دونوں کے ذریعے دین کی مدد کرتا ہے اسے علم، عبادت اور دلیل عطا ہوتی ہے۔ تلوار، شجاعت اور جرأت کا بھی وہ شاہکار ہوتا ہے۔ وہ دین مشروع کی صحت پر دلیل قائم کرنے میں بے پناہ تحری وسعی سے کام لیتا ہے۔ [1]

۲۳۔ رجبی حضرات:

حضرت علامہ امام یوسف نبہانی فلسطینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ہر دور میں صرف چالیس ہی ہوتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن پر عظمت الٰہی کی عظمت کا حال طاری رہتا ہے۔ یہ افراد ہوتے ہیں انہیں رجبی اس لیے کہتے ہیں کہ اس مقام کا حال رجب کی پہلی تاریخ سے آخری تاریخ تک طاری رہتا ہے پھر یہ کیف ومستی ختم ہو جاتی ہے اگلے سال رجب میں پھر اس حال کا اعادہ ہوتا ہے۔ یہ مختلف شہروں میں بکھرے ہوتے ہیں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔ مگر دوسرے سالکان راہ سے کم لوگ ہی انہیں پہچان سکتے ہیں۔ کچھ حضرات یمن، شام اور دیار بکر میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔ [2]

مراتب ولایت

قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے: فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ۔ [3]

ترجمہ: پس یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ ہیں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔

---

[1] (جامع کرامات اولیاء)، [2] (جامع کرامات اولیاء)، [3] (سورۃ النسآء، پ۵، آیت ۶۹)

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ ولایت تین مراتب پر مشتمل ہے۔[۱] جو کہ درج ذیل ہیں۔

ا۔مقام ولایت: اللہ تعالی کے قرب اور محبت کا پہلا مرتبہ ولایت ہے۔

السید محمود آلوسی بغدادی فرماتے ہیں: اِنَّ الْوَلِیَّ مَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِنْ رَّبِّہٖ۔[۲]

ترجمہ: بے شک ولی وہ ہوتا ہے جو اپنے رب کی طرف سے واضح اور روشن دلیل پر ہو۔

جیسا کہ اللہ رب العزت جلا شانہٗ نے فرمایا: وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرً یَمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاس[۳]

ترجمہ: اور ہم نے اسے (ہر ولی کو) ایک نور دیا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔

درحقیقت اولیاء انبیاء کرام کے ورثاء ہوتے ہیں۔

اولیاء سراپا رشد و ہدایت اور اخلاق الہیہ کی تصویر ہوتے ہیں۔اہل دنیا کے لیے ان کا وجود ذریعہ رحمت و برکت ہوتا ہے۔

ولایت کی درج ذیل تین اقسام ہیں[۴]۔

1)۔ولایت صغریٰ: یہ پہلے درجہ کی ولایت ہے جو اولیاء کو عطا کی جاتی ہے۔اس میں سالک اسماء صفات الہیہ کے ظلال میں سیر کرتا ہے۔

2)۔ولایت کبریٰ: یہ ولایت انبیائے عظام کی ولایت ہے ہر لطیفہ کی ولایت انبیاء عظام کے زیر قدم ہے اس میں بھی اسماء صفات کے حجابات حائل ہونے کے بغیر متحقق نہیں ہوتی۔

3)۔ولایت ملاء اعلیٰ: ملائکہ کرام کی ولایت، اس ولایت میں اسماء صفات کے حجابات سے تو بلندی ہوتی ہے مگر شیون واعتبارات ذاتیہ کے حجابات اس میں موجود ہوتے ہیں۔

---

[۱] (مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر ۸ و ۴۱)، [۲] (تفسیر روح المعانی) [۳] (انعام۔۱۲۲)،
[۴] (مکتوبات امام ربانی، جلد دوم، مکتوب نمبر ۲۶۰)

۲۔مقام شہادت:

ولایت سے اگلا مرتبہ شہادت ہے۔

السید محمود آلوسی فرماتے ہیں کہ شہداء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے وقف کر دیں۔ [۱]

شہادت کی دو قسمیں ہیں۔

1)۔شہادت صغریٰ

2)۔شہادت کبریٰ

شہادت صغریٰ یہ کہ غازی ہونے کی حالت میں کفار و مشرکین کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان قربان کر دینا ہے۔شہادت کبریٰ کی صورت یہ کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی صفات کی وجہ سے اس کے ساتھ بلا علت محبت کرنا ہے۔شہادت کبریٰ کی افضل صورت یہ ہے کہ عارف کو حق تعالیٰ کا مشاہدہ (بلا کیف) نصیب ہو جائے۔

اس کی وضاحت میں سید محمود آلوسی فرماتے ہیں:

اہل شہادت وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بساط علم کے مطابق شرف حضوری حاصل ہوتا ہے۔ [۲]

قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّه‘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَا وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُوْلُو الْعِلْمِ۔[۳]

ترجمہ:اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور علم والوں نے۔

---

[۱](تفسیر روح المعانی) ، [۲] (تفسیر روح المعانی) ، [۳] (سورۃ ال عمران، پ۳، آیت نمبر ۱۸)

اس آیت میں اولوالعلم سے مراد شرف حضوری والے اولیاء ہیں جن کوفرشتوں کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔یعنی لوہے کی تلوار سے حاصل ہونے والی شہادت، شہادت صغریٰ ہے جبکہ عشق ربانی کی تلوار سے حاصل ہونے والی شہادت،شہادت کبریٰ ہے۔ان سے احوال سکر یہ بہت کم ظاہر ہوتے ہیں۔

۳۔مقام صدیقیت:

ولایت کے تیسرے درجے کا نام مرتبہ صدیقیت ہے۔

حضرت علامہ قاضی ثناءاللہ نقشبندیؒ فرماتے ہیں کہ صدیق مبالغے کی حدتک سچے ہوتے ہیں اور ظاہری و باطنی طور پر انبیاء کرام کی کامل ترین اتباع سے متصف ہوتے ہیں اور کمالات نبوت اور تجلیات ذاتیہ میں مستغرق ہوتے ہیں۔[۱]

اسی طرح صاحب تفسیر روح المعانی حضرت علامہ السید محمود آلوسی نقشبندی [۲]:

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ، [۳] کی تفسیر میں ارشاد فرمایا:

۱۔نبوت:

یہ پہلا کامل مرتبہ ہے اور نبوت کے قطب مدار سیدنا حضور نبی کریم ﷺ ہیں۔

---

[۱](تفسیر مظہری)، [۲](تفسیر روح المعانی)[۳] (سورۃ النسآء،پ۵،آیت ۶۹)

۲۔صدیقیت:

یہ دوسرا کامل مرتبہ ہے اور اس کے قطب مدار حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔مقام صدیقیت میں احوال سکریہ نہیں ہوتے۔

۳۔شہادت:

یہ تیسرا کامل مرتبہ ہے اور اس کے قطب مدار حضرت عمر فاروقؓ ہیں۔

۴۔ولایت:

یہ چوتھا کامل مرتبہ ہے اور ولایت کے قطب مدار حضرت علیؓ ہیں۔

حضرت عثمان غنیؓ کو فیضان شہادت اور فیضان ولایت کی برکات عطا ہوئیں۔

اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا کہ ان کو فیضان نبوت کی برکات اور فیضان ولایت کی برکات عطا ہوئی تھیں اس لیے ان دونوں برکات کے نور ملنے کی وجہ سے بھی ان کو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔اگر چہ ان کو ذوالنورین آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی دو صاحبزادیوں (جو کہ سراپا نور تھیں) کے ساتھ نکاح کی وجہ سے یہ لقب عطا ہوا ہے۔

باب نمبر ۵

(نفس)

نفس ایک شے لطیف ہے جو قالب میں موجود ہوتی ہے اور اس سے صفات و اخلاق مذمومہ کا صدور ہوتا ہے۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں لفظ نفس کے دو معنی اسطرح ہیں۔

۱۔ نفس انسان وہ شے ہے جو قوت غضب اور شہوت کی جامع ہے۔ نفس میں صفات مذمومہ انسانی جمع ہیں۔

حدیث شریف میں اسطرح آیا ہے: اعدی عدوك نفسك التی بین جنبیك۔

ترجمہ: سب سے زیادہ دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے پہلو میں ہے۔

اس لیے نفس کے خلاف مجاہدہ کرنا اور اسے توڑنا انسان کے لیے لازمی اور ضروری ہو جاتا ہے۔

۲۔ نفس ایک لطیفہ ربانی ہے اور اس اعتبار سے واقع میں انسان وہی ہے اور نفس انسان بھی اسی کو سمجھنا چاہیے۔ نفس کے احوال اور صفات میں تزکیہ سے تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔

نفس کی صفات مذمومہ:

اہل حقیقت نے نفس کی ننانوے (۹۹) صفات مذمومہ بیان فرمائی ہیں۔ انسان جب ان

تمام منفی صفات سے پاک نہیں ہو جاتا اس وقت تک انسان کو خالص توحید کی لذت اور حلاوت نصیب نہیں ہوسکتی۔ اگر کسی شخص کی کچھ صفات قبیحہ ختم ہوگئیں اور کچھ باقی ہیں تو اس صورت میں بھی وہ شخص غیر اللہ کی بندگی سے آزاد نہیں ہوا جب تک اس کو فنائے نفس کلی طور پر حاصل نہ ہو جائے۔

فرمان خداوندی ہے: اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوۡٓءِ۔ [1]

ترجمہ: بیشک نفس برائی کا حکم دینے والا ہے۔

حضرت سید محمود آلوسی البغدادیؒ اس آیت مبارکہ کی تفسیر [2] اسطرح فرماتے ہیں کہ نفس انسان کو گناہوں اور ناپسندیدہ کاموں کا حکم کرتا ہے نفس پیدا ہی ہوا ہے جبلت برائی کا حکم کرنے کے لیے۔ نفس صرف برائی کا حکم کرتا ہے مگر جب نفس پر نظر کرم ورحم ہو جائے تو پھر طبیعت نفس بدل جاتی ہے نفس کی امارت کی صفت ماموریں بدل جاتی ہے یعنی نفس حکم دینے کی بجائے حکم ماننے والا بن جاتا ہے۔ اور جب ہدایت کی صبح بشریت کی رات میں روشنی ڈالتی ہے تو نفس لوامہ بن جاتا ہے اور ندامت وتوبہ کرتے ہوئے جب نفس ہدایت کے افق سے سورج طلوع ہوتا ہے تو نفس ملھمہ بن جاتا ہے۔ اس وقت نفس کو الہام ہوتا ہے نور کا اور تقویٰ کا اور گناہ کا۔ اور جب نہایت کا سورج ہدایت کے آسمان کے درمیان پہنچ جاتا ہے تو اس وقت نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے اور اللہ تعالی کے اس خطاب کے لیے تیار ہو جاتا ہے:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّۃُ ۞ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً [3]

ترجمہ: اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔

---

[1] (سورۃ یوسف، پ۱۳، آیت نمبر۵۳) [2] (تفسیر روح المعانی) [3] (سورۃ الفجر، پ ۳۰، آیت ۲۷ تا ۲۸)

حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

کیونکہ نفس تواز خود بری بات بتاتا ہے۔نفس سے مراد ہے نفس حیوانی جوعناصر اربعہ (مادیہ) سے پیدا ہوتا ہے۔عالم امر کے لطائف میں سے قلب اور روح ہے۔قلب اور روح کا حامل یہی نفس ہے۔چونکہ اس نفس کا تولیدی مرکز عناصر اربعہ مادیہ ہیں اس لیے اس کا بالطبع میلان (حیوانی) خواہشات اور اخلاق رزیلہ کی جانب ہے۔غضب اور غرور عنصر نار کا مقتضیٰ ہے۔کمینگی اور لالچ کا اقتضاء زمین کا ہے۔بیرنگی اور صبر کا فقدان پانی کی خصوصیات ہے۔دل لگی اور لہوولعب ہوا کا خاص کرشمہ ہے۔مگر جب نفس امارہ نفس مطمئنہ بن جاتا ہے۔اس وقت اللہ تعالیٰ نیکیوں اور بھلائیوں میں تمام لطائف عالم امر کا امام نفس کو بنا دیتے ہیں اور جن صفات کی تجلی کو عالم امر کے لطائف برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ان صفات کی تجلی کا حامل یہ نفس مطمئنہ ہوجاتا ہے۔[1]

قرآن حکیم نے واضح فرمادیا کہ نفس امارہ ہی تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے کیونکہ نفس ہی انسان کوتمام گناہوں اور دنیاوی رغبتوں کی طرف مائل کرتا ہے اس نفس کے ذریعے ہی سے شیطان انسان سے گناہ کروانے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

نفس کے رزائل میں تکبر،غرور،حسد،کینہ،بخل،طمع،لالچ،حرص،ہوس،جھوٹ،فریب، نفرت،بغض،شہوت، بدنظری، بدظنی، خیالات فاسدہ،غیبت،چغل خوری،عناد،کمینگی، بےحیائی، شوخی، بےصبری،غصہ،غضب، بدکلامی، بداخلاقی،عہد شکنی، بددیانتی،حب مال،حب جاہ ومنصب، شہرت پسندی،خودنمائی،لہوولعب، بےچینی، بےاستقامتی،عیب جوئی، بےقناعتی،رشوت خوری اور قتل وغارت گری وغیرہ شامل ہیں۔

---

[1] (تفسیر مظہری)

نفس صرف مذکورہ بالا صفات کا حامل ہی نہیں ہوتا بلکہ ہوا و ہوس کے بت انسان کے اندر پرورش پانا شروع کر دیتے ہیں اور بالآخر انسان ہوائے نفس کے ان بتوں کے آگے جبین نیاز کو جھکا کر سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ انسان نہ سمجھتے ہوئے عملاً خواہشات کو اپنا معبود بنا چکا ہوتا ہے۔

انسان کی اس نفسانی کیفیت کی طرف قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰاهُ [1]

ترجمہ: کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا۔

انسان ایسی کیفیت میں گرفتار ہونے کے باوجود زبان سے تو کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور معبود حقیقی تسلیم کرتا ہوں مگر حقیقت میں انسان نفس کو اللہ تعالیٰ کے برابر یا اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر معبود مان رہا ہوتا ہے۔ کیونکہ صورت حال ایسی بن چکی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور احکامات الٰہیہ اس نفس پرست آدمی کے سامنے عملاً کچھ حیثیت و اہمیت نہیں رکھتے ایسے نفس پرست آدمی کے سامنے خواہشات نفسانیہ کی تکمیل ہی بڑا نصب العین ہوتا ہے۔

اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نفس کو ان صفات فاسدہ و رزیلہ کی حالت پر ہی چھوڑ دیا جائے اور انسان ہوائے نفس کے بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتا رہے اور شرک کا ارتکاب کرتا رہے یا انسان کو ظاہری و باطنی شرک سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے اور اپنی جبین نیاز کو صوری و معنوی ہر اعتبار سے صرف رب العالمین کے سامنے خم کر کے توحید خالص کا پیکر بن جانا چاہیے جو معاشرے میں انسان کامل کا عملی نمونہ ہو۔

---

[1] (سورۃ الفرقان، پ ۱۹، آیت نمبر ۴۳)

تزکیہ نفس

نفس کی کدورتوں اور رزائل اور مزاحمتوں کو ختم کرنا جو اللہ تعالی کے قرب کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں تزکیہ نفس کہلاتا ہے۔

تزکیہ نفس کا عمل انسان کے باطن سے تمام کثافتوں کو دور کر دیتا ہے اور نفس کی زمین غیر اللہ سے پاک ہو جاتی ہے۔تزکیہ نفس سے انسان میں ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ انسان صحیح معنوں میں اللہ تعالی کا بندہ بن جاتا ہے انسان عملی طور پر ظاہری اور باطنی معبودوں سے چھٹکارا حاصل کر کے معبود برحق اللہ رب العزت کے لیے خالص ہو چکا ہوتا ہے۔اس صورت میں انسان سب سے کٹ کر واصل حق ہو جاتا ہے۔

تزکیہ نفس کا مبارک فریضہ انبیاء کرام سرانجام دیتے ہیں اور عوام کے نفوس کو پاکیزگی فراہم کرتے رہے ہیں چنانچہ مفسر قرآن حضرت علامہ محمد طاہر القادری صاحب فرماتے ہیں:

تزکیہ نفوس کے پیغمبرانہ منصب سے ہی طریق صوفیاء کا سنت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ [۱]

حضرت غوث صمدانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالی رب العزت نے فرمایا ساری کی ساری عبادت نفس اور خواہش کی مخالفت میں ہے۔ ہوائے نفس کی پیروی نہ کرو کہ یہ راہ خدا تعالی سے ہٹا دے گی نیز فرمایا کہ نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو کیونکہ میرے ملک میں اس کے سوا کوئی چیز مجھ سے جھگڑا کرنے والی نہیں ہے۔ [۲]

---

۱ (تفسیر منہاج القرآن)، ۲ (فتوح الغیب)

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق مشہور ہے کہ انہوں نے خواب میں اللہ تعالی کا مشاہدہ کیا تو عرض کیا کہ کونسا راستہ تجھ تک پہنچا دے گا تو اللہ رب العزت کی طرف سے جواب ملا نفس کو چھوڑ دو۔ آ جاؤ چنانچہ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے کہ میں اپنے نفس سے اس طرح باہر نکل آیا ہوں جس طرح سانپ **کھنچلی** (جلد) اتار کر پھینکتا ہے۔

اللہ تعالی کا خوف رکھتے ہوئے جب انسان نفس کے سر پر ایک قدم رکھنے کی ہمت کرتا ہے تا کہ نفس کو کچل دے تو اللہ تعالی کا فضل و کرم انسان کے دوسرے قدم کو اپنی رحمت کی وسعتوں میں پہنچا دیتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالی عزوجل اپنی شان کریمی کا اظہار فرماتے ہوئے ایسے لوگوں کے لیے جنت کا وعدہ فرماتے ہیں: وَاَمَّامَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ہ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاوٰى۔[1]

ترجمہ: اور جو قیامت کے دن اللہ تعالی کے سامنے کھڑا ہو کر حساب دینے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا تو اس کا ٹھکانا جنت ہے۔

ہوا نفسانی تمام ممنوعات کا سرچشمہ اور حرام چیزوں کی بنیاد ہے۔

ابوبکر وراق فرماتے ہیں اللہ تعالی نے کوئی مخلوق ہوا (نفس کا برائی کی طرف جھکاؤ) سے زیادہ گندی پیدا نہیں فرمائی۔ قلب، اعضاء اور اخلاق نفسانیہ کا کوئی بھی کام اللہ تعالی کے ارادہ اور حکم کے خلاف نہیں ہونا چاہیے۔ تمام اعمال میں ہوا نفس کا دخل نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ خواہش پرستی تو عبودیت کے خلاف ہے۔

---

[1] (سورۃ النازعات، پ ۳۰ آیت نمبر ۴۰ تا ۴۱)

آپ ﷺ نے فرمایا: خواہش پرست بندہ برا بندہ ہے۔ خواہش اس کو گمراہ کر دیتی ہے۔ [1]
اسی طرح نبی کریم ﷺ کا مبارک فرمان ہے:
تین چیزیں تباہ کن ہیں۔ خواہش، نفس جس کا اتباع کیا جائے۔ حد سے بڑھ کر کنجوسی جس کے حکم پر چلا جائے اور خود پرستی جو سب سے زیادہ بری ہے۔ [2]

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ ہمارے شیخ اجل حضرت شیخ بہاؤ الدین نقشبند فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سب سے قریب راستہ مخالفت نفس ہے مراد یہ ہے کہ احکام شریعت کی نگہداشت کے ساتھ نفس کی مخالفت کی جائے۔ [3]

حضرت خواجہ محمد معصوم فاروقیؒ فرماتے ہیں کہ طالب و مطلوب کے درمیان سب سے بڑا حجاب طالب کا نفس ہے۔ [4]

ایک قابل غور بات یہ ہے کہ کچھ گناہ بالکل واضح ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے خوف سے ان سے بچنا ممکن ہوتا ہے مگر کچھ گناہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ باریک ہیں جس طرح چیونٹی کی چال چھپی ہوئی ہوتی ہے اسی طرح شرک اصغر ہے جو انسان سے سرزد ہوتا ہے اور یہ شرک اصغر وہ گناہ ہے جو نیکی کی شکل میں سرزد ہوتا ہے۔ جیسے عبادات وغیرہ میں ریاکاری اور دکھاوٹ۔ اپنی عبادت و ریاضت پر غرور کرنا اور خود کو زیادہ متقی تصور کرنا۔ یہ مقام بڑی لغزش گاہ ہوتی ہے۔ اسی لیے اکابر میں سے کسی نے اپنے مرید سے کہا تھا مجھے یہ اندیشہ نہیں کہ شیطان گناہوں کے راستہ سے تجھ تک پہنچے مگر مجھے یہ خوف ہے کہ شیطان نیکیوں کے راستہ سے کہیں تجھ تک نہ پہنچ جائے۔ اس سے بچنے کی صورت یہی کہ ہر وقت نفس کو اپنا دشمن ہی سمجھے اور اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے انداز میں زاری اور استغفار کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت کا طلبگار رہے۔

---

[1] (ترمذی و بیہقی)، [2] (ابوھریرہ بیہقی) [3] (مکتوبات امام ربانی) [4] (مکتوبات معصومیہ)

ان نفسانی اور شیطانی خطرات سے کامل تحفظ حاصل کرنے کے لیے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ کسی فانی فی اللہ باقی باللہ شیخ کا دامن پکڑ لے اور کوئی کام اس کے حکم و اجازت کے بغیر نہ کرے۔ ؎۱

حضرت شیخ امام یعقوب کرخی اپنے مریدی کے ابتدائی دور کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نفس میں سستی اور باطن میں تاریکی محسوس کی تو نفلی روزے رکھنے شروع کر دیے۔ روزہ رکھ لیا اور صبح کو شیخ اجل حضرت بہاؤالدین نقشبندؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے کھانا منگوایا اور مجھے کھانے کا حکم فرمایا اور ساتھ فرمایا وہ بندہ برا ہے جو ہوا پرست ہو اور خواہش اس کو گمراہ کر دے اور جو روزہ خواہش نفس کے زیر اثر ہو اس سے کھانا افضل ہے اس سے میں سمجھ گیا کہ نفل عبادت کے لیے شیخ کی اجازت ضروری ہے۔ ؎۲

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ بندہ جب تک خواہش نفس میں لگا رہتا ہے اس وقت وہ بندہ نفس اور مطیع شیطان ہوتا ہے۔ یہ نعمت عظمیٰ یعنی بالکل خواہش نفس سے پاک ہو جانا خالص ولایت کے حاصل کرنے سے وابستہ ہے اور کامل ترین فنا و بقا پر موقوف ہے ہر شخص کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ میں کہتا ہوں اس مرتبہ پر پہنچ کر صوفی تقدیر الٰہی کو پسند کرتا ہے خواہ اس کی طبیعت کے خلاف ہی ہو۔ کسی آئے ہوئے دکھ کو دور کرنے کے لیے دعا وہ صرف اس لیے کرتا ہے کہ دعا کرنے کا حکم ہے اور وہ طلب عافیت پر وہ مامور ہے وہ دعا اس لیے نہیں کرتا کہ وہ تکلیف سے تنگ آ گیا ہے۔ اس مرتبہ میں پہنچ کر وہ ویسا ہی اللہ تعالیٰ کا بندہ (اپنے اختیار سے) ہو جاتا ہے جس طرح وہ تکوینی اور اضطراری طور پر خدا تعالیٰ کا بندہ ہوتا ہے۔ اس وقت شیطان کو اس کے پاس پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا۔ ؎۳

؎۱ (تفسیر مظہری)، ؎۲ (مشائخ نقشبندیہ) ،؎۳ (مکتوبات امام ربانی)

لہٰذا اگر کوئی شخص خواہش ہی کوختم کردے تو اس کے پاس آنے کے شیطان کے سب راستے بند ہوجاتے ہیں۔خواہش سے مکمل آزادی کے بعد انسان کامل لباس عبدیت پہن کر اللہ رب العلمین کی حفاظت میں پہنچ کردائمی کامیابی سے ہمکنار ہوجاتا ہے اوراس آیت کا مصداق ہوجاتا ہے:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ط وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِیْلًا۔ [1]

ترجمہ: بےشک جو میرے خالص بندے ہیں ان پر تیرا کوئی اختیار (حکم) نہیں چل سکتا اور آپ ﷺ کا رب کافی ہے کارساز۔

انسان کولازمی ہے کہ ظاہری اور باطنی معبودوں سے خودکوآزاد کرنے کے لیے تزکیہ نفس کا راستہ اختیار کرے تاکہ اس کی خواہشات شریعت مطہرہ کے تابع ہوجائیں اورنفس کی سرکشی اور بغاوت کی صلاحیت ختم ہوجائے۔

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ جب تک کسی کی خواہش اس (شریعت) کے تابع نہ ہوجائے جو میں لےکر آیا ہوں وہ مومن نہیں ہوسکتا۔ [2]

حضرت شیخ مولانا یعقوب چرخیؒ نے اسی مقام کے متعلق فرمایا ہے کہ آدمی جب تک خواہش نفس سے آزاد نہ ہوجائے مردوں کے مرتبہ میں نہیں پہنچتا۔

لہٰذا تزکیہ نفس کا عمل بندہ کو مومن حقیقی بنانے کا راستہ اور منزل فراہم کرتا ہے۔اس روحانی سفر میں کامیابی کا وعدہ اس آیت مبارکہ میں موجود ہے:

وَالَّذِیْنَ جٰهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ [3]

---

[1] (سورۃ بنی اسرآئیل، پ۱۵، آیت نمبر۶۵)، [2] (بغوی ونوویؒ)، [3] (سورۃ العنکبوت، پ۲۱، آیت نمبر۶۹)

ترجمہ: جو لوگ ہماری طلب یعنی (طلب حق) میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کے لیے ہدایت کے راستے کھول دیتے ہیں اور بیشک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔

مولانا اللہ یار خانؒ فرماتے ہیں: لااله الا اللّٰه پڑھنے سے اله ظاہری کی نفی تو ہوگئی مگر جب تک تزکیہ نفس نہ ہوگا اله باطنیہ کی نفی نہ ہوسکے گی۔ [1]

تزکیہ نفس حقیقی کامیابی ہے۔

ہر مسلمان دنیا و آخرت کی کامیابی کی طلب رکھتا ہے اور اپنی حیثیت اور فہم و فراست کے مطابق جدوجہد کرتا ہے تاکہ وہ کامیابی سے ہمکنار ہوسکے۔ جس راستہ اور طریقہ کو انسان پسند کرتا ہے اس کے مطابق عمل کرنا شروع کر دیتا ہے اور اپنے منتخب کردہ طریقہ کار کو پسند کیے ہوتا ہے۔

قرآن میں اس کی طرف اشارہ ہے: كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ۔ [2]

ترجمہ: یعنی ہر جماعت جو عمل کر رہی ہے (وہ اس پر) خوش ہے۔

مگر حقیقت میں وہ طریقہ صراط مستقیم ہے جس کی طرف کائنات کے خالق و مالک نے رہنمائی فرمائی کیونکہ اللہ تعالی جس کو ہدایت کا نور عطا فرمائیں اس کو دنیا کی کوئی طاقت گمراہ نہیں کر سکتی۔ ایک مسلمان کے لیے تو یہ اشد ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالی کے احکامات اور نبی کریم ﷺ کی سنت سے رہنمائی حاصل کرے اور اپنی ذاتی خواہش اور پسند کو چھوڑ دے۔ درحقیقت یہی بندگی اور عبدیت کا تقاضا ہے۔ اللہ تعالی رب العزت اپنی مخلوق پر بے حد درجہ مہربان اور کریم ہے یہ اللہ تعالی عزوجل کی شان کریمی ہے کہ اپنے بندوں کو کسی چیز کی اہمیت کا احساس دلانے کے لیے قسم بھی اٹھا لیتے ہیں تاکہ بندہ ہدایت کا راستہ اختیار کرے۔

---

[1] (دلائل السلوک)، [2] (سورۃ المومنون، پ ۱۸، آیت نمبر ۵۳)

چنانچہ ارشاد ربانی ہے: قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰھَا ہ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰھَا۔ [1]

ترجمہ: کامیاب ہوا وہ شخص جس نے نفس کو پاک کیا اور ہلاک ہو گیا وہ جس نے نفس کو خراب کیا۔

بعض مفسرین کرام نے اس کا ترجمہ اس طرح بھی کیا: بے شک کامیاب ہو گیا وہ شخص جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہو گیا وہ شخص جس نے نفس کو آلودہ کیا۔

مفسر قرآن علامہ اسماعیل حقیؒ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر اسطرح فرمائی ہے:

صرافا لمعنی قد افلح مَنۡ طَھَرَ نفس من المخالفات الشرعیة عقدًا و خُلقا و عملًا و قولًا۔ [2]

اس کا معنی یہ ہے کہ وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کو شریعت کی مخالفت عقائد، اخلاق، اعمال اور اقوال میں کرنے سے پاک کر لیا۔

آپ مزید فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تزکیہ نفس (نفس کی صفائی) کی ترغیب دینے کے لیے سات چیزوں کی قسم اٹھانے کے بعد فرمایا کہ وہ شخص کامیاب ہے جس نے نفس کا تزکیہ کیا اس سے تزکیہ نفس کی ضرورت اور اہمیت واضح ہوتی ہے کیونکہ جب تک نفس خواہشات سے پاک نہ ہو جائے انسان کا دل ماسوائے اللہ سے پاک نہیں ہو سکتا۔

اس آیت مبارکہ کو بیان فرمانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے چاند، سورج، رات، دن، آسمان، زمین اور تخلیق نفس کی قسمیں اٹھائیں تاکہ انسان کو کثافت و خباثت سے روکنے کی کوشش کرے۔ کامیاب نفس اور ناکام نفس کے نتائج واضح کر دیے گیے ہیں۔

---

[1] (سورۃ الشّمس، پ۳۰، آیت نمبر ۹ تا ۱۰)، [2] (تفسیر روح البیان)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى ۔[1]

ترجمہ: وہ شخص کامیاب ہوگیا جس نے تزکیہ کیا۔

حضرت شیخ یعقوب کرخیؒ نے فرمایا اس آیت میں مدارج سلوک کی طرف اشارہ ہے۔ جس میں توبہ اور تزکیہ شامل ہوتا ہے۔

ایک بات واضح ہوگئی کہ تزکیہ نفس سے فلاح و کامیابی حاصل ہو جاتی ہے اب اس نعمت عظمیٰ کو کس طرح حاصل کیا جائے کوئی شخص بذات خود تزکیہ نفس کے مراحل طے نہیں کر سکتا۔

چنانچہ فرمایا: فَلَا تُزَكُّوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ۔[2]

ترجمہ: تم خود کو پاک وصاف نہ سمجھو۔

بلکہ اللہ تعالیٰ سے تزکیہ کی نعمت کے حصول کے لیے دعا کرو کیونکہ: بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّىۡ مَنۡ يَّشَآءُ۔ [3]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس کو چاہے تزکیہ عطا فرما دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کی خصوصیات میں فرمایا کہ میرا محبوب ﷺ تزکیہ کی ذمہ داری سرانجام دیتا ہے۔ وَ يُزَكِّيۡهِمۡ [4]

ترجمہ: وہ (نبی کریم ﷺ) ان (لوگوں) کو پاک کرتے ہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کو تزکیہ کی نعمت در مصطفےٰ ﷺ سے عطا ہوگی۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں تزکیہ نفس کے لیے مشکوۃ نبوت سے نور چینی لازمی ہے کیونکہ نور نبوت کے بغیر تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ممکن نہیں ہے۔[5]

---

[1] (سورۃ الاعلیٰ، پ ۳۰، آیت نمبر ۱۴)، [2] (سورۃ النجم، پ ۲۷، آیت نمبر ۳۲)، [3] (سورۃ النساء، پ ۵، آیت ۴۹)، [4] (سورۃ البقرہ، پ ۱، آیت ۱۲۹)، [5] (تفسیر مظہری)

حضور نبی کریم ﷺ کی امت کی بہترین شخصیات اہل بیت اطہار اور صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کے انوارات و فیوضات سے تزکیہ نفس اور پاکی قلب حاصل کی۔ آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ پوشی کے بعد آپ ﷺ کا باطنی نور اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام کے وسیلے سے تابعین کے سینوں تک پہنچا پھر تابعین سے یہ باطنی انوارات و فیوضات تبع تابعین کو حاصل ہوئے۔ اسی طرح انوارات کی نعمت سینہ در سینہ آج تک محفوظ چلی آتی ہے۔ جس طرح آپ ﷺ کی شرعی امانت آج ہمارے پاس قرآن اور حدیث کی صورت میں محفوظ ہے بعینہ حضور نبی کریم ﷺ کے وجود اطہر سے منعکس ہونے والے انوارات آج بھی اولیاء امت کے سینوں میں بطور امانت موجود ہیں ان فیوضات نبویہ سے اولیاء کرام تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی ذمہ داری سرانجام دیتے ہیں۔ ان فیوضات وانوارات سے باطنی حجابات اٹھتے ہیں اس لیے کوئی شخص ذاتی اعمال سے تزکیہ نفس حاصل نہیں کرسکتا اور نہ ہی ولی اللہ بن سکتا ہے۔ لہذا جو شخص اللہ تعالیٰ کے قرب کا طالب ہو اور نبی کریم ﷺ کے روحانی انوارات کو حاصل کرنا پسند کرتا ہو اس کے لیے صرف اور صرف ایک ہی راستہ وہ کامل ولی اللہ کو تلاش کر کے اس کے دامن سے وابستہ ہو جائے اس صورت میں مسلمان تزکیہ نفس حاصل کر کے قرآن حکیم کے وعدہ کے مطابق فلاح و کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔

حقیقت ایمان کیا ہے؟

جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا۔ اسی طرح ادائے عبادت کا مقصد دولت یقین کو حاصل کرنا ہے۔ یہ دولت یقین ہی حقیقت ایمان ہے۔

آیہ کریمہ: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔[1]

---

[1] (سورۃ الحجر، پ۱۴، آیت ۹۹)

ترجمہ: رب تعالی کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کی یقین کے مقام تک پہنچ جاؤ۔

یہاں یقین سے مراد حقیقت ایمان ہے یعنی صورت ایمان کو حقیقت ایمان تک پہنچانا ضروری ہوا۔ اللہ تعالی رب العزت کا ارشاد ہے: یٰاَ یُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡ اٰمِنُوۡ ۔ ۱؎

ترجمہ: اے ایمان والو! ایمان لاؤ۔

ای الذین امنوا صورة امنوا حقیقته باداء وظائف العبادات المامورة

یعنی اے صورت ایمان لانے والو عبادات ماموره کی ذمہ داریاں ادا کر کے حقیقت ایمان حاصل کرو۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ فنا و بقا سے مقصود حقیقت ایمان ہے۔فنا و بقا کے وہ معنیٰ جس سے اللہ تعالی کے مخلوق میں حلول کرنے کا وہم پیدا ہوتا ہو وہ بالکل الحاد اور کفر ہے۔

حضرت ابراھیم بن شیبانؒ فرماتے ہیں: فنا و بقا کا علم اخلاص وحدانیت اور صحت عبودیت کے گرد گھومتا ہے۔اس کے سوا سب مغالطے اور بے دینی کی باتیں ہیں۔

امراض باطنیہ کی موجودگی میں جو ایمان ہے وہ صرف ظاہری ایمان ہے کیونکہ نفس امارہ کا ذوق ایمان کے خلاف ہے۔نفس امارہ حقیقت کفر پر مصر رہتا ہے۔نفس جب تزکیہ کے بعد مطمئنہ ہو جاتا ہے اس وقت حقیقت ایمان اپنی صورت دکھلاتی ہے اس وقت ایمان کی کیفیت وجدانی ہو جاتی ہے۔اس درجہ کا ایمان زوال اور نقصان کے خطرات سے محفوظ ہوتا ہے۔قرآن حکیم میں حقیقت ایمان رکھنے والوں کے لیے خوشخبری ہے: اَلَآ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡھِمۡ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۔ ۲؎

۱؎ (سورۃ النساء، پ۵، آیت نمبر ۱۳۶)، ۲؎ (سورۃ یونس، پ۱۱، آیت نمبر ۶۲)

خبردار جو اللہ کے ولی ہیں انہیں کسی طرح کا خوف و غم نہیں لہذا حقیقت ایمان سے مشرف ہونے کے لیے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے مراحل طے کرنا ضروری ہیں یہ دولت روحانی سلوک قطع کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

نفس ایک مستقل خطرہ ہے۔

حدیث قدسی میں ارشاد ہے: وَلَا تَغْفَلُ عَنْ نَفْسِكَ۔

ترجمہ: اور تو اپنے نفس سے غافل نہ ہو۔

انسان سے عموماً جو گناہ سرزد ہوتے ہیں اس میں شیطان کو ہی سبب قرار دیا جاتا ہے۔ انسان اپنے نفس کی دخل اندازی کو بھول جاتا ہے۔ جو کہ حقیقت میں شیطان کے لیے راہ ہموار کرتا ہے۔ حدیث مبارکہ میں آتا ہے: رمضان المبارک میں سرکش شیاطین قید کر دیے جاتے ہیں۔

اس حدیث کی وضاحت میں حضرت شیخ الحدیث محمد زکریاؒ فرماتے ہیں کہ دوسری روایات میں سرکش کی قید بغیر مطلقاً شیاطین کے مقید (قید) ہونے کا ارشاد بھی موجود ہے۔ رمضان المبارک میں شیاطین تو قید کر دیے جاتے ہیں مگر پھر بھی انسانوں سے کبیرہ و صغیرہ گناہ سرزد ہوتے ہیں اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شیاطین کے قید ہونے سے گناہوں کے دروازے بند نہیں ہوئے۔ اب یہ گناہ صرف نفس کے زیر اثر ہوتے ہیں لہذا نفس ایک مستقل خطرہ ہے اس لیے ہمیشہ کے لیے گناہوں سے بچت کا راستہ یہی ہے کہ انسان نفس کی شر کا احساس کرتے ہوئے نفس کو اپنا اولین دشمن سمجھے۔

حضرت میاں گل محمد صاحب عرف میاں کنگال فرماتے ہیں: دنیا میں نفس کے علاوہ ہمارا کوئی دشمن نہیں ہے۔

حضرت علامہ مولائے روم فرماتے ہیں [۱]:

گر ترا قندے دہد آن زہرداں　　　گر ترا لطفے کند آن قہرداں

دشمن نفس اگر تجھے گناہوں کی شکر پیش کرے تو اس کو زہر سمجھ اور اگر تجھ پر مہربانی ظاہر کرے تو اس کو قہر سمجھ

ہیں مرواندر پئے نفس چو زاغ　　　کو بگورستان بردنے سوئے باغ

خبردار یہ نفس جو کوے کی طرح غلاظت خور ہے یعنی گناہوں کو محبوب رکھتا ہے۔اس کے پیچھے مت چل کیونکہ کوا تو قبرستان مردہ خوری کے لیے جائے گا۔باغ کی طرف جانا اس کی فطرت میں نہیں ہے۔

حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ نفس اللہ تعالی کا دشمن اور مغضوب و مقہور ہے اس لیے تم نفس کی مخالفت میں حق تعالی کی موافقت کرو۔ [۲]

حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے :اِذَا اَرَادَ اللّٰہ بعبد خیرا بصرہ بعیوب نفسہ [۳]

ترجمہ: جس کو اللہ تعالی خیر و برکت عطا فرماتا ہے تو اس کو اپنے نفس کے عیوب سے مطلع فرماتا ہے۔

اس لیے انسان کو نفس کی شر کا ہر لمحے احساس کرنا چاہیے اور اپنے ایمان و اسلام کی حفاظت کا بندوبست کرنا چاہیے۔

۱(مثنوی مولانا روم)، ۲(فتوح الغیب)، ۳(کشف المحجوب)

پہچان نفس معرفت ربانی ہے

مَنْ عَرَفَ نَفْسَه' فَقَدْ عَرَفَ رَبَّه'

ترجمہ: جس نے نفس کو پہچان لیا اس نے رب کو پہچان لیا۔

اس حقیقت کو سمجھنے کیلئے ایک مثال پیش خدمت ہے۔ اگر کسی شخص کے وجود میں کینسر کی موجودگی ظاہر ہو جائے وہ اس کی تشخیص اور پہچان کے بعد وہ علاج کروانے میں ایک لمحہ کی دیر گوارا نہیں کرے گا۔ کیونکہ کینسر کے نقصانات فوری علاج کا تقاضا کرتے ہیں۔ وہ بیمار شخص کینسر کے مکمل خاتمہ تک مسلسل علاج کرواتا رہے گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو نفس کے نقصانات اور عیوب سے واقفیت ہو گئی اور وہ شخص جان گیا کہ ہر شے اور گناہ کا مبدء اور سرچشمہ اس کا نفس امارہ ہے تو وہ اس نفس کی بیماریوں کے علاج کے لیے کسی ولی اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور نفس کو مطمئنہ بنانے میں کامیاب ہو گیا تو فنائے نفس کے بعد اس کو احکامات شرعیہ میں حسن اور محبوبیت کی لذت محسوس ہونے لگے گی۔ تزکیہ نفس کے بعد انسان پر یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ ممکنات بالذات تو صرف شر و فساد کا مرکز ہیں اور ہر خوبی اور کمال جو ان میں پوشیدہ وہ اللہ تعالیٰ (واجب الوجود ذات) کی طرف سے عاریتی اور عطائی طور میں حاصل کیا ہوا ہے۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ۔[1]

ترجمہ: جو تجھے بھلائی پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو تجھے برائی پہنچے وہ تیرے نفس سے ہے۔

---

[1] (سورۃ النساء، پ ۵، آیت نمبر ۷۹)

جب یہ کیفیت انسان کو حاصل ہو جاتی ہے وہ کوئی کمال اپنے آپ مشاہدہ نہیں کرتا۔ نفس کی غلیظ اور قبیح شکل سانپ، کتے، بھیڑیا اور سؤر وغیرہ کی صورت میں ہر انسان کے حال کے مطابق ظاہر ہوتی ہے مگر اصلاح نفس کے بعد اس کی نوعیت اور صلاحیت بدل جاتی ہے اور نفس مطمئنہ کو یہ شان اور مرتبہ حاصل ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت اس کو مخاطب ہو کر اپنی رضا اور جنت میں داخل ہونے کا حکم فرماتے ہیں۔ پس نفس کی برائی کو پہچاننا اس کی اصلاح کا سبب بنا اور اصلاح نے نفس امارہ کو نفس مطمئنہ بنا دیا پس نفس مطمئنہ کو اللہ تعالی رب العزت کی معرفت حاصل ہو گی۔

نفس امارہ کو نفس مطمئنہ بنانے میں اولیاء کرام کے کردار کی وضاحت حضرت شیخ الاسلام ہروی فرماتے ہیں: یا الٰہی! تو نے اپنے دوستوں کو کیا کر دیا کہ جس نے انہیں شناخت کر لیا اس نے تجھے پا لیا۔[1]

جب تک انسان کے نفس کے رزائل غالب ہوتے ہیں اس وقت انسان ایمان کی چاشنی و حلاوت سے محروم ہی رہتا ہے کیونکہ نفس کی خواہشات اللہ تعالی کے دروازہ قرب پر قفل (تالا) کی حیثیت رکھتی ہیں اس لیے نفس کی فنا قرب الٰہی کا دروازہ کھولنے کے لیے شرط ہے۔ ملائکہ میں روح اور عقل ہوتی ہے جبکہ حیوانات میں نفس اور خواہشات۔ آدمی سب کا مجموعہ ہے اگر آدمی کی نفسانیت اور خواہشات کا روحانیت اور عقل پر غلبہ ہو جائے تو آدمی چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ اور بدتر ہو جاتا ہے۔ اور اگر روحانیت کا نفس اور خواہشات پر غلبہ ہو جائے تو اس وقت انسان ملائکہ سے افضل ہو جاتا ہے۔

---

[1] (کتاب اللمع فی التصوف)

جہادِ اکبر شیخ کامل کرواتا ہے
(جہادِ اکبر شیخ کامل کے بغیر ممکن نہیں)

حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: نفس اور نفسانی ہوس سے جہاد کرنا ہی جہادِ اکبر ہے۔[1]

حضور نبی کریم ﷺ جب تبوک سے واپس آئے تو فرمایا: ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹ آئے۔ [2]

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نفس کے ساتھ جہاد کرنا بڑا جہاد ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ جب کافروں سے جنگ کرنے کے بعد صحابہ کرام آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور برکاتِ صحبت سے فیضیاب ہوئے اور انوارِ رسالت کی کرنوں کا پرتو ان کے دلوں پر پڑا تو ان کے دل پاک صاف ہو گئے اور نفس کی نفسانیت فنا ہو گی تو صحابہ کرام نے بھی حضور ﷺ کے ارشاد کے جواب میں عرض کیا ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹ آئے۔ کافروں کے ساتھ جنگ کے وقت اگرچہ صحابہ کرام آپ ﷺ کے ساتھ ہی تھے مگر کفار کی مدافعت پیشِ نظر ہونے کی وجہ سے کامل توجہ لڑنے کی طرف تھی۔ لیکن جب مدینہ منورہ پہنچ کر امن کے ساتھ صحبت رسول کریم ﷺ میں کامل ترین توجہ کے ساتھ حاضر ہوئے تو انوارات رسالت جذب کرنے کا زیادہ موقع پایا کیونکہ آپ ﷺ کے جسدِ اطہر سے فیوضات و انوارات کی شعاعوں کو حاصل کرنا ہی تزکیہ نفس تھا جس سے صحابہ کرام کے مبارک نفوس کو فنا و بقا کی دولت نصیب ہوئی اسی لیے صحابہ کرام کے نفوس کو مطمئنہ، راضیہ اور مرضیہ کے القاب سے نوازا گیا۔ حضرات اولیاء کرام انوارات نبوت کو اپنے سینوں میں بطور امانت اٹھائے

---

[1] (کتاب اللمع فی التصوف) [2] (تفسیر مظہری)

ہوئے ہوتے ہیں اس لیے وہ تزکیہ نفس کی ذمہ داری سرانجام دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کی صحبت سے جہاد اکبر اپنی تکمیل کو پہنچتا ہے۔

جیسا کہ مفسر قرآن حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں: نفس کے ساتھ جہاد کرنا جہاد اکبر ہے اور یہ شیخ کامل کی صحبت سے مرید کو حاصل ہوتا ہے۔[1]

حضرت داتا علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ انسان ناخن سے کسی پہاڑ کو کھودنا شروع کرے تو ممکن ہے وہ پہاڑ کسی وقت ختم ہو جائے مگر انسان کے لیے شیخ کامل کے بغیر نفس کو فنا کرنا ناممکن ہے۔[2]

مجاہدہ نفس کیلئے سفر ضروری ہے

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: جو شخص گھر سے طلب علم کے لیے باہر نکلتا ہے جب تک لوٹ کر گھر واپس نہیں آتا وہ اللہ کے راستے پر گامزن رہتا ہے۔

اسی طرح السائحون کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد علم کے طلب گار ہیں۔

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالی نے مجھ پر وحی نازل فرمائی کہ جو شخص حصول علم کے سفر اختیار کرے گا تو میں اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دوں گا۔

اسی لیے اولیاء کی خدمت میں سفر طے کر کے جانا کہ ان سے فیوضات ولایت حاصل ہوں اور صورت ایمان حقیقت ایمان میں بدل جائے بڑا اہم مقصد ہے۔ اس سفر کے مجاہدہ نفس کے لیے بڑے بہترین اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ عام تجربہ کی بات ہے کہ دور دراز سے سفر کر کے آنے والے مریدین کے اندر محبت کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے وہ زیادہ فیوضات و انوارات کو جذب کرتے ہیں قریب رہنے والوں کی نسبت۔ اسی وجہ سے مثل مشہور ہے کہ گھر کے پیر کی اہمیت نہیں ہوتی۔

---

[1] (تفسیر مظہری) [2] (کشف المحجوب)

مبتدی مریدین کے نفس پر سفر کے بہت مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں کیونکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے سفر اختیار کرتا ہے تاکہ وہ قرب الٰہی کی منازل طے کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کے کسی محبوب بندے کی زیارت کے لیے سفر بے شمار روحانی فوائد کا سبب بنتا ہے۔

حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے بندے ہیں کہ اگر وہ کسی شخص کی طرف نظر بھر کر دیکھ لیں تو وہ سعادت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔[1]

سفر سے نفس کی رعونت اور خود پسندی دور ہوتی ہے اس سفر کو سفر بھی کہتے ہیں کہ اس سے اخلاق نمایاں ہوتے ہیں یعنی نفس کی برائیاں سفر میں ظاہر ہوتی ہیں جب کوئی شخص کسی مرض یا برائی کو جان لے گا تو وہ اسے دور کرنے کی طرف متوجہ ہوگا۔

بنی اسرائیل کا وہ گناہ گار شخص جس نے ایک صد (۱۰۰) قتل کیے تھے ایک ولی اللہ کی طرف سفر کر رہا تھا کہ اس کی توبہ اور بخشش کی کوئی صورت نکل آئے راستے میں اس کو موت آ گئی۔ جنت والے فرشتے اسے جنت لے جانے کے لیے آ گئے اور دوزخ والے فرشتے اسے دوزخ لے جانے کے لیے آ گئے۔ آخر کار حکم ربانی ہوا کہ اس گناہگار شخص کی وفات کی جگہ سے ولی اللہ تک راستہ کو ناپا جائے اور اس شخص کے گھر سے جائے وفات تک راستہ کو بھی ناپا جائے۔ چنانچہ جب دونوں اطراف کو ملائکہ نے ناپ لیا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ولی اللہ کی گھر کی طرف والا راستہ قریب نکلا۔ وہ گناگار شخص زمین پر گرنے کے بعد خود کو ولی اللہ کی طرف گھسیٹتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی بخشش فرمادی حالانکہ وہ نہ ولی اللہ کے پاس پہنچا اور نہ ہی اس نے ولی اللہ سے فیض حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بخشش فرما کر اولیاء کرام کی صحبت اور برکات کو ظاہر فرمایا۔

---

[1] (عواف المعارف)

اقسام نفس

نفس ایک بخار لطیف کا نام ہے جو عناصر سے پیدا ہوتا ہے اور جسم کی ہیت کو اختیار کر لیتا ہے۔ یہ جسم کثیف میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ نفس روح علوی کی سواری کی حیثیت رکھتا ہے۔ انسان کا روحانی سفر نفس کے گھوڑے پر سوار ہونے سے ہی طے ہوتا ہے جبکہ فرشتے نفس کی عدم موجودگی کی وجہ سے ایک مقررہ مقام پر ہی فائز رہتے ہیں۔

جب انسان نفس کی صفائی اور اصلاح کا عمل شروع کرتا ہے تو اس وقت اس کی صفات اور احوال میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ نفس جو مقامات و مراتب حاصل کرتا ہے اس کے مطابق نفس کی اقسام بیان کی جاتی ہیں۔ نفس کی اقسام اسکی صفات اور مراتب کی بنیاد پر ہیں۔

نفس کی اقسام اور ان کی وضاحت درج ذیل ہے۔

ا۔ نفس امارہ۔

نفس امارہ وہ نفس ہوتا ہے جس میں گناہوں اور دنیاوی رغبتوں کی طرف مائل کرنے والی خواہشات بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ نفس امارہ کو قرآن حکیم میں اسطرح بیان فرمایا:

اِنَّ النَّفُسَ لَاَ مَّارَۃٌ بِاالسُّوْٓءِ [1]

ترجمہ: بے شک نفس امارہ برائی کا بڑی شدت سے حکم کرنے والا ہے۔

نفس امارہ کی صفات:

نفس امارہ کے رزائل اور خواہشات میں تکبر، حسد، بغض، جھوٹ، کینہ، شہوت پرستی، عیب

---

[1] (سورۃ یوسف، پ۱۳، آیت ۵۳)

جوئی، بخل، کنجوسی، حرص، طمع، لالچ، بے وقوفی، جہالت وغفلت، سستی وکاہلی، غصہ، غیض وغضب، غیبت، چغلخوری، منافقت، بدعہدی، بزدلی، بے اطمینانی، بے استقامتی، حب جاہ ومال وغیرہ وغیرہ

نفس امارہ کی مثالی صورتیں:

طالبین راہ حق کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالی بذریعہ خواب نفس مختلف حالتوں میں ظاہر فرماتے ہیں جس سے وہ اپنے نفس کی حیثیت کا اندازہ کرسکتا ہے۔اولیاء کرام روحانی مشاہدہ سے بھی مریدین کے نفسوں کے احوال کو دیکھ لیتے ہیں۔مثلاً سانپ کا دیکھنا منافقت کی نشانی ہے۔کتا دیکھنا غصہ اور غیض وغضب کی دلیل ہے۔خنزیر کا دیکھنا کسی حرام صفت کو ظاہر کرتا ہے جو دیکھنے والے کے اندر موجود ہے۔گدھے کا دیکھنا بے وقوفی کی علامت ہے۔ہاتھی کا دیکھنا غرور وتکبر کو ظاہر کرتا ہے۔بچھو عذاب کی علامت ہے۔چڑیا جوں اور پسو وغیرہ مکروہات اشیاء کے عکاس ہوتے ہیں۔بیت الخلاء (ٹائلٹ) دنیا کی محبت میں غرق ہونے کی عکاسی کرتی ہے۔شراب پینا حرام کاری کو ظاہر کرتا ہے۔مریدین کے لیے لازمی ہے اپنے خواب کو شیخ کی خدمت میں پیش کر کے تعبیر طلب کرے۔

مقام نفس:

بعض نے نفس کے مقام کو زیرناف بیان کیا بعض نے اس کا محل سینہ لکھا اور بعض نے پیشانی کو اس کا مقام قرار دیا ہے۔حقیقت حال اس طرح ہے کہ نفس صفت امارہ کے وقت سینہ پر نہیں ہوتا۔نفس کا مقام تو زیرناف ہے۔مگر نفس کا مظہر (ظاہر ہونا) پیشانی ہے۔لطیفہ نفس بھی انسان کی پیشانی میں ہے۔لطیفہ نفس پر فیوضات وانوارات کا عملی نزول ہوتا ہے جس سے نفس کے تزکیہ کا عمل شروع ہوتا ہے۔اس اختلاف کی وضاحت اس طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ اگر ایک سانپ زیرناف کے مقام سے لیکر پیشانی تک پھیلا ہوا ہو اس کی دم زیرناف ہو اور سر پیشانی کے مقام سے نکال رہا ہو

اس سانپ کی موت اس کے سر پر ضرب لگانے سے ہوگی جو کہ پیشانی کا مقام ہے اور یہی لطیفہ نفس ہے۔ بعض صوفیاء نے نفس امارہ کے نور کو نیلا بیان کیا ہے۔ حضرات مشائخ نقشبندیہ نے نفس کا مقام پیشانی پر بیان فرمایا ہے۔ نفس امارہ والے شخص کا قلب بہیمی (حیوانی) صفات رکھتا ہے۔ اس میں حیوانی قوتوں کا غلبہ ہوتا ہے۔

۲۔ نفس لوامہ:

جب نفس روحانی اصلاح کے عمل سے گزرتا ہے تو اس کے نفس کی دوسری حالت ہوتی ہے۔ جب انسان کسی گناہ یا زیادتی کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا نفس اسے ملامت کرتا ہے ملامت کرنے والا نفس ہونے کی وجہ سے یہ انسان کو توبہ اور استغفار کی طرف رغبت دلاتا ہے اس ندامت اور استغفار سے دل نرم ہوتا ہے۔ شیخ کی صحبت سے داخل ہونے والا نور انسان سے تقویٰ کا تقاضا کرتا ہے۔ نفس لوامہ کے مقام پر نیکی اور بدی کی تمیز بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ انسان اس مقام پر گناہوں سے بچنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے اور اچھائی کے کاموں کی طرف پیشرفت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلَا اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ [۱]

ترجمہ: اور میں نفس لوامہ کی قسم کھاتا ہوں۔

قرآن حکیم میں نفس لوامہ کا ذکر آتا ہے وہ کس طرح خوف خدا کی وجہ سے گناہ سرزد ہونے سے خود کو بچاتا ہے: وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى ہ فَاِنَّ الۡجَنَّةَ هِىَ الۡمَاۡوٰى ہ [۲]

---

[۱] (سورۃ القیامۃ، پ۲۹، آیت نمبر۲)، [۲] (سورۃ النازعات، پ۳۰، آیت نمبر۴۰)

ترجمہ: اور جو شخص اپنے رب کے حضور (حساب دینے کیلئے) کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور نفس کو بری خواہش سے روک لیا پس بے شک اس کا مسکن جنت ہے۔

قرآن حکیم میں دوسرے مقام پر خوف خدا سے گناہ چھوڑنے والوں سے دو جنتوں کا وعدہ فرمایا گیا۔

نفس لوامہ کی صفات:

نفس لوامہ ہونے کی صورت میں لغویات اور ناپسندیدہ افعال سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ مخلوق خدا کے لیے بھلائی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے جس کے تحت انسان لوگوں کو نفع پہنچانے کی کوشش کرتا ہے یعنی مخلوق خدا کو کسی قسم کا نقصان پہنچانے کی ہمت نہیں کرتا۔ رزق حلال کی طلب پیدا ہو جاتی ہے مگر اس کے باوجود نفس لوامہ میں کچھ ناپسندیدہ صفات باقی ہوتی ہیں مثلاً خود بینی اور خود پسندی، تکبر، اعتراض، قہر و جبر اور خواہشات نفسانیہ، ان باقی ماندہ صفات رزیلہ کے خاتمے کے لیے تزکیہ کی ضرورت باقی رہتی ہے اگرچہ ایسا شخص دوزخ سے ڈرتا اور جنت کی تمنا کرتا ہے۔

نفس لوامہ کی مثالی صورتیں:

خواب میں پکی ہوئی روٹی دیکھنا خواہش نفس کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح مچھلی اور مرغی وغیرہ حلال رزق کی علامت ہے۔ حلال جانور مثلاً بھیڑ، بکری وغیرہ حلال کی ترغیب کے ظاہر کرتا ہے گائے دیکھنا دوسروں کو نفع پہنچانے کی علامت ہے۔ اونٹ دیکھنا حالت ایمان کی دلیل ہے کیونکہ اونٹ تکلیف اٹھاتا ہے اور بوجھ برداشت کرتا ہے۔ کھجور اور شہد پسندیدہ اخلاق کو ظاہر کرتے ہیں۔ پھل اور میوہ جات لغویات سے نجات کی علامت ہیں۔ مکانات اور عمارات لوامہ والے شخص کا دل قلب انسانی کہلاتا ہے۔ کیونکہ اس میں حیوانی اور پاکیزہ صفات دونوں پائی جاتی ہیں۔ وہ دونوں میں

اعتدال کے لیے کوشاں ہوتا ہے نفس لوامہ اپنا مقام تبدیل نہیں کرتا صرف اس کی صفات تبدیلی میں پیدا ہوتی ہے۔

۳۔ نفس ملھمہ:

یہ نفس کا تیسرا مقام ہے۔ نفس اس مقام پر دل میں نیکی اور اطاعت کے خیالات پیدا کرتا ہے۔ نفس اچھائی کی الہام کرتا ہے اس لیے اسے ملھمہ کہتے ہیں اور اس طرح انسان برائی سے نفرت کرتا ہے۔ نیک اعمال سکون کا باعث بنتے ہیں اور اگر کوئی نیک عمل رہ جائے تو انسان افسوس اور پریشانی محسوس کرتا ہے۔

قرآن حکیم میں نفس ملھمہ کی طرف اشارہ ہے: فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا۔ [۱]

ترجمہ: پس (اللہ تعالی نے) فجور اور تقوی کا الہام فرمایا۔

حضرت ابن عباسؓ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے ہر شخص کے سامنے خیر اور شر کا راستہ کھول دیا ہے تا کہ اطاعت کو اختیار کرے اور معصیت سے پرہیز کرے۔ [۲]

نفس ملھمہ کی صفات:

نفس ملھمہ میں صفات حسنہ نمایاں ہو جاتی ہیں ان صفات میں خلوص، قناعت، سخاوت، حلم، تواضع وانکساری، توبہ وانابت، صبر، تحمل و برداشت وغیرہ شامل ہیں۔

نفس ملھمہ کی مثالی صورتیں:

خواب میں کسی مشرک، کافر ملحد اور فاسق و فاجر آدمی کو دیکھنا دین وایمان میں نقصان کو ظاہر

---

[۱] (سورۃ الشّمس، پ۳۰، آیت ۸) [۲] (تفسیر مظہری)

کرتا ہے۔ کسی بدعقیدہ کو دیکھنا عقیدہ میں خرابی کی علامت ہے۔ کسی داڑھی منڈا شخص کو دیکھنا شریعت پر عمل نہ کرنے کو ظاہر کرتا ہے۔ کسی کو لنگڑہ دیکھنے کا مطلب ہے کہ دوسروں کو اچھائی کا حکم کرتا ہے مگر خود اچھائی نہیں کرتا۔ کسے اندھے کو دیکھنا حق کو چھپانا ظاہر کرتا ہے۔ بہرے کو دیکھنا احکام شرعیہ کو اہمیت نہ دینے کی علامت ہے۔ گونگے کو دیکھنا سچائی چھپانے کی علامت ہے۔ غلام کو دیکھنا لوگوں کی اچھائیوں کو چھپانا ظاہر کرتا ہے۔ جاسوس کا دیکھنا تزکیہ سنت کو ظاہر کرتا ہے۔ مست وپرجوش کا دیکھنا عشق مجازی کو ظاہر کرتا ہے۔ چور کا دیکھنا اعمال میں ریاکاری کی علامت ہے۔ قصاب کا دیکھنا دل کی سختی اور سیاہی کی علامت ہے۔ جوا باز اور پہلوان کو دیکھنا حرام کاری اور ترک عبادات کی علامت ہے۔ جب مرید عالم واقعہ میں دیکھے کہ درندوں، سانپ، کتوں، بچھوؤں، کافروں اور ملحدوں، فاسقوں اور نافرمانوں سے مقابلہ کررہا تو اس وقت مرید نفس کے مجاہدہ میں ہوتا ہے مگر جب جیسی کسی صورت پر بالکل خواب میں خود کو غالب اور فاتح پاتا ہے۔ تو یہ مرید کے نفس کی فناء کی نشانی ہوتی ہے۔

۴۔ نفس مطمئنہ:

نفس مطمئنہ بری خصلتوں سے بالکل پاک اور صاف ہوجاتا ہے۔ اور پاکیزہ صفات کا جامع ہوجاتا ہے۔ بارگاہ الٰہی کے قرب کی بدولت طمانیت وسکون حاصل کرلیتا ہے۔ احکام شرعیہ کو برضا ورغبت پسند کرتا ہے۔ احکام شرعیہ کی بجا آوری کی حلاوت اور راحت محسوس کرتا ہے۔

نفس مطمئنہ کو یہ اعزاز حاصل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو خطاب کا شرف بخشتے ہیں:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ه ارْجِعِىٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ [۱]

---

[۱] (سورۃ الفجر، پ۳۰، آیت نمبر ۲۷ تا ۲۸)

ترجمہ: اے نفس مطمئنہ تو اپنے رب کی طرف لوٹ آ، اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہو، وہ تجھ سے راضی ہو۔

نفس مطمئنہ اپنے مقام پیشانی سے نزول کر کے سینہ میں عالم امر کے لطائف کے ساتھ مطابقت قائم کر لیتا ہے۔ لطیفہ اخفیٰ کے ساتھ ملحق ہو کر قرب الٰہی کے مراحل میں ترقی کرتا ہے۔

نفس مطمئنہ کی صفات:

اس کی صفات میں عفو و درگزر، توکل، شکر، رضا، تدبر و فکر، عشق الٰہی، تقویٰ و زہد، اتباع سنت اور نسبت عبدیت شامل ہے۔

نفس مطمئنہ کی مثالی صورتیں:

نفس مطمئنہ تامہ کے بعد ہوتا ہے۔ نفس کے مطمئنہ ہونے کی صورت میں حالت خواب میں بھیڑیا، کتا، سانپ وغیرہ کو بالکل مار کر ختم کر دینے سے ظاہر ہوتی ہے۔ شیخ مرید کی فنائے نفس کی حالت کو مرید کی موت کی صورت میں مشاہدہ کرتا ہے۔ اس مقام کے احوال میں انبیاء کرام کی زیارت سے ایمان و عمل کی دلیل ملتی ہے۔ اولیاء کرام کی زیارت سے استقامت اور باطنی توجہ کا اظہار ہوتا ہے۔ خواب میں فرشتوں اور حوروں کو دیکھنا جنت کو دیکھنا نفس مطمئنہ کی دلیل ہے اسی طرح چاند و سورج کو دیکھنا معرفت الٰہی کی خوشخبری ہوتا ہے۔ آسمانوں کی طرف دیکھنا انسان کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی نشانی ہے کسی ستارے کو نور دیکھنا اسکے اپنے نفس کے نور کی عکاسی کرتا ہے۔
نفس مطمئنہ کے مزید اعلیٰ صفات اور احوال ہوتے ہیں۔ نفس مطمئنہ کے مزید اعلیٰ مراتب نفس راضیہ، نفس مرضیہ اور نفس کاملہ (صافیہ) ہیں۔ بعض مشائخ نے نفس راضیہ، مرضیہ اور کاملہ کو نفس مطمئنہ کے بعد نفوس قدسیہ کے طور پر تحریر کیا ہے۔ اور نفس کی سات اقسام بیان کی ہیں۔

نفس مطمئنہ کے احوال:

جب نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے تو وہ محبوب حقیقی کے قرب وحال کی بے کیف لذتوں کو پاتا ہے۔ حضور الوہیت میں حاضری کی کیفیت محسوس کرتا ہے۔ جوں ہی ولی کے درجات میں پیش رفت ہوتی ہے تو وہ حضوری کی وہ کیفیات جو وقتی اور غیر مستقل تھیں وہ دوائم حضوری میں بدل جاتی ہیں قرب کی لذتوں کا یہ سرور مومن کو دو عالم سے دور کر دیتا ہے۔

عجب چیز ہے لذت آشنائی　　　دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو

سرور و آشنائی کی ان کیفیات کو الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ یہ چیز لطف اور محسوسات سے تعلق رکھتی ہے۔ ان حلاوتوں اور لذتوں کو وہی محسوس کرتے ہیں جو اپنی جبین نیاز کو بارگاہ محبوب میں جھکا کر زار و قطار آنسو بہاتے ہیں اور نرم بستروں کو چھوڑ دیتے ہیں۔

فیضان ولایت کے امام حضرت علیؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ نہ صرف سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کی امت میں دائمی طور پر ولایت کی امامت فرما رہے ہیں بلکہ وجود عنصری میں تشریف لانے سے پہلے سابقین انبیاء کی امتوں میں منصب امامت پر فائز رہے۔ آپ کی اس عظمت کو حضرت مجدد الف ثانیؒ نے سب سے پہلے بیان فرمایا۔

سیدنا حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ سجدہ سے سر نہیں اٹھاتا جب تک مشاہدہ کی صورت میں دیدار الٰہی کی سعادت حاصل نہ کرلوں۔ یہی وجہ تھی آپؓ نے فرمایا حالت نماز میں خنجر کو میرے جسم سے نکال لینا چنانچہ خنجر نکال لیا گیا اور آپؓ کو درد کی شدت کا احساس نہ ہوا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ مسجد میں نماز پڑھنے کھڑے ہوتے ہیں تو صبح ہو جاتی ہے مگر آپ کی نماز ختم نہیں ہوتی اور نہ وقت گزرنے کا احساس ہوتا ہے۔

خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات　　　ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

بندہ مومن قرب کی اس حالت میں پہنچ جاتا ہے کہ خالق ومخلوق کا فرق تو باقی رہتا ہے۔لیکن بندہ مومن اپنی ذات اور ارادوں کو رب کریم کی ذات اور ارادوں میں اس طرح فنا کر دیتا ہے کہ اس کی انانیت ختم ہو جاتی ہے اللہ تعالی کے قرب کے مراحل لا متناہی اور بے حد ہیں۔اس محبوب حقیقی کے جلوؤں اور مشاہدوں کی سیر کبھی ختم نہیں ہوتی اس لیے عرفاء وکاملین کی حالت اس طرح ہوتی ہے۔ حسنات الابرار سیات المقربین، نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کو اپنے لیے گناہ نظر آتی ہیں۔قرب کی وہ کیفیت جس میں اللہ تعالی رب العزت بندہ مومن کو اپنا محبوب بنا لیتے ہیں حدیث قدسی میں اسطرح بیان ہوئی ہے:

لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتیٰ احببته فکنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به کنت یده التی یبطش بها و رجله التی تمشی بها و ان سالنی لاعطینه و لئن استعاذنی لا عیذنه۔ [1]

ترجمہ: میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں پس میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اسکے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں ہر صورت اس کو عطا کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ طلب کرے تو میں اسے ہر صورت پناہ دیتا ہوں۔

نفس کا اپنی چاہتوں سے بالکلیہ خالی ہونا فناء مطلق سے وابسطہ ہونا ہے اور یہ فنا مطلق کی نعمت تجلی ذاتی سے وابستہ ہے۔اس حال میں محبوب حقیقی کی طرف سے آنے والے انعامات اور

---

[1] (صحیح بخاری)

مصائب برابر حیثیت رکھتے ہیں۔ اس وقت بندہ مومن کی عبادت طمع وخوف کی بجائے اللہ کی رضا کے لیے ہوتی ہے۔ جنت کی طلب صرف مقام رضا ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے اور دوزخ سے نفرت صرف مقام ناراضگی ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ان احوال کے مالک مقربین لوگ ہوتے ہیں:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ہ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ۔[1]

ترجمہ: وہ (اسلام اطاعت اور قرب خداوندی) کی طرف سبقت کرنے والے لوگ یہی لوگ مقربون ہیں۔

اللہ تعالی سبحانہ کی عنایت سے نفس مطمئنہ میں بال برابر بھی مخالفت اور سرکشی نہیں پائی جاتی جب نفس نے اپنے آپ کو اپنے مولی سبحانہ پر قربان کر دیا تو پھر مخالفت کی کیا گنجائش رہتی ہے۔ جب کہ نفس اپنے رب سے راضی ہو چکا ہے اور اللہ تعالی رب العزت اس سے راضی ہو چکے ہیں جب نفس مقام اطمینان میں آ گیا تو اسلام حقیقی کی دولت مل گئی اور حقیقت ایمان سے انسان مشرف ہو گیا اب اس کا ہر عمل نور اخلاص سے مزین ہو گیا۔ ایسا ہر عمل حقیقت شریعت بن جاتا ہے۔ اب نماز ہوگی تو وہ بھی حقیقت نماز ہوگی اگر روزہ ہے تو وہ بھی حقیقت روزہ ہے۔ اگر حج ہوگا تو وہ بھی حقیقت حج ہوگا اسی قیاس پر تمام احکام شرعیہ حقیقت کے نور میں رنگین ہو کر مقبولیت کے درجے کو پا لیتے ہیں۔ پس طریقت وحقیقت نام ہے شریعت کی صورت کو حقیقت کے نور سے منور کرنے کا۔ اب انسان ولایت خاصہ سے شرف ہونے سے اسلام مجازی سے اسلام حقیقی تک پہنچ جاتا ہے۔

---

[1] (سورۃ الواقعہ، پ ۲۷، آیت نمبر ۱۰)

نفس برا دوست ہے

نفس انسان کا بدترین دوست اور بدخو ہمنشین ہے۔مگر افسوس کہ انسان اس گھریلو دشمن کے ضرر اور نقصان سے غافل ہے۔انسان کو نصیحت اس وقت فائدہ دیتی ہے جب قبول کرنے والے کانوں سے سنے۔نفس کا فطرتی مزاج سمجھنے کی ضرورت ہے۔قابل غور بات یہ ہے کہ انسان کا نفس امارہ سرداری اور تکبر پر پیدا کیا گیا ہے۔اسی لیے نفس کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ اپنے ہم عصر لوگوں پر بلندی اور فوقیت حاصل کرے۔نفس یہ چاہتا ہے کہ ساری مخلوق اس کی محتاج ہو اور اس کے احکام کی اطاعت کرے اور وہ خود کسی کا محتاج نہ ہو اور نہ ہی اس پر کوئی حکم چلائے۔دراصل نفس کی طرف سے یہ دعوٰی خدائی ہے۔اور اس وحدہٗ لاشریک اللہ تعالی کے ساتھ دعوی ہمسری ہے۔نفس کی یہ قابل مذمت خواہش ہوتی ہے کہ وہ حاکم ہو اور باقی سب اس کے محکوم ہوں۔حدیث قدسی میں آیا ہے کہ: اپنے نفس سے عداوت رکھ کیونکہ یہ میری دشمنی پر کمر بستہ ہے۔

لہذا اپنے نفس کی نافرمانی کی طرف پرورش کرنا، اس کی مرادیں حاصل کرنا، رتبہ سرداری بڑائی اور تکبر فراہم کرنا دراصل ایسا ہے جیسے اللہ کے دشمن کی امداد کرنا اور اس کو تقویت پہنچانا ہے۔اس قباحت اور برائی کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔

جیسا کہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے: بڑائی میری چادر ہے اور عظمت و بلند قدری میری شلوار ہے۔تو جو شخص ان دونوں میں سے کسی کے بارے میں مجھ سے جھگڑے گا (یعنی لینے کی کوشش کرے گا) تو میں اسے آگ میں داخل کروں گا اور مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ [1]

---

[1] (مشکوۃ بحوالہ مسلم)

آنکھ اور عقل سے پردہ ہٹا کر ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کمینی اور خبیث دنیا اللہ تعالیٰ رب العزت کے نزدیک اس بنا پر ملعون اور مبغوض ہے کہ دنیا کا حصول نفس کی مرادیں حاصل ہونے میں نفس کا مددگار ہے تو لہذا جو دشمن خدا تعالیٰ کی مدد کرے وہ ضرور لعنت کا حقدار ہے۔

فقر سرور کائنات ﷺ کا فخر ہے۔ کیونکہ فقر میں نفس کی نامرادی ہے فقر نفس کو عاجز و بے بس کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رب العزت کی طرف سے حضرات انبیاء کرام کو بھیجنے اور احکام شرعیہ کا مکلّف بنانے میں بڑا مقصود اور حکمت اس نفس امارہ کو عاجز کرنا ہے۔ تمام انبیاء کرام کی شریعتوں کا مدعا بھی نفسانی خواہشات کو زائل کرنا ہے۔ جس قدر شریعت کے تقاضوں کے مطابق عمل ہوگا اسی قدر نفسانی خواہشات زوال پزید ہوں گی۔

لہذا احکام شرعیہ میں سے ایک حکم کو پورا کرنا خواہش نفسانی کو زائل کرنے میں ان ہزار سالہ ریاضتوں سے بہتر ہے جو اپنی مرضی سے کی جائیں بلکہ وہ مجاہدے اور ریاضتیں جو شریعت کے مطابق نہیں وہ تو خواہشات نفسانی کی مددگار اور معاون ہوتی ہیں اور وہ نفس کو مزید خراب کرتی ہیں۔ احکام شرعیہ میں آسانی ہے جبکہ فوائد بہت ہی زیادہ ہیں مگر افسوس کہ لوگ اسلام کے باطنی اثرات سے ناواقف ہیں۔ مثال کے طور پر شریعت کے حکم کو پورا کرتے ہوئے ایک سو (۱۰۰) روپیہ خرچ کرنا نفس کی ویرانی میں بہت زیادہ فائدہ مند ہے اس ایک لاکھ (۱۰۰۰۰۰) روپیہ خرچ کرنے سے جس میں نفس کی مرضی شامل ہو اور مقصد تکمیل شریعت نہ ہو۔ اس طرح شرعی حکم کے مطابق عید الفطر کے دن کا کھانا کھانا خواہشات نفس کو زائل کرنے میں بہت ہی بہتر ہے ان سال کے روزوں سے جن میں اپنی خواہش شامل ہو۔ اور فجر کی دو رکعت فرض نماز باجماعت ادا کرنا جو سنت ہے اس سے کسی درجے بہتر ہے کہ انسان ساری رات نفل پڑھنے میں گزار دے اور فجر کی نماز جماعت سے ادا نہ کرے۔

مگر افسوس کے لوگوں کی اکثریت تزکیہ نفس سے محروم ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ولی اللہ

اور متقی جاننے کی مالیخو لیا اور خباثت میں ڈوبی ہوئی ہے۔ یہ نفس کی ایسی چال اور پھندہ ہے جس سے نجات بڑی مشکل ہوتی ہے۔ اس خود فریبی کے مرض سے نجات کی فکر بے حد ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ مرض آخرت میں نجات ابدی سے محرومی کا سبب نہ بنے۔ قرآن میں اس طرف اشارہ ہے جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے۔ یعنی جو نفس کی خباثت کی وجہ سے نور معرفت کے حاصل کرنے سے آج محروم ہے وہ کل بروز قیامت معرفت ربانی کے نور کو وہاں بھی حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ قابل رشک ہیں وہ خوش نصیب لوگ جن کے وجود سے بروز قیامت نور کی کرنیں نکل رہی ہوں گی ان کے آگے پیچھے ہر طرف نور دیکھ کر لوگ ان کی طرف دوڑ کر آئیں گے اور فرشتے آنے والے لوگوں کو بتائیں گے یہ لوگ انوارات دنیا سے لے کر آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ اپنے حبیب مکرم ﷺ کے صدقے اور وسیلہ سے ہمیں بھی ان حاملین نور میں شامل فرمائے۔ امین یارب العلمین۔

باب نمبر ٦

(قلب)

قلب کا معنی دل ہے اور مندرجہ ذیل دو معانی میں استعمال ہوتا ہے:

ا۔ قلب ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جو انسان کے سینہ کی بائیں جانب موجود ہوتا ہے۔ یہ جسمانی قلب سب حیوانات میں بھی ہوتا ہے۔ یہ روح کا منبع اور معدن ہے۔لیکن اس کی شکل اور کیفیت کو بیان کرنا ہمارا مقصود نہیں ہے۔

۲۔ قلب ایک روحانی لطیفہ ہے۔جس کو قلب جسمانی سے تعلق حاصل ہے۔ یہ روحانی قلب عالم امر مافوق العرش سے لاکر جسمانی قلب کے اندر انسان میں ودیعت کیا گیا ہے۔لطیفہ قلب کا تعلق قلب انسانی سے ایسا ہے جیسا کہ مسکن کا تعلق مکان سے ہو۔ یہ لطیفہ حقیقت انسانی کہلاتا ہے۔ قرآن وحدیث میں جو قلب کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کا مخاطب یہی لطیفہ قلب ہے۔

اہمیت قلب:

وجود انسانی میں دل کی حیثیت حاکم کی سی ہے۔اعضاء ظاہر و باطنی سب اس کے خادم ہیں اور اس کی اطاعت کرنے پر مجبور ہیں دل ان میں تصرف کرتا ہے۔اطاعت وخدمت کے اعتبار سے قلب کے تین خادم ہیں۔

ا۔ارادہ:

کسی نفع کے حصول اور نقصان سے بچنے کے لیے جو رغبت دلانے والی چیز ہے وہ ارادہ کہلاتی ہے۔

۲۔قدرت:

حصول مقصد کے لیے جو طاقت اعضاء میں پھیلی ہوئی اور جو اعضاء کو حرکت دیتی ہے وہ قدرت ہے۔

۳۔علم ادراک:

یہ اشیاء کی پہچان سے متعلق جاسوسی کی قوت ہے۔ یہ دیکھنے، سونگھنے، سننے، چکھنے اور چھونے کی قوت ہے۔

اسی طرح باطنی قوتیں خیال، فکر، ذکر اور حفظ بھی قلب کے ماتحت آئی ہیں۔ انسان میں لطیفہ قلب کی حیثیت بادشاہ کی ہے اور سارا بدن اس کی سلطنت ہے۔ اس لیے دل شخصیت انسانی پر اپنی مرضی مسلط کرتا ہے۔ عقل وفکر کی قوتیں بھی دل کے سامنے مغلوب ہیں۔ اسی طرح انسان کا کردار، عادات اور رویے دل کے ہی زیر اثر ہی اپنا رخ متعین کرتے ہیں۔

قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے: خَتَمَ اللّٰهُ عَلیٰ قُلُوْبِهِمْ وَ عَلیٰ سَمْعِهِمْ وَ عَلیٰ اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَة"۔ [1]

اللہ تعالی نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی اور ان کی آنکھوں پر پردہ (ڈال دیا) ہے۔

[1] (سورۃ البقرہ، پ ا، آیت نمبر ۷)

یعنی جب دل بند کر دیا گیا تو پھر باقی اعضاء بھی دل کے زیر اثر بے کار ہو گئے۔

اس صورت حال کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصٰرُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ۔ [1]

ترجمہ: پس بے شک ان کی آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں۔

حصول ہدایت کے لیے ظاہری آنکھیں رہنما نہیں بن سکتیں ان کی بینائی بے حیثیت ہے یعنی دل کے اندھے پن نے ان لوگوں پر ہدایت کے سب دروازے بند کر دئے ہیں۔ دل کی خرابی کی صورت میں ظاہر اعضاء کا دیکھنا، سننا، سمجھنا، بولنا، چلنا، پھرنا وغیرہ کوئی حیثیت واہمیت نہیں رکھتا۔ اسی طرح دل کے فساد زدہ ہونے کی صورت میں اعمال صالحہ بھی اللہ تعالی کے نزدیک کمی اخلاص کی وجہ سے بے وقعت ہو جاتے ہیں۔

آقا علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے: اَلَا اِنَّ فِى الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّه، وَ اِذا فَسَدَتْ فَسَدَا الْجَسَدُ كُلُّه، اَلَا وَهِىَ الْقَلْب۔ [2]

ترجمہ: خبردار بے شک جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔ جب وہ درست ہو جائے تو تمام جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم فساد زدہ ہو جاتا ہے اور خبردار رہو یہ (لوتھڑا) دل ہے۔

اسلام کے سارے کاموں کا دارومدار دل پر ہے اگر انسان کا دل حق سبحانہ وتعالی کے غیر کے ساتھ گرفتار ہے تو وہ دل خراب اور ابتر ہے درحقیقت اس دور میں اکثریت کے قلوب فساد زدہ ہیں

---

[1] (سورۃ الحج، پ ۱۷، آیت نمبر ۴۶)، [2] (صحیح بخاری)

اور عملا غیر اللہ کے ساتھ وابستگی رکھتے ہیں۔ یہی چیز ہمارے دینی اور معاشرتی زوال کا باعث ہے۔ صرف ظاہری اعمال اور رسمی عبادتوں سے کام مکمل نہیں بن سکتا جیسا کہ ہمارے عبادت گزار افراد بھی روح اسلام سے بہت دور ہیں۔ انسان کی اصلاح کے لیے دونوں چیزوں کو پکڑ نا لازمی ہے۔ یعنی دل کو غیر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے محفوظ کرنا اور اعمال صالحہ شرعیہ کی بجا آوری۔ اعمال صالحہ کے بغیر سلامتی دل کا دعویٰ باطل ہے۔ اسی طرح سلامتی قلب کے بغیر اعمال صالحہ سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

حضرت کعب بن اخبار نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں عرض کیا انسان میں آنکھیں رہبر، کان محافظ، زبان ترجمان، ہاتھ لشکر، پاؤں قاصد اور قلب بادشاہ ہے تو جب بادشاہ اچھا ہوگا تو توابع اچھے ہونگے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے آپ ﷺ سے ایسا ہی سنا ہے۔ حضرت علیؓ نے بھی فرمایا زمین میں خدا کے برتن قلوب ہیں ان میں زیادہ محبوب وہ ہے جو مومن کے لیے نرم، یقین میں صاف اور دین میں سخت ہو۔ [1]

حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں: قلب مومن لوح محفوظ کی طرح ہیں۔

حضرت سہل تستریؒ فرماتے ہیں: قلب اور صدر کی مثال عرش و کرسی کی طرح ہے۔

فساد قلب

فساد قلب سے مراد دل کا قلبی امراض میں مبتلا ہونا ہے۔ سب سے بڑی مرض قلبی دل کا غیر خدا کے ساتھ گرفتار اور مشغول ہوتا ہے۔ بلکہ غیر حق کے ساتھ گرفتاری اپنی ذات کے ساتھ گرفتاری

---

[1] (احیاء العلوم)

ہے۔کیونکہ ہر شخص جو کچھ چاہتا ہے اپنی ذات کیلئے ہی چاہتا ہے اگر اولاد، مال و دولت، جاہ و منصب اور شان و شوکت کی محبت سے تو وہ بھی اپنی ذات کے لیے ہی ہے۔ درحقیقت ایسے شخص کا معبود اس کی خواہشات ہیں۔ جب تک ان خواہشات سے قلب پاک نہیں ہوگا نجات کی امید بہت دور کی بات ہے۔اگر قلب شیطان کا مسکن بنا ہوا اور شیطانی وسوسوں اور خواہشات رزیلہ سے بھرا ہوا تو وہ قلب رب کریم کی جلوہ گری کے لیے بالکل بند ہے۔قلب کسی ایک کے لیے ہی مسکن ہوسکتا ہے اور بندہ کی مرضی ہے کہ اس قلب کو اللہ رب العزت کے انوارات سے بھرے یا شیطان لعین کے وساوس سے بڑی عجیب بات ہے قلب میں شیطان کا قبضہ ہو اور بندہ زبان سے توحید خالص کا دعویدار بنا ہو۔غیر اللہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اللہ تعالی اور نبی کریم ﷺ سے دوری پیدا کرتی ہے۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ قلب کے غیر حق میں گرفتار ہونے سے عبادات کے فوائد کیوں حاصل نہیں ہوتے۔ جب کوئی شخص کسی دنیاوی مرض میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کو غذا بھی فائدہ نہیں دیتی۔ بیماری کی موجودگی میں مرغن اور اچھی غذائیں بیماری کو اور بڑھا دیتی ہیں لہذا ڈاکٹر اور طبیب پہلے بیماری کا علاج کرتے ہیں پھر آہستہ آہستہ مناسب غذاؤں سے مریض کو اصلی قوت اور طاقت کی طرف لاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جب انسان کے اندر قلبی مرض موجود ہے۔ چناچہ فرمایا: فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ "

ترجمہ: (ان کے دلوں میں مرض ہے)

کی صورۃ میں پہلے اولیاء کرام قلبی بیماری کا علاج کرتے ہیں تا کہ قلبی فرض کے ازالہ کے بعد عبادت وطاعت نفع بخش ہو سے۔ بیماری کا علاج دوا ہے اور دوا اولیاء کے سینہ کے انوارات اور ذکر اللہ ہے جب کہ عبادات کی حیثیت غذا کی سے ہے۔غذا صحت مند آدمی کو فائدہ پہنچاتی ہیں جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز بے حیائی اور فحش کاموں سے روکتی ہے جب کہ اس دور کے غازی اس قسم کی حرکات میں مبتلا نظر آتے ہیں وہ اس لیے کہ قلبی مرض کی موجودگی کی وجہ سے نماز کے

باطنی اثرات مرتب نہیں ہو سکے۔آج کے دور میں جسمانی مریضوں کی تعداد سے روحانی مریضوں کی تعداد کئی گناہ زیادہ ہے۔آج پورا جسد ملت ان قلبی بیماریوں کی لپیٹ میں آچکا ہے یہی قلبی بیماریاں ملت اسلامیہ کے زوال کی اصل بنیاد ہیں۔اسلام کے ابتدائی ادوار میں ملت اسلامیہ باطنی امراض سے پاک ہونے کی وجہ سے دنیا پر ایک غالب قوت کی حیثیت سے رہی۔آج افراد امت کے توجہ ان قلبی بیماریوں کی طرف نہیں کہ اس کے تباہ کن اثرات کا احساس ہو سکے۔قلبی بیماریوں کی وباء کا علاج اہل اللہ کی تلاش اور ان سے مستقل علاج کا تقاضا کرتا ہے۔

صرف رسمی اور رواجی بیعت سے قلبی بیماریوں کا ازالہ قطعاً ممکن نہیں ان بیماریوں کا علاج فنا وبقا سے مشرف ہونے والے واصلین حق کی صحبت ہی سے ممکن ہوسکتا ہے۔

فسادِ قلب کے اسباب

دور حاضر میں خرابیٔ قلب ایک وباء کی صورت اختیار کر چکی ہے اس فساد قلب کی وجہ سے مختلف فتنے اور خرابیاں منظر عام پر آ رہی ہیں۔فساد قلب کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

ا۔اللہ تعالیٰ سے تعلق بندگی کا انقطاع:

اللہ تعالیٰ رب العزت سے ہمارا تعلق بندگی صرف زبانی دعویٰ تک ہی رہ گیا ہے۔ہمارا معنوی اور حقیقی تعلق بندگی کٹ چکا ہے مگر ہمیں اس کا شعور اور احساس نہیں ہے۔ہماری اکثریت نفس اور شیطان کی غلامی کا حق ادا کر رہی ہے۔کیا ہم نے جان و مال،عزت وآبرو اور اپنی رضا و مرضی کو اپنے خالق و مالک کے سپرد کر دیا ہے جو کہ ایک مومن حقیقی کا شیوہ اور طریقہ ہے۔ہم عملاً ایسا نہیں کر رہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ وَ اَمۡوَالَهُمۡ بِاَنَّ لَهُمُ الۡجَنَّةَ۔ ۱

ترجمہ: بےشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔

جب کوئی چیز فروخت ہو جائے تو پھر اس پر مرضی اور اختیار ختم ہو جاتا ہے۔ مومن حقیقی اپنی جان و مال پر حق ملکیت ختم کر چکا ہوتا ہے وہ اس جان و مال کو صرف اپنے خالق و مالک کی امانت سمجھتا ہے۔ ہمارا کلی اختیار رب کائنات کے سپرد نہیں ہوا اگر ہم صاحب شعور ہوں تو یہ ہمارے لیے شرمندگی اور بےشرمی ہے ہم خود اپنے دعویٰ بندگی کی قول و فعل سے تردید کرتے ہیں۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ یہ کیفیت صرف اس لیے ہے کہ ہم نفس اور شیطان کی گرفت میں آ چکے ہیں ہمارے قلوب، قَلۡبُ الۡمُؤۡمِنِ العَرۡشُ اللّٰہ، بندہ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کا عرش ہوتا ہے کی حالت میں نہیں ہیں۔ ہمارے قلوب غفلت کا شکار ہو چکے ہیں وہاں صفات الٰہیہ کے انوارات کا نزول بند ہو چکا ہے۔ ہمارے قلوب ذاکر ہونے کی بجائے غافل ہو گئے ہیں۔ انوارات و مشاہدات کی جگہ ظلمتوں اور تاریکیوں نے لے لی ہے۔ ہمارے قلوب حقیقت میں سیاہ ہو چکے ہیں مگر ہم اس حقیقت کو بدقسمتی سے تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

آج امت کی اکثریت اللہ کی محبت کی بجائے دنیا کی محبت میں گرفتار ہے۔ جبکہ مومن کی شان تو اسطرح بیان ہوئی ہے:

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ۔ ۲

ترجمہ: اور ایمان (حقیقی) والے لوگ تو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کرتے ہیں۔

کیا ہم اللہ تعالیٰ کی محبت کی شدت اور عشق الٰہی کے غلبہ کے تحت اللہ تعالیٰ کی ذاتی محبت

---

۱ (سورۃ توبہ، پ۱۱، آیت نمبر۱۱۱)، ۲ (سورۃ البقرہ، پ۲، آیت ۱۶۵)

کے بحر بےقرار میں غوطہ زن ہو چکے ہیں کیا ہم صفات الہیہ کے انوارات ومشاہدات سے باطنی سیرابی حاصل کر چکے ہیں۔کیا عشق ربانی نے ہم کو غیر اللہ کے نسیان تک پہنچا دیا۔کیا ہر غیر اللہ چیز کا داخلہ ہمارے قلب میں بند ہو گیا ہے۔کیا صفات الہیہ کے مشاہدات کی حلاوتوں نے ہماری دنیاوی خواہشات کی لذتوں کوختم کر دیا ہے اگر ہماری حالت ان کیفیات کے مطابق نہیں ہے تو ہمارا اقرار توحید صرف زبانی ہے،ہم کو حقیقت توحیداور جوہر توحید کے اسرار واحوال کی خوشبو سے کچھ حاصل نہیں ہوا۔وہ دنیا جس کو ہم اللہ تعالی کے مقابلے میں اپنی محبت پیش کر رہے صرف عطر لگا ہو مردار ہے اور غلاظت ہے یہ دنیا زہر سے لبریز شکر ہے اس کمینی دینا کا عاشق دیوانہ اور فریب خوردہ ہے جواس پر فریفتہ ہوتا ہے وہ ابدی نقصان سے داغدار ہو جاتا ہے اس دنیا کی وقتی حلاوت آخرت کی دائمی ندامت وشرمندگی کا سامان ہے۔

دنیا کی حقیقت کی طرف حضرت علی المرتضےؓ نے اسطرح اشارہ فرمایا:اَلدُّنیَا جِیفَۃ" وَطَالِبُھَا کِلَاب"۔

ترجمہ: دنیا مردار ہے اوراس کی طلب کرنے والے کتے ہیں۔

اللہ تعالی کی ذات مبارکہ سے صرف سطحی اور لفظی تعلق عبدیت دنیا کی محبت سے نجات دلانے کے لیے نا کافی ہے۔ بلکہ وہ حقیقی ومعنوی تعلق جو بواسطہ نبوت بارگاہ الوہیت تک قائم ہو وہ دنیا ومافیھا کی محبت سے نجات کا ذریعہ ہے کیونکہ یہ تعلق بندگی قرب ربانی کی حلاوتوں سے اور لذتوں سے حاصل ہوتا ہے۔جس سے دنیا کی محبت ختم ہو جاتی ہے اور مالک حقیقی کی محبت میں مومن مستغرق ہو جاتا ہے:

کافر کی یہ پہچان ہے کہ آفاق میں گم ہے مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

۲۔حضورﷺ سے تعلق غلامی کا انقطاع۔

حضور آقائے دوجہاںﷺ کے ساتھ ہمارا تعلق غلامی اور تعلق عشق صرف صورۃ موجود ہے وہ حقیقی اور معنوی تعلق جو امت کو انوارات نبوت سے سیراب کرتا ہے وہ معدوم ہو چکا ہے۔امت کی اکثریت روحانی رابطہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے مشکوۃ نبوت سے نور چینی سے محروم ہو چکی ہے۔ و یُذَکِّیۡهِمۡ، وہ (نبی کریمﷺ) ان کا تزکیہ کرتے ہیں۔آج امت تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے لیے حضور پر نورﷺ کی طرف عملی طور پر متوجہ نہیں ہیں۔اس دور میں انوارات نبوت سے فیض یافتہ اولیاء کرام کی تعداد آٹے میں نمک کی نسبت سے بھی تھوڑی ہے۔بارگاہ رسالت سے آج ہمارا تعلق قلبی، حالی اور کشفی ہونے کی بجائے صرف کلامی اور استدلالی صورت پر قائم ہے۔

قرون اولی میں ایسے قلبی اور روحی تعلق رکھنے والے افراد بھی تھے جو حالت بیداری میں سرور کائناتﷺ کے دیدار سے مشرف ہوتے تھے اور علوم اسلامیہ میں حسب ضرورت بارگاہ رسالت مآبﷺ سے تصدیق و رہنمائی پاتے تھے۔بارگاہ رسالت کا سمندر انوارات و فیوضات اسی طرح موجزن ہیں صرف باطنی سیرابی حاصل کرنے والوں کی کمی ہے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں راہ دکھائیں کسے رہرہ منزل ہی نہیں

حضرت علامہ سید سلمان ندوی نے سچ کہا تھا کہ: نور نبوت کے بغیر علوم نبوت پڑھ لینے سے عملی زندگی کبھی درست نہیں ہوسکتی۔ [۱]

آج امت کو اپنی اصلاح کے لیے نور نبوت کی دولت کو اپنے سینوں میں محفوظ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ورنہ ہمارا باطنی اور قلبی بگاڑ بڑھتا چلا جائے گا۔

---

[۱] (دلائل السلوک)

اب ان اسباب کی نشاندہی ضروری ہے جو امت مسلمہ کی اکثریت کے قلب وروح کو ویران کر چکے ہیں۔ان میں ایک سبب عقلی وفکری بنیادوں پر استوار جدید عملی وسائنسی رجحانات ہیں ان مادی اور الحادی نظریات نے نئی نسل کو علوم وحی کی روشنی سے دور کر دیا۔اگر انسان کی رہنمائی کے لیے عقل ہی کافی ہوتی تو اللہ رب العزت انبیاء کرام کو رہنمائی کے لیے مبعوث نہ فرماتے اور نہ ہی بڑے بڑے اہل عقل ودانش الحاد کفر کا شکار ہوتے۔نئی نسل نے تعلیمات نبویہ کو قابل اتباع نہیں سمجھا اور خود کو شیطانیت ونفسانیت کی غلامی میں جکڑ لیا اس طرح مادی تہذیبی اثرات کی وجہ سے نئی نسل بارگاہ رسالت سے دوری اختیار کر گئی۔

دوسرا سبب مذہبی یلغار تھی جس نے امت مسلمہ کے دلوں سے ذات مصطفےٰ ﷺ کی عظمتوں کو محو کر دیا۔اسی مذہبی فتنہ کے قائدین نے دین کے تمام شعائر،عبادات،عقائد،معمولات کو برقرار رکھتے ہوئے ایسا میٹھا زہر پھیلایا جس کی لپیٹ میں اہل علم لوگ بھی آ گئے۔اس مذہبی یلغار کا بنیادی مقصد شان مصطفےٰ ﷺ کو کم کرنا تھا تا کہ عشق مصطفےٰ ﷺ کی دولت کو مسلمانوں کے دلوں سے نکالا جائے اور امت کو ذات مصطفےٰ ﷺ سے دور کیا جائے جو کہ ایمان کا مرکز ومحور ہے۔اس فتنہ کے قائدین علماء کبھی توحید کی آڑ میں شان رسالت پر حملہ آور ہوئے کبھی انہوں نے نبی کریم ﷺ کی شان عبدیت کو آپ ﷺ کی بے بسی اور بے اختیاری کی شکل میں پیش کیا۔اور شان محبوبیت وافضلیت بیان کرنے والی آیات واحادیث پر منافقانہ طریقہ اپنائے مجرمانہ خاموشی اختیار کی۔اس عظیم فتنہ سے امت مسلمہ کو آگاہی دلانے کے لیے قرآن سے وضاحت پیش خدمت ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کو شان عبدیت کے اظہار کا حکم ہوتا ہے: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔[1]

ترجمہ: آپ فرما دیجیے میں تمہاری طرح ہی آدمی ہوں۔

[1] (سورۃ الکھف، پ۱۶، آیت ۱۱۰)

دوسری طرف قرآن حکیم کا یہ ارشاد بھی موجود ہے:

قَدْ جَآءَ کُم مِّنَ اللّٰہِ نُوْر'' وَ کِتٰب'' مُبِیْن'' ۔[1]

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس نور یعنی نبی کریم ﷺ اور قرآن مجید آ گیا۔

دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاح'' ۔[2]

ترجمہ: اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے۔

حضرت کعب اور سعید بن جبر رضی اللہ عنہا کی تفسیر المراد بالنور الثانی ھنا محمد، یہاں اس آیت میں نور سے مراد محمد ﷺ ہیں۔

حضور ﷺ کی بشریت ومثلیت پر زور دیا مگر نورانیت پر مجرمانہ خاموشی اختیار کی۔

قرآن میں آپ ﷺ کی زبان اقدس سے بیان کروایا گیا:

مَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ ۔[3]

ترجمہ: میں نہیں جانتا کہ آخرت میں میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

اس آیت مبارکہ کو تو بڑی دھوم دھام سے پیش کیا مگر درج ذیل آیات پر خاموشی اپنائی گئی کیونکہ یہاں شان محبوبیت وافضلیت کا اظہار ہے دیکھئے:

وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْر'' لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ۔[4]

ترجمہ کنز الایمان: اور بے شک پچھلی تمہارے لیے پہلی سے بہتر ہے۔

---

[1] (سورۃ المائدہ، پ٦، آیت ١٥)، [2] (سورۃ النور، پ١٨، آیت ٣٥)، [3] (سورۃ احقاب، پ٢٦، آیت نمبر٩)، [4] (سورۃ والضحی، پ٣٠، آیت نمبر٤)

آخرت تو آپ ﷺ کی بہترین ہوگی دنیا سے بھی یعنی ہر آنے والے لمحے میں آپ کی عظمتوں اور رفعتوں میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

اسی طرح ارشاد خداوندی ہے: عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ [1]

ترجمہ: گویا اے محبوب! آپ ﷺ کا رب تجھے مقام محمود عطا فرمائے گا اس مقام پر سب تیری تعریف کریں گے اور سب تیری شفاعت طلب کریں گے۔

پھر ارشاد ربانی ہے: وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی۔ [2]

ترجمہ: اے محبوب: عنقریب آپ ﷺ کا رب تجھے اتنا عطا فرمائے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

قرآن میں معراج کی رات آپ ﷺ کو جو عظمت عطا ہوئی اسکی طرف اشارہ کیا: ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ہ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ہ [3]

ترجمہ: پھر آپ ﷺ (قرب الٰہی) میں قریب ہوئے اور آگے بڑھے۔ پس دو کمانوں یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔

قرآن حکیم نے آپ ﷺ سے علوم ذاتیہ کی نفی کا اظہار کروایا گیا:

وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَا سْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ۔ [4]

اگر مجھے غیب کا علم (عطائے ربانی کے بغیر) ہوتا تو میں بہت کچھ خیر حاصل کر لیتا۔

جبکہ دوسری طرف ارشاد ربانی ہے: وَمَا ھُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ۔ [5]

---

[1] (سورۃ بنی اسرائیل، پ۱۵، آیت نمبر۷۹)، [2] (سورۃ الضحی، پ ۳۰، آیت نمبر۵)، [3] (سورۃ النجم، پ۲۷، آیت ۸تا۹)، [4] (سورۃ الاعراف، پ۹، آیت نمبر۱۸۸)، [5] (سورۃ التکویر، پ۳۰، آیت ۲۴)

ترجمہ: اور وہ (رسول کریم ﷺ) غیب بیان کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے۔

آپ ﷺ مطلع علی الغیب ہیں اسی لیے فرمایا گیا: وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ [1]

ترجمہ: اور تجھے (وہ سب کچھ) سکھایا جو توں نہیں جانتا تھا۔

اللہ تعالیٰ علیم بذات الصدور ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ میرے محبوب ﷺ کو کن علوم کا علم نہیں ہے۔ لہذا جو آپ ﷺ نہیں جانتے تھے وہ سب کچھ سکھا دیا گیا۔ تو ثابت ہوا آپ ﷺ جو نہیں جانتے تھے وہ سکھا دیا گیا تو آپ ﷺ کو بارگاہ ربانی سے تمام علوم اولین و آخرین سے حاصل ہو گئے۔ پھر جب وہ غیب الغیب ذات خود ہی پوشیدہ نہ رہی تو پھر باقی کیا رہ گیا۔ ان آیات قرآنیہ کو بیان کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ مقام مصطفےٰ ﷺ کو یکطرفہ اور ادھورے انداز سے پیش کیا گیا جو امت مسلمہ کو بارگاہ رسالت مآب سے دور کرنے کا سبب بنا۔ حضور ﷺ سے عشقی اور قلبی لگاؤ نہ ہونے کی وجہ سے امت کی اکثریت آپ ﷺ کے انوارات قلبیہ سے فیضیابی نہ کر سکی اور زوال کا شکار ہو گئی۔ کیونکہ انبیاء کرام کی بشریت مثلیت پر اصرار اور انبیاء کرام سے عدم منفعت کا پرچار مسلمان کے چراغ محبت کو گل کرتا ہے۔ اور ایمان کو کمزور کرتا ہے۔ کیونکہ محبت رسول عربی ﷺ شرط ایمان ہے۔ عشق و محبت کی عدم موجودگی ایمان کی نفی ہے۔

آقا علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے: لَا يُؤمِنُ اَحَدُ كُم حَتّٰى اَكُونَ اَحَبَّ اِلَيهِ مِن وَالِده وَلَده وَ النَّاس اَجْمَعِين۔ [2]

ترجمہ: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک مجھ (نبی کریم ﷺ) سے محبت اپنے والدین، اولاد اور سب لوگوں سے بڑھ کر نہ کرے۔

---

[1] (سورۃ النسآء، پ۵، آیت ۱۱۳)، [2] (بخاری شریف)

نماز، روزہ، حج، زکوۃ، جہاد اور دوسرے اعمال ایمان کی شرائط نہیں بلکہ ایمان کے بعد اعمال لازمیہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اب میری حالت یہ ہے میں اپنی ذات سے زیادہ عشق و محبت آپ ﷺ کی ذات سے کرتا ہوں۔ آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے جواب میں فرمایا: اے عمر اب تیرا ایمان مکمل ہو گیا ہے۔

جب مسلمان کے قلب و باطن میں تاجدار عرب و عجم کے عشق و محبت کا چراغ جگمگاتا ہے تو اس سے رشتہ غلامی استوار ہوتا ہے۔ یہ رشتہ غلامی مسلمان کی شخصیت کو اخلاص و رضا کا پیکر بنا دیتا ہے۔

عشق مصطفوی ﷺ میں مدحوش شاعر نے اپنی محبت کی استغراقی کیفیت کو اسطرح بیان کیا:

میںڈا ذکر وی توں، میںڈا فکر وی توں ـــ میںڈا ذوق وی توں، وجداں وی توں

میںڈا کعبہ، قبلہ، مسجد منبر ـــ مصحف نے قرآن وی توں

میںڈا فرض فریضے زکوتاں ـــ صوم وصلوۃ، اذاں وی توں۔

۳۔ اولیاء اللہ سے تعلق ارادت کا انقطاع:

قلبی بگاڑ کی زیادتی کی وجہ اہل اللہ سے دوری ہے۔ مسلمانوں کو اہل اللہ سے دور کرنے میں جعلی اور نام نہاد پیروں کا بڑا کردار ہے۔ ان لوگوں نے چند ظاہری رسومات کو روحانیت کا نام دے دیا ہے جن کا روحانی تزکیہ وتصفیہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ اس لیے جب ایسے بزرگوں کے قول وفعل کے تضاد سامنے آئے تو لوگ روحانیت سے دور ہونا شروح ہو گئے۔ بعض جعلساز اور خوف خدا سے عاری پیران نے شریعت مطہرہ سے خود کو آزاد تصور کیا ہوا اور صرف چند اوراد و وظائف کو تصوف کا نام دیا ہو ہے۔ بعض روحانی مراکز میں شرک اور بدعات کا ارتکاب ہوتا ہے تو ان حالات میں قلب و روح کی بیماریوں کا علاج میسر آنے کی بجائے

ایسے جعلی روحانی مراکز سے عقائد واعمال کی خرابی پیدا ہو رہی ہے اور ان سے روحانی بیماریوں کے جراثیم امت مسلمہ میں سرایت کر رہے ہیں۔ ان حالات کے ردعمل کے طور پر بعض لوگوں نے اصلی تصوف و روحانیت کا انکار کر دیا۔ یہاں تک کے بعض لوگ حضرات اولیاء کرام کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کی جرات کر بیٹھے ہیں ان حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک مخصوص طبقہ نے مسلمانوں کو اصلی اولیاء کرام سے بھی دور کر دیا۔ اس محصوص طبقہ نے ایسی منظّم مہم چلائی جس کے نتیجے میں چودہ صدیوں کے مسلم نظام سلوک و تصوف کو کتاب وسنت سے خارج اور شریعت کے خلاف عمل قرار دیا اور لوگ تصوف و طریقت کے نام سے کوسوں دور بھاگنے لگے۔ اس محصوص طبقہ نے اولیاء کرام کی نفرت کو پھیلایا اس طرح امت مسلمہ کی اکثریت اولیاء عظام کی برکات و فیوضات سے محروم ہوگئی۔ اولیاء کرام کی نفرت کے سب لوگوں پر فیض عام اور فیض خاص کے دروازے بند ہونا شروع ہو گئے اس صورت حال کے نتیجہ میں دلوں میں قساوۃ اور تاریکی پھیل گئی اس قلبی ظلمت اور سختی سے ایک وبائی مرض کی شکل اختیار کر لی۔ علماء کرام اور مشائخ عظام کو روحانی امراض کی سنگینی اور کثرت کا احساس فرماتے ہوئے ان کے تدارک کیلئے ہمہ جہت اور ہمہ گیر نظام قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تا کہ امت مسلمہ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کو فرض عین سمجھتے ہوئے روحانی امراض سے نجات حاصل کر سکے۔ مسلمانوں کو ہمیشہ کی طرح آج بھی روحانیت کی دولت اولیاء کرام کے دامن سے وابستہ ہونے سی ہی ملے گی۔ روحانیت کی یہ دولت اولیاء کاملین جو حیات ظاہری میں موجود ہیں ان سے با قاعدہ بیعت اور شریعت سے حاصل کی جاسکتی ہے یعنی اولیا اللہ کا ظاہر زندگی میں ہونا سالکین کی تربیت کے لیے ضروری اور لازمی ہے۔ اولیاء عظام کی عقیدت و محبت اور انکے مزارات پر حاضری کی اہمیت اپنی جگہ برقرار ہے مگر یہ ایک قطعی حقیقت کہ زندہ ولی اللہ سے تربیت حاصل کرنے کے بعد قلب و باطن کے اندراتنی صلاحیت پیدا ہوتی ہے کہ گذشتہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی روحانیت سے فائدہ اٹھانے کے قابل ہو جاتا ہے اور انوارات کے انجذاب کی صلاحیت بھی حاصل ہوتی ہے۔ فساد قلب کے علاج کے لیے ہمیں انانیت اور نفسانیت کے خول سے باہر نکلنا ہوگا تا کہ قلبی امراض سے نجات کا راستہ نکل سکے۔

قلب کی بیماری اور سیاہی

قلب کی بیماری ذاتی نہیں ہوتی بلکہ عرضی ہوتی ہے اس کا مرض اندرونی نہیں بلکہ بیرونی ہوتا ہے۔ انسان کے گناہ اور بداعمالیوں سے دل پر ظلمت و سیاہی چھا جاتی ہے جو دل کی چمک اور صفائی ختم کر دیتی ہے۔ دل اپنی فطرتی صلاحیتوں سے عاری ہو جاتے ہیں۔ اور بیماری کا شکار ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابوھریرہؓ کی روایت ہے کہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب مومن گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ بن جاتا ہے پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے ڈر جاتا ہے اور استغفار کر لیتا ہے تو دل سے گناہ کا نقطہ دور ہو جاتا ہے اگر گناہ میں زیادتی کرتا ہے تو نقطہ بھی بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کے پورے دل پر چھا جاتا ہے۔ [1]

اسی مذکورہ بالا سیاہی کی طرف قرآن حکیم میں اشارہ ہے:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔ [2]

ترجمہ: ہرگز وہ ایمان نہیں لاتے بلکہ ان کے دلوں پر اندھیرے غالب آ گئے ہیں۔

بداعمالی کے زنگ نے ان کے دلوں سے پہچان حق کی صلاحیت ہی ختم کر دی ہے۔ اب ان کے اندھے دل حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتے۔

اس سے اگلی آیت مبارکہ میں فرمایا کہ: قیامت کے دن جب مومن اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے تو کافر اس دن دیدار الٰہی سے روک دیئے جائیں گے پس جس طرح وہ دنیا میں حق کو نہیں دیکھ سکتے تھے اسی طرح قیامت کے دن دیدار الٰہی نہ کر سکیں گے۔

---

[1] (نسائی ابن ماجہ، ترمذی، بغوی)، [2] (سورۃ المطففین، پ۳۰، آیت ۱۴)

حضرت حسن بصریؒ اللہ تعالیٰ کے عاشقوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اگر ان زاہدوں اور عابدوں کو معلوم ہو جائے کہ دیدارِ الٰہی کی نعمت ان کو نہ ملے گی تو ان کی جان نکل جائے۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں پر اپنے دیدار کو جلوہ فگن فرمائیں گے۔

اسی طرح حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کو دیدارِ الٰہی نصیب ہوگا۔ پس سیاہ اور زنگ آلودہ دلوں میں شیطان کے داخلے کو لیے سب راستے کھلے ہوتے ہیں۔

جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشادِ ربانی ہے: اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ۔ [۱]

ترجمہ: جو لوگوں کے سینوں کے اندر وسوسہ پیدا کرتا ہے۔

یعنی شیطان انسان کے دل میں گناہوں کے وسوسے ڈالتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن شقیق کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر آدمی کے دل میں دو خانے ہوتے ہیں ایک فرشتہ کا دوسرا شیطان کا۔ جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے کو ہٹ جاتا ہے اور جب انسان غافل ہوتا ہے تو شیطان اپنی چونچ آدمی کے دل میں چبھو دیتا ہے اور اس کو بہکاتا ہے۔ [۲]

ایک بزرگ نے اللہ تعالیٰ جل شانہ سے دعا کی شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی صورت ان پر ظاہر ہو جائے تو انہوں نے دیکھا کہ شیطان مچھر کی شکل میں بائیں طرف مونڈھے کے پیچھے بیٹھا ہوا ہے ایک لمبی سی سونڈ منہ پر ہے جس کو سوئی کی طرح سے دل کی طرف لے جاتا ہے اگر دل کو ذاکر پاتا ہے تو جلدی سے اس سونڈ کو کھینچ لیتا ہے اگر دل کو غافل پاتا ہے تو اس سونڈ کے ذریعہ سے وساوس اور گناہوں کا زہر انجکشن کے طریقہ سے دل میں پھیرتا ہے۔

---

[۱] (سورۃ الناس، پ۳۰، آیت ۵)، [۲] (رواہ ابویعلی)

اسی طرح ایک حدیث میں اسطرح بھی آیا ہے کہ: شیطان اپنی ناک کا اگلا حصہ آدمی کے دل پر رکھے ہوئے بیٹھا رہتا ہے۔ جب وہ انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ذلت سے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب وہ غافل ہوتا ہے تو اس کے دل کو لقمہ بنالیتا ہے۔ [1]

ان آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب قلب تاریک ہو جائے تو وہ شیطان کا مسکن اور گھر بن جاتا ہے اور قلب کی بیماریاں زور پکڑتی جاتی ہیں اور انسان اللہ تعالیٰ جل شانہ سے دور ہوتا جاتا ہے۔ کیونکہ انسان کا قلب شیطان اور خواہشات نفسانی کے سپرد ہو چکا ہوتا ہے۔ اس قلب بیمار کی اصلاح اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نور نبوت کے انوارات سے ممکن ہے جو کہ اولیاء اللہ کے سینوں میں موجود محفوظ ہیں۔

حضرت شیخ ابو محمد بن عبداللہ البصری فرماتے ہیں کہ بعض بندگان حق ایسے ہوتے ہیں جن کے قلب آئینہ کی طرح چمکدار ہوتے ہیں کہ شیطان کو دیکھ لیتے ہیں۔ یہ ایسے خاص بندے ہوتے ہیں جن پر شیطان کا کوئی حیلہ اور دلیل کام نہیں کر سکتی لہذا قلب انسانی جو جلوہ گاہ رب العلمین ہے تو اسکو آلودگیوں اور تاریکیوں سے پاک کرنا اشد ضروری ہے تاکہ قلب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ رب العزت کے لیے خالص ہو جائے اور قلب میں غیر اللہ کا داخلہ بالکل بند ہو جائے۔

محبت قلبی

آدمی اس کے ساتھ ہے جس کے ساتھ وہ محبت کرتا ہے۔ پس وہ شخص خوش قسمت ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے علاوہ کسی کی محبت باقی نہ رہی ہو۔ ایک دل میں دو محبتیں ٹھہر نہیں سکتیں۔ محبت کا اصول ہے کہ محبت ایک کے ساتھ ہوتی ہے جب تک انسان کے دل میں نفس کی محبت

---

[1] (تفسیر مظہری)

موجود رہے گی تو محبت خداوندی اس میں ہرگز سما نہ سکے گی۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ [1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔

یعنی جس طرح ایک سینے میں دو دل نہیں ہو سکتے اسی طرح ایک دل میں دو محبتیں بھی نہیں ہو سکتیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ صوفی کی شان یہ ہے کہ وہ کائن بائن ہوتا ہے اس کے دل میں اللہ تعالیٰ رب العزت کے سوا کسی کی محبت نہیں ہوتی اور اس کی مراد صرف رضائے حق تعالیٰ ہوتی ہے۔ [2]

صوفی کا کائن ہونا حقیقت میں خدا تعالیٰ سے واصل ہونا ہے اور بائن ہونا مخلوق سے جدا ہونا ہے اس کا مفہوم اس طرح بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ صوفی صورت میں کائن یعنی مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے اور حقیقت میں بائن یعنی مخلوق سے الگ اور دور ہوتا ہے۔ ایسے ہی مردان حق کے بارے میں آتا ہے کہ تجارت اور خرید و فروخت ان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کر سکتی۔

سالار طریقت حضرت خواجہ سید بہاوالدین بخاری اویسیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حج کے دوران منیٰ کے بازار میں ایک ایسے صاحب ذکر شخص کو دیکھا جو تقریباً پچاس ہزار کا سودا سلف خرید رہا تھا اور اس کا دل ایک لمحہ کے لیے بھی یاد حق سے غافل نہ تھا۔ [3]

اسی طرح ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو غلاف کعبہ کے ساتھ لپٹ کر فریاد کرتا ہوا دیکھا لیکن اس کا دل اللہ تعالیٰ سے بہت دور تھا یعنی وہ گناہوں کی سیاہیوں کی وجہ سے اللہ

---

[1] (سورۃ الاحزاب، پ۲۱، آیت نمبر۴) [2] (مکتوبات امام ربانی)، [3] (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ)

تعالیٰ کے حقیقی قرب سے دور ہو چکا تھا۔اسی طرح ایک عارف فرماتے ہیں کہ تیری نفسانی کدورتیں جب ہی تیری قلبی استعداد پر بادل بن کر چھا جاتی ہیں جب کاملین پر محبت ذاتیہ کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ عبادات واعمال میں ثواب وعذاب اور طمع وخوف کے اثرات ونتائج سے آزاد ہو چکے ہوتے ہیں۔ محبّ الٰہیہ میں رضائے الٰہی مقصود ہوتی ہے۔قلبی محبت کا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خالص ہوتا اس وقت حاصل ہوتا ہے جب سلامتی قلب کی دولت مل جائے۔سلامتی قلب اللہ تعالیٰ کے ماسویٰ کو بھول جانے کا نام ہے۔

قلب کا نور

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے انبیاء علیھم السلام اور اولیاء کرام کو انوارات عطا فرماتے ہیں تو ان کے قلب میں نورانیت پیدا ہو جاتی ہے اس باطنی روشنی سے قرب الٰہی کے مراتب کو طے کرتے ہیں اور مشاہدات سے سرفراز ہوتے ہیں اس طرح دل کی بینائی کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى۔ [1]

ترجمہ: جھوٹ نہ دیکھا جو دل نے دیکھا۔

یہ دل کا ادراک بینائی ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔ [2]

ترجمہ کنز الایمان: اسی طرح ہم نے ابراھیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت دکھائی اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے۔

---

[1] (سورۃ النجم، پ ۲۷، آیت نمبر ۱۱)، [2] (سورۃ الانعام، پ ۷، آیت نمبر ۷۵)

دل کے روشنی سے محروم ہونے کی طرف قرآن حکیم کی اس آیت میں اشارہ ہے:

فَاِنَّهَا لَا تَعۡمَى الۡاَبۡصٰرُ وَلٰـكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ۔ [1]

ترجمہ: پس آنکھیں اندھی نہیں ہیں بلکہ وہ دل اندھے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔

آیات مذکورہ سے دل کی نورانیت اور مشاہدہ کی صلاحیت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ دل کے نور سے کس طرح حق تعالیٰ کے قرب کے مشاہدے ہوتے ہیں اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ کس طرح دل کے نور سے دنیاوی پردوں کی موجودگی میں اہل باطن دیکھ لیتے ہیں

اسی طرح ارشاد ہوتا ہے: وَمَنۡ كَانَ فِىۡ هٰذِهٖۤ اَعۡمٰى فَهُوَ فِى الۡاٰخِرَةِ اَعۡمٰى وَاَضَلُّ سَبِيۡلًا۔ [2]

ترجمہ: جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہی ہے اور اور بھی زیادہ گمراہ۔

اس آیت میں بھی آنکھ ظاہری کا اندھا ہونا مراد نہیں ہے بلکہ دل کی روشنی سے محروم دل کے دندھا ہونے کا ذکر ہے۔ یعنی جس کا دل دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں اندھیرے ہی میں رہے گا جب اللہ تعالیٰ بندہ مومن کے دل پر سایہ رحمت جلوہ فگن ہو جاتا ہے اور بندہ مومن کا دل نور سے بھر جاتا ہے اور حجابات قلبی دور ہو جاتے ہیں اس طرح بندہ مومن پر ملکوت کے اسرار اور امور الہیہ کے حقائق کھل جاتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کی ہوا چلتی ہے تو وہ قلب کی آنکھ سے پردوں کو ہٹا دیتی ہے اور بندہ مومن لوح محفوظ میں مسطور چیزوں کو دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ صاحب قلب حضرات کے قلوب پر علوم الہامیہ اور استدلالیہ کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں اس طرح وہ عطائے ربانی سے علوم کو حاصل کر لیتے ہیں ایسے بندہ گان خدا کو علم لدنی سے نوازا جاتا ہے۔

---

[1] (سورۃ الحج، پ ۱۷، آیت ۴۶)، [2] (سورۃ بنی اسرآئیل، پ ۱۵، آیت ۷۲)

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مفرد لوگ آگے بڑھ گئے۔

لوگوں نے عرض کیا مفرد کون لوگ ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے پاک وصاف ہو گئے یا اللہ تعالیٰ نے انکے بوجھ اتار دیئے اور وہ قیامت کے دن ہلکے پھلکے پہنچے گے۔

پھر آپ ﷺ نے ان لوگوں کی توصیف میں اللہ تعالیٰ رب العزت کا فرمان بیان فرمایا کہ پھر میں اپنے چہرہ قدرت کو ایک طرف کر کے متوجہ ہوتا ہوں اور تجھے معلوم ہے کس کے سامنے میں اپنا چہرہ کرتا ہوں اور کوئی جانتا ہے کہ میں ان کو کیا دینا چاہتا ہوں۔

پھر ارشاد فرمایا کہ اول یہی عطا ہوتی ہے کہ ان کے دلوں میں روشنی ڈال دیتا ہوں تو وہ میرے حال سے خبر دینے لگتے ہیں جیسے میں ان کا حال کہتا ہوں۔

معرفت وہ نور ہے جس سے ایمان والے خدا تعالیٰ کے دیدار کی طرف چلیں گے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا: نُوۡرُهُمۡ يَسۡعٰى بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَ بِاَيۡمَانِهِمۡ۔[1]

ترجمہ: ان کا نور انکے آگے اور داہنے طرف دوڑتا ہوگا۔

اسی طرح حدیث مبارکہ میں وارد ہے کہ بعض کو نور مثل پہاڑ کے عطا ہوگا اور بعض کو اس سے کم یہاں تک کہ سب سے کم اور آخری وہ شخص ہوگا کہ اس کو دونوں پاؤں کے انگوٹھوں پر نور عنایت ہوگا کبھی تو وہ چمکے گا اور کبھی تو وہ گل ہو جائے گا۔ چمکنے کی حالت میں وہ قدم بڑھائے گا جبکہ گل ہونے کی حالت میں وہ رک جائے گا اور پل صراط پر گذرنا موافق نور کے ہی ہوگا۔ کوئی تو آنکھ جھپکنے کی طرح، کوئی بجلی کی طرح، کوئی بادل کی طرح اور کوئی شہاب (تارا) کی طرح اور کوئی تیز گھوڑے کی طرح گذرے گا اور جس کے انگوٹھوں پر نور ہوگا اس کے ہاتھ اور پاؤں کو آگ لگنے سے خلاصی ہوگی[2]

---

[1] (سورۃ التحریم، پ ۲۸، آیت نمبر ۸)، [2] (طبرانی اور حاکم)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا o وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ [1]

ترجمہ: اور جو کوئی اللہ کا خوف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا گزارا کرے گا اور اس کو رزق دے گا جہاں سے اس کا خیال بھی نہیں ہوگا۔

حضرت امام غزالیؒ اس کا ترجمہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مشکلات اور شبہات سے مخرج (نکلنے کا راستہ) نصیب فرماتا ہے اور علم و فطانت بدون تعلیم اور تجربہ کے عنایت فرماتا ہے۔ [2]

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا۔ [3]

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم نے تقویٰ اختیار کیا تو تم کو فرقان عطا ہوگا۔

فرقان سے مراد وہ نور ہے جس سے حق و باطل کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور شکوک و شبہات سے نجات ملتی ہے۔

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ دعا فرماتے تھے: اے اللہ مجھ کو نور دے اور نور میں مجھ کو زیادہ کر اور میرا قلب میں، میری قبر میں، میرے کان اور میری آنکھ میں نور عنایت فرما۔ [4]

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے: اِتَّقُوْا فِرَاسة المومن فانه ينظر بنور الله تعالى۔ [5]

ترجمہ: مومن کی فراست سے ڈرو پس بے شک وہ اللہ تعالیٰ کے (عطا کردہ) نور سے دیکھتا ہے۔

---

[1] (سورۃ الطلاق، پ ۲۸، آیت ۲ تا ۳)، [2] (احیاء العلوم)، [3] (سورۃ الانفال، پ ۹، آیت ۲۹)، [4] (بخاری و مسلم)، [5] (تفسیر مظہری)

اولیاءِ کرام پوشیدہ اور دور فاصلوں پر موجود چیزوں کو قلبی نور سے دیکھ لیتے ہیں۔ مومن کے نور فراست دیکھنے کی بے شمار مثالیں موجود ہیں صرف بطور ثبوت چند کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوالعباسؒ عیادت کیلئے ابوالفضل ہاشمیؒ کے پاس گئے جو عیال والے تھے اور انکے پاس ظاہری کوئی سامان بسر اوقات کے لیے نہ تھا۔ ابوالعباس کہتے ہیں کہ میں نے دل میں خیال کیا یہ شخص کہاں سے کھاتا ہوگا۔ ابوالفضل نے فوراً میرے دل کے ارادے کو دیکھ لیا اور فرمایا اے العباس خبردار ایسی نکمی بات نہ سوچ کہ اللہ تعالیٰ کے الطاف پوشیدہ بہت ہیں۔ ۱

حضرت حمزہ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ ابوالخیر کے گھر گیا اور دل میں عہد کیا کہ ان کے گھر میں کچھ نہ کھاؤں گا جب میں ان کے گھر سے باہر نکلا تو آپ کھانے کا طباق گھر سے باہر لے آئے اور فرمایا یہاں میرا گھر نہیں ہے اب کھاؤ تم نے گھر میں نہ کھانے کا ارادہ کیا تھا۔ ۲

حضرت سیدنا امام محمد باقرؒ کے بارے میں مشہور ہے جب منصور اور داود بن سلمان مسجد نبوی ﷺ مین داخل ہوئے تو آپ نے داؤد کو بتادیا کہ منصور حاکم بنے گا اور خزانے جمع کرے گا یہ واقعہ خلافت بنوعباس قائم ہونے سے پہلے کا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا منصور حاکم بن گیا۔ ۳

حضرت محمد بن منصور طوسی بغداد میں قیام پذیر تھے کہ عرفہ کے دن پر اختلاف ہوگیا جب آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا آج عرفہ ہے جب آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے عرفہ اور وہاں موجود لوگ دکھادیئے ہیں۔

---

۱ (دلائل السلوک) ۲ (دلائل السلوک) ۳ (دلائل السلوک)

فنائے قلب

جب اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء کا جلوہ صوفی کے دل پر پڑتا ہے تو قلبی بصیرت کے ذریعے اس کو وجود حق تعالیٰ کا مشاہدہ ہوتا ہے تو اس وقت یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ تمام عالم امکان وجود حق تعالیٰ کا ظل ہے جبکہ تجلیات ومشاہدات سے پہلے وہ خیال کرتا ہے کہ عالم امکان کا بجائے خود کوئی وجود ہے۔ مگر صفات واسماء کی نور پاشی کے بعد اس کا خیال دور ہو جاتا ہے۔ تمام اہل ایمان کا یہی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وجود حقیقی اور اصلی ہے اور دوسری تمام مخلوق کا وجود ظلی اور غیر حقیقی ہے۔

عام مسلمان کا یہ عقیدہ استدلالی ہوتا ہے جبکہ فنائے قلب سے مشرف ہونے والے صوفی کا عقیدہ شہودی درجہ میں پہنچ جاتا ہے۔

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندیؒ فرماتے ہیں کہ آیت مبارکہ: وَالَّذِیۡنَ لَا یَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ۔ [1]

ترجمہ: یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود کو نہیں پکارتے ،

میں فنائے قلب کی طرف اشارہ ہے۔ [2]

فناء قلب کے بعد آدمی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی چیز کا قصد نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو نہ کسی سے کوئی امید رہتی ہے اور نہ خوف رہتا ہے آفاق کا نسیان اس کے قلب کو فنا بخشنے والا ہوتا ہے۔ اور علم حصولی زائل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اس کا مقصود اور معبود ہوتی ہے۔ فناء قلب حاصل ہونے والے شخص کو کوئی دوسری چیز موجود نظر ہی نہیں آتی۔ صوفی مشاہدہ سے دیکھ لیتا ہے کہ حقیقی وجود

---

[1] (سورۃ الفرقان، پ۱۹، آیت نمبر ۶۸)، [2] (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جبکہ دوسری چیزوں کا وجود پرتو اور سایہ کی مانند ہے۔فناءقلب کے بعد بندہ مومن کو وہ شان حاصل ہوجاتی ہے جس کی طرف حدیث میں اشارہ ہے:

لَایَسْعُنِی اَرْضِی وَلَا سَمَائِیْ وَ لٰکِن یَسْعُنِیْ قَلْبَ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنُ۔[1]

ترجمہ: میری زمین اور میرا آسمان مجھے سمانہیں سکتا بلکہ بندہ مومن کے دل میں سما جاتا ہوں۔

میر محمد زمان نے حضرت خواجہ محمد معصومؒ سے فنا قلب کے بارے اس طرح عرض کیا کہ " میں ایک روز مراقبہ میں لطیفہ قلب کی طرف متوجہ ہوا تھا ایسا ظاہر ہوا کہ دل کے اندر ایک اور دل ہے اور اس دل کے اندر دوسرا دل ہے۔اسی طرح پانچ، چھ دل آئینہ کے عکس کی مانند جو کہ دوسرے آئینہ میں نظر آتا ہے نمودار ہوئے اور چھٹے قلب میں ایک ایسی وسعت پائی کہ اگر زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی سب چیزیں اس میں ڈال دے تو ہرگز اس میں کوئی تنگی نہ ہوگی اور خاص الخاص تجلی مشہود ہوئی اور اس طرح ایک ایسی فنا لاحق ہوئی کہ جس سے اوپر اور فنا مقصود نہیں ہے۔" [2]

ایسا دل جلوہ گاہ رب العزت بن جاتا ہے اور عرش الٰہی کی سی حیثیت کا حامل بن جاتا ہے۔ یہ حالت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب انسان کا علمی اور حبی تعلق غیر اللہ سے منقطع ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضوری دل کا بلکہ (طبیعت ثانیہ) بن جاتی ہے۔جیسے دیکھنا قوت باصرہ کی صفت ہے اسی طرح دل میں فطرتی حضوری کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اس وقت انسان کو فنائے قلبی کی دولت حاصل ہوتی ہے۔اس وقت اللہ تعالیٰ کے ماسوا ہر چیز میدان قلب سے اپنا سامان سمیٹ کر رخصت ہوجاتی ہے اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ بالکل خالص دین چاہتی ہے جو شراکت سے پاک ہو۔لہذا

---

[1] (مکتوبات معصومیہ) ، [2] (مکتوب ۱۰۷ جلد دوم)

توحید خالص کی امید فنائے قلبی سے مشروط ہے جو کہ دل پر اللہ تعالی رب العزت کی تجلی فعل کے ظہور سے حاصل ہوتی ہے۔اسی تجلی فعل سے ہی دل کو بقا کی دولت نصیب ہوتی ہے۔لہذا حضرت خواجہ محمد معصوم فاروقیؒ فرماتے ہیں کہ فنا و بقا لازم وملزوم ہیں۔جب تجلی فعل کے ظہور سے قلب فانی ہوجاتا ہے اور اس فنا میں سالک کے فعل کی نفی ہوجاتی ہے اور سالک اپنے آپ کو مسلوب الفعل پاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالی رب العزت کے فعل کے ساتھ باقی ہوجاتا ہے اور اپنے فعل کو حق سبحانہ کا فعل پاتا ہے۔

قلب سے مراد گوشت کا ٹکڑا ہے

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ سے سوال عرض کیا گیا کہ ظہور قلبی ظہور عرشی کا لمعہ بتایا جاتا ہے۔جس سے فضیلت کلی ظہور عرشی کے لیے ثابت ہوتی ہے جبکہ حدیث قدسی:

میں اپنے آسمانوں اور زمین میں سمانہیں سکتا بلکہ میرے بندہ مومن کا دل میری وسعت رکھتا ہے،

سے لازم آتا ہے کہ ظہور قلبی اتم ہے اور فضیلت ظہور قلبی کے لیے ثابت ہوتی ہے۔

آپ نے اس سوال کا جواب جلد دوم کے مکتوب نمبر (۲۱) میں بیان فرمایا: کہ اس کا جواب ایک مقدمہ پر مبنی ہے جاننا چاہیے کہ ارباب ولایت قلب بول کر اس سے انسان کی حقیقت جامعہ مراد لیتے ہیں جو عالم امر سے ہے۔جبکہ بزبان نبوت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیہ قلب اس پارہ گوشت سے عبارت ہے:

اِنَّ فِیْ جَسَدِ اِبْنِ اٰدَمَ لَمُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ۔[۱]

---

[۱] (بخاری شریف)

ترجمہ: بے شک انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست ہوتا ہے۔ اور جب وہ خراب ہوتا ہے تو سارا بدن خراب ہوتا ہے۔ سن لو کہ وہ قلب ہے۔

حضرت جنید بغدادی اور حضرت بایذید بستامی قدس سرھما نے وسعت قلب سے خبر دی انہوں نے عرش و مافیہ کو عظمت قلب کے سامنے حقیر گمان کیا ہے۔ جبکہ دوسری طرف دل کے گوشت کا ٹکڑا ہونے سے قلب کی تنگی لازم آتی ہے۔ اس مقام میں قلب اس قدر تنگ ہے کہ لا یتجزی (جو تمام اشیاء سے اصغر اور حقیر چیز ہے) کی بھی اس میں گنجائش نہیں ہے۔ بعض اوقات جب تنگی قلب کو جز لا یتجزی کے ساتھ نسبت دی جاتی ہے تو وہ حقیر جزو (جز یتجزی) قلب کے مقابلے میں آسمانوں اور زمینوں کے طبقات کی طرح عظیم دکھائی دیتا ہے۔ یہ معاملہ عقل کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ اسے ذہن میں رکھو یہ مقدمہ معلوم ہو گیا تو جان لو کہ وہ ظہور جو حقیقت جامعہ کے ساتھ وابستہ ہے بغیر شک کے ظہور تام عرشی کی نسبت صرف ایک پرتو ہے۔ اس مقام میں فضیلت کلی صرف عرش کیلئے ہے۔

اور حضرت شیخ بایزیدؒ اور حضرت شیخ جنیدؒ جنھوں نے قلب کو سب سے کشادہ اور فراخ کہا ہے اور انہوں نے عرش اور جو کچھ اس میں ہے سب کو جامعیت قلب کے سامنے حقیر سمجھا ہے۔ یہ شئی کے نمونے کے شئی کے ساتھ مشتبہ ہونے کے قبیلے سے ہے۔ (یعنی کوئی اصلی چیز کسی نمونہ میں ظاہر ہو جائے) اور اس اشتباہ کے منشا کو فقیر (یعنی حضرت مجدد الف ثانیؒ) نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں بار بار لکھا ہے اور وہ جو حدیث قدسی میں آیا ہے (یعنی وسعت قلب کا اظہار ہوا ہے) وہ لسان انبیاء علیھم السلام کے موافق ہے۔ اور اس قلب سے مراد یہی پارہ گوشت ہے اور شک نہیں کہ ظہور اتم یہاں ہے۔ اور اسکی بلند ذات کی احدیت مجردہ کا آئینہ بننا اس (پارہ گوشت) کے لیے مسلم ہے۔ عرش کے لیے اگرچہ ظہور تام سے جو ظہور اصل ہے حصہ وافر حاصل ہے۔ لیکن اس مقام میں صفات

کی آمیزش ہے۔اور جبکہ صفات فی الحقیقت حضرت ذات تعالی وتقدس کے ظلال ہیں۔اس بناء پر وہ ظہور ظلیت کی ملاوٹ سے پاک اور مبرا نہیں ہوتا۔یہیں سے ہے کہ عرش کو ظہور انسانی سے جو اصل صرف سے تعلق رکھتا ہے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں اور اس معاملہ کا مرکز بھی انسان ہے۔قلب کی تنگی ماسوائے حق کی اس میں گنجائش نہ ہونے کے اعتبار سے ہے اور اس کی وسعت انوار قدم کے ظہور کے اعتبار سے ہے: بہت تنگ بہت وسیع ، بسیط بہت ہی بسیط۔ بہت چھوٹا بہت زیادہ۔

سوال: فضیلت کے لائق تو حقیقت جامعہ (لطیفہ قلب) ہے جو عالم امر ہے۔پارہ گوشت جو عالم خلق سے ہے اور عناصر سے مرکب ہے یہ فضیلت کہاں سے پالی؟

جواب: عالم خلق کو عالم امر پر فضیلت ہے۔لیکن اس فضیلت کے ادراک سے عوام کیا اکثر خواص بھی قاصر ہیں۔اس پارہ گوشت کی حقیقت (مجھ سے یعنی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ) سے سن۔عوام کو یہ پارہ گوشت تو عناصر اربعہ کی ترکیب سے بنا ہوا ہے جبکہ خواص بلکہ اخص خواص کا یہ پارہ گوشت وہ یہ کہ جس نے سلوک وجذبہ، تزکیہ وتصفیہ اور تمکین قلب اور اطمینان نفس کے بعد (صرف فضل خداوندی جل سلطانہ سے) اجزائے عشرہ میں چار جزو مٹی، ہوا، پانی اور آگ ہیں جبکہ ایک جزو نفس مطمئنہ ہے اور پانچ عالم امر سے ہیں (یعنی لطائف قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ)۔ ان دس اجزاء کی آپس میں تضاد وتبائن کی صورت موجود ہونے کے باوجود قدرت کاملہ الہیہ سے ان کے تضاد وتبائن کی صورت زائل ہو چکی ہے اور یہ سب آپس میں جمع ہو چکے ہیں اور ایک ہیت وحدانی پیدا کر لی ہے اور اس طرح انہوں نے ایک اعجوبہ حاصل کیا ہے اس معاملہ میں جزو اعظم عنصر خاک ہے یہ وحدانی ہیت بھی جزو ارضی کے الگ میں ظاہر ہوئی ہے اور خاک کے ساتھ قرار پکڑا ہے۔

خاک شو خاک تا بروید گل — کہ بجز خاک نسبت مظہر گل

خاک بن خاک۔تاکہ پھول اگیں کیونکہ پھول کا مظہر خاک کے سوا کوئی اور چیز نہیں بن

سکتی۔اے برادر! ارباب ولائت کا ہاتھ ان علوم ومعارف کے دامن تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ یہ سینہ نبوت کے انوارات سے حاصل کیے گئے ہیں:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وٰسِعٌ عَلِيْمٌ۔[1]

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے وہ اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

اور وہ دل جس کے لیے اطمینان کا سوال خلیل الرحمٰن سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے کیا تھا وہ یہی پارہ گوشت ہے نہ کہ اس کی حقیقت جامعہ۔حضرت سیدنا ابراھیم علیہ السلام تمکین سے پیوستہ اور اطمینان نفس تک پہنچ چکے تھے۔اس لیے یہ تمکین اور یہ اطمینان مرتبہ ولایت میں ہے جو زینہ نبوت سے حاصل ہوجاتا ہے۔شان نبوت کے مطابق پارہ گوشت میں تغیر وتبدیلی ہے نہ کہ حقیقت جامعہ میں۔کیونکہ حقیقت جامعہ تو عوام کا حصہ ہے اور حضرت رسالت خاتمیت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام و التحیہ نے جو ثبات قلب طلب فرمائی: اَللّٰهُمَّ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى طَاعَتِكَ۔

ترجمہ: اے اللہ! دلوں کو پھیرنے والے۔میرے دل کو اپنی اطاعت پر ثبات اور مضبوطی عطا فرما۔

آپ ﷺ کی اس دعا سے مقصود پارہ گوشت کا ثبات ہے۔اور بعض احادیث میں جو قلب کے تغیر وتبدل کے متعلق وارد ہوا ہے امتیوں کے حالات نظر کرتے ہوئے یہ عام معنی پارہ گوشت اور حقیقت جامعہ (لطیفہ قلب) دونوں کی شامل ہے۔

---

[1] (سورۃ المائدہ، پ ٦، آیت نمبر ۵۴)

سوال: اگر یہ پارہ گوشت یَسْعُنِی قَلْبَ عَبْدِیَ الْمُؤمِن کے شرف سے مشرف ہو گیا ہو اور ذات تعالیٰ کے آئینہ بننے کے لائق ہو چکا ہو تو پھر اس میں تقلب و اضطراب کیوں ہوتا ہے؟

جواب: ظہور اگر چہ قلبی اتمیت پیدا کر دیتا ہے اور یہ ظہور ہی ہے جو شیون اور صفات کے شائبہ سے آزاد کر دیتا ہے۔ مگر اس (ظہور کا) دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ جہل حیرت زیادہ ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے ناشناسی اور عدم وصول زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ عوام کی طرح استدلال یا تقلید کے بغیر اللہ تعالیٰ کے وجود کا یقین پیدا نہیں ہوتا۔ اس حال کی مناسبت سے تقلب و اضطراب ہوتا ہے اور طلب اطمینان ضروری ہوتا ہے۔ یہ کمال تر عروج کے بعد نزول کی کیفیت ہے۔ صاحب یقین عارف کو رجوع کے بعد استدلال کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہ وہ بلند ترین مقام ہے جو بنوت کے کمالات کے حال کے مناسب ہے ایسے عارف کو جب مخلوق کی طرف دعوت و ارشاد کے لیے واپس لٹایا جاتا ہے تو بے قراری و اضطراب، دل کا تغیر و تبدل اسے زیادہ لائق ہوتا ہے۔ اب یہ کامل ترین عارف عین وصول اور حصول کے وقت جہل و حیرت کی وجہ سے دلیل کا محتاج ہے۔ اب یہ عارف کامل حالت نزول میں جو اسکی جدائی (خرقت) کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں استدلال کا بطریق اولی زیادہ محتاج ہو گا تا کہ وہ استدلال سے کچھ اطمینان حاصل کر سکے۔ وہ بے قراری جو اضطراب جو پہلے غائب کر دیا گیا تھا اب وہ اضطراب واپس کر دیا جاتا ہے تا کہ ہمیشہ غم و حزن کی حالت میں رہے جیسا کہ سرور کائنات احمد مجتبےٰ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کی عظیم کیفیت کی طرف حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے: کان رسول الله ﷺ متواصل الحزن دائم الفکر [1]

ترجمہ: سیدنا رسول اللہ ﷺ ہمیشہ غمناک اور متفکر رہتے تھے۔

[1] (شمائل ترمذی)

قلب کی حالت کی پہلی وضاحت

قلب کے دو معانی کو مدنظر رکھنے سے زیر بحث موضوع کو سمجھنا آسان ہوگا۔ قلب کی ایک حیثیت حقیقت جامعہ (لطیفہ قلب) جو کہ عالم امر سے ہے اس کو تصفیہ اور تزکیہ کے بعد تمکین تام اور سکون میسر آجاتا ہے سکون کا یہ مرتبہ مقام ولایت کے حالات کے مناسب ہے جبکہ قلب کی دوسری حیثیت پارہ گوشت کا اطمینان اور ادراک حواس سے وابستہ ہے۔ جب تک کسی شے کو حواس سے ادراک نہ کرے بے قراری سے باہر نہیں آسکتا اسی لیے سیدنا ابراھیم علیہ السلام نے اپنے قلب (پارہ گوشت) کے اطمینان کا سوال اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی۔ [1]

ترجمہ: اے میرے رب! مجھے دکھا کہ تو مردے کیسے زندہ کرے گا۔

اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ رب العزت سے بستی کو زندہ کرنے سے متعلق عرض کیا تھا۔ قلب کا یہ مقام مرتبہ نبوت کے کمالات کے حال کے مناسب ہوتا ہے۔

دوسری وضاحت: حقیقت جامعہ ذکر اثر قبول کرتی ہے اور جب ذکر تک پہنچتی ہے تو ذکر کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے اور ذکر کے ساتھ ہی قائم رہتی ہے۔

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ نے اس مقام کو روشن تر مقام قرار دیا ہے اور قلب کے اس قیام کو ذکر ذات تعالیٰ سے تعبیر کیا ہے۔ جبکہ پارہ گوشت کی طرف ذکر کو راہ نہیں۔ اس لیے ذکر کا اس پر اثر پذیر ہونا نہیں ہے کہ وہ ذکر کے ساتھ قیام کرے وہاں بالاصالتہ مذکور (یعنی اللہ تعالیٰ سبحانہ) کا ظہور ہے نہ کہ ظلیت کے ساتھ۔ ذکر کے عروج کی انتہا تو مذکور کی دہلیز تک ہے۔ [2]

---

[1] (سورۃ البقرۃ، پ۳، آیت نمبر ۲۶۰) [2] (عوارف المعارف)

تیسری وضاحت: حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ حقیقت جامعہ جب نہایہ النہایہ تک پہنچتی ہے تو وہ ولایت خاصہ سے حصہ وافر حاصل کر لیتی ہے۔ اگر مطلوب (اللہ تعالیٰ) کی آئینہ دار بن جائے تو اس میں ظل مطلوب ہی ظاہر ہوگا نہ کہ عین مطلوب۔ جیسا کہ شیشہ میں شخص کی مثال ظاہر ہوتی ہے نہ کہ عین شخص۔ جبکہ دوسری طرف پارہ گوشت میں جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ عین مطلوب ہے نہ اس کا ظل۔

اسی لیے حدیث قدسی میں فرمایا: یَسْعُنِیْ قَلْبَ عَبْدِیَ الْمُؤْمِنِ۔

ترجمہ: میں اپنے بندہ مومن کے دل میں سماتا ہوں۔

یہ معاملہ نظر وفکر سے بلند ہے۔ اس سے ہرگز حلول اور مکان نہ سمجھ لینا کیونکہ یہ کفر و زندقہ ہے۔ اگرچہ عقل یقین نہیں کرسکتی کہ ایک شئی کا عین دوسری شئی میں ظاہر لیکن وہاں حلول اور ٹھہرنا نہ ہو۔ یہ عقل کی نارسائی کے باعث ہے اور غائب کا حاضر پر قیاس ہے۔ اس لیے اے مخاطب تو! کوتاہ بین لوگوں سے نہ ہو۔

چوتھی وضاحت: حقیقت جامعہ (لطیفہ قلب) عالم امر سے ہے جبکہ پارہ گوشت عالم خلق سے ہے اور اس میں مزید اہم بات یہ ہے کہ عالم امر اور عالم خلق دونوں اس (پارہ گوشت) کے اجزاء ہیں خلق اس کا جزو اعظم ہے اور امر اس کا چھوٹا جزو ہے۔ ان دونوں اجزاء کے جمع ہونے سے اس (پارہ گوشت) کی ہیت وحدانی ایجاد ہوئی ہے۔ جو اعجوبہ روزگار بن کر سامنے آئی ہے۔ یہ اعجوبہ اگرچہ عالم خلق اور عالم امر سے الگ الگ شے ہے۔ کسی شے کے ساتھ اپنی ہیت ترکیبی میں مناسب اور مشابہت نہیں رکھتی۔ لیکن اس کے باوجود عالم خلق میں شمار ہوتی ہے۔ اس لیے جزو خا کی اس معاملہ میں ایک عمدہ شے ہے اور خاک کی پستی اسکی رفعت کا باعث بن گئی ہے۔

پانچویں وضاحت: حقیقت جامعہ کی وسعت اشیاء کی صورتوں کے اس میں ظہور کے اعتبار سے ہے جبکہ پارہ گوشت کی وسعت جو اس کی تنگی کے بعد سامنے آتی ہے مطلوب کی گنجائش کے اعتبار سے ہے جو کہ لامحدود اور غیر متناہی ہے یعنی بے حد اور بے شمار۔ اور تنگی اس کی تنگ دہلیز ہے جو کہ ماسوا کے گھسنے اور داخل ہونے کے لیے رکاوٹ ہے۔ حتی کہ ذکر کو بھی نہیں چھوڑتی کہ مذکور کے پردوں میں داخل ہو۔ اور شائبہ ظلیت کو بھی باقی نہیں رہنے دیتی کہ اس خانہ مقدس کے گرد گھومے حقیقت جامعہ کی فراخی چوں کا شائبہ رکھتی ہے اس لیے یہ بے چوں ذات (اللہ تعالی سبحانہ) کے لائق نہیں پارہ گوشت کی فراخی نے بیچونی سے بھی حصہ پایا ہے اس لیے بے چوں ذات کے لیے اس میں گنجائش ہے۔ جبکہ اس میں چوں کی گنجائش نہیں ہے۔ عجائب کاروبار ہے کہ اس دل (پارہ گوشت) کو دعوت کی طرف رجوع کے بعد ظلمت اور سیاہی طاری ہو جاتی ہے۔

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِىْ [1]

ترجمہ: بے شک میرے دل پر بھی پردہ چھا جاتا ہے۔

اے برادر! اس پارہ گوشت کو معمولی شے خیال نہ کرنا یہ تو نہایت ہی قیمتی جوہر ہے۔ اس میں عالم خلق کے خزانے اور اسرار ودیعت رکھے گئے ہیں۔ اور عالم امر کے دفینے اور مخفی امور بھی اس میں مدفون ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں وہ شے بھی ہے جو عالم خلق اور عالم امر میں الگ الگ موجود نہیں۔ وہ اس کے معاملات خاصہ ہیں جو اس کی ہیت وحدانی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ پہلے دس اجزاء کو تصفیہ، تزکیہ جذب وسلوک اور فناء و بقا کے ساتھ پاک اور طاہر کرتے ہیں اور ماسوا کے تعلقات کی میل سے صاف کرتے ہیں۔ مثلاً دل کو بے قراری سے گزار کر تمکین اور اطمینان تک پہنچاتے ہیں۔

---

[1] (مسلم، داؤد)

نفس کو بھی امارگی سے اطمینان کی طرف لاتے ہیں۔ ناری جزو کو سرکشی اور نافرمانی سے روکتے ہیں۔ خاک کو پستی اور پست فطرتی سے بلندی عطا کرتے ہیں۔ علی ہذالقیاس تمام اجزاء کو افراط وتفریط سے حد اعتدال وتوسط میں لے آتے ہیں۔ اس کے بعد محض فضل خداوندی سے ان اجزاء کو ترکیب دے کر شخص معین کو بنایا اور انسان کامل کی تشکیل کی۔ اس شخص کے قلب کو جو اس کا خلاصہ اور اس کے وجود کے مرکز ہے مصنفہ (گوشت کا ٹکڑا) سے تعبیر کیا ہے یہ ہے مصنفہ (قلب) کی حقیقت جو الفاظ میں باندازہ عبارت بیان کی جاسکتی ہے۔ اور اصل اختیار اللہ تعالی سبحانہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔

سوال: اگر ہر انسان انہی دس اجزاء سے مرکب ہے تو پھر انسان کامل کی تخصیص جو فناء وبقا سے وابستہ ہے کیوں کی گئی ہے؟

جواب: ہاں ہر انسان ان ہی دس اجزاء سے مرکب ہے۔ اور ان ہی کی ترکیب سے ہیت وحدانی رکھتا ہے مگر عام انسان کے یہ اجزاء پاک ومطہر نہیں ہوئے ہیں اور ان اجزاء نے اپنی اصلی حالت کھوئی ہوئی ہے اور غیر اللہ میں گرفتاری سے آزاد نہیں ہوئے۔ یہ اجزاء جزبہ وسلوک کے زریعے ماسوا کے تعلقات کی میل اور سیاہی سے صاف نہیں ہوئے۔ جبکہ انسان کامل کا معاملہ بہت ہی مختلف ہو چکا ہے۔ انسان کامل کے اجزاء فنا اور بقا کے زریعہ پاک اور پاکیزہ ہو چکے ہیں۔ جبکہ ہر عام انسان میں یہ اجزاء متبائن اور متمائز ہیں۔ یعنی یہ اجزاء تضاد اور امتیاز رکھتے ہیں اور الگ الگ اپنی حیثیت اور خصوصیت پر برقراری رکھتے ہیں اس لیے عام انسان میں یہ اجزاء ایک چیز کا حکم نہیں رکھتے۔ دوسری طرف انسان کامل میں یہ اجزاء متبائن وتما تیز سے نکل کر آپس میں خلط ملط ہو چکے ہیں انسان کامل میں یہ اجزاء اپنے احوال اور احکام زائل کر کے ایک شے کا حکم اختیار کر چکے ہیں پس انسان کامل میں ہیت وحدانی حقیقی ہوگئی نہ کہ اعتباری۔ مثلاً جس طرح ایک معجون (دوائی) کو مختلف

اجزاء سے تیار کرتے ہیں۔تمام اجزاء کو رگڑ رگڑ کر ایک دوسرے کے ساتھ ملاتے ہیں اور ہیت وحدانی ثابت کرتے ہیان دوا کے اجزاء متبائن احکام سے نکل کر ایک حکم اختیار کر لیتے ہیں۔

قلب کی اقسام

حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ سرور کائنات حضور اکرم ﷺ نے فرمایا قلب چار طرح کے ہوتے ہیں [۱]۔

1)۔قلب مومن:

مومن کا دل صاف اور ستھرے میدان کی طرح ہوتا ہے جو ہر قسم کی آلودگی سے پاک ہوتا ہے یہ قلب انوارات سے بھرا ہونے کی وجہ سے روشن اور تاباں ہوتا ہے۔قلب مومن کے درج ذیل درجات ہونے ہیں۔

ا۔قلب منیب: بندہ مومن کا یہ دل اللہ تعالیٰ کی رجوع کرنے والا ہوتا ہے۔اس دل میں فطرتی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی خوبی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ مخلص دل ہوتا ہے۔ایسے دل والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت میں داخلہ کی بشارت ہے۔یہ دل تقویٰ ومجاہدہ، عبادت وریاضت اور مجاہدہ کی طرف راغب ہوتا ہے:

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ہ نِ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ۔[۲]

ترجمہ: جو شخص بغیر دیکھے رحمٰن سے ڈرتا ہو اور رجوع کرنے والا دل لے کر آیا ہو۔سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جائے۔

---

[۱] (احیاء العلوم) ، [۲] (سورۃ ق، پ ۲۶، آیت نمبر ۳۳)

۲۔قلب سلیم: یہ دل اللہ تعالیٰ کی محبت و عشق سے سرشار ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دوری پیدا کرنے والی تمام چیزوں سے نجات حاصل کر چکا ہوتا ہے۔ یہ غیر اللہ میں گرفتاری سے سلامت و محفوظ ہوتا ہے یہ عرفان اور معرفت کے نزول کے لیے خالی ہوتا ہے۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ o اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ o [۱]

ترجمہ: اس کے مال اور بیٹے نفع نہیں دے سکیں گے مگر وہ (نفع اور کامیابی سے ہمکنار ہوگا) جو دل سلیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوگا۔

جیسا کہ سیدنا ابراھیم علیہ السلام کی شان میں فرمایا: اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ o [۲]

ترجمہ: جب وہ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوئے سلامت دل کے ساتھ۔

۳۔قلب شھید: بندہ مومن کا یہ وہ دل ہے جس کو حضوری قلب کی نعمت حاصل ہو اور وہ قرآن حکیم بحضور قلب سنتا ہو یہ قلب احکامات قرآنیہ کے لیے گواہی میں دیتا ہے اور ان سے نصیحت اندوز بھی ہوتا ہے:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِيْدٌ۔ [۳]

ترجمہ: (اس قرآن میں عبرت اسکے لیے) جو (سمجھدار) دل رکھتا ہو یا بات کی طرف متوجہ ہوتا ہو اور وہ تصدیق کرنے والا ہو۔

2)۔قلب کافر:

یہ بالکل سخت اور تاریک دل ہوتا ہے اور ذلت سے سر جھکائے ہوئے ہوتا ہے اور یہ پتھر کی طرح سخت ہوتا ہے۔

---

[۱] (سورۃ الشعراء، پ۱۹، آیت نمبر ۸۸ تا ۸۹)، [۲] (سورۃ الصّٰفّٰت، پ ۲۳، آیت نمبر ۸۴) [۳] (سورۃ ق، پ۲۶، آیت نمبر ۳۷)

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ان دلوں پر مہر لگا کر بند فرما دیا ہوا ہے۔

3)۔قلب منافق:

یہ دل غلاف سے لپٹا ہوا ہے۔قرآن میں ارشاد ہے: فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ"۔ [2]

ترجمہ: ان منافقوں کے دلوں میں بیماری ہے۔

منافق کی بیماری بڑھتی ہے اور جھوٹ عادت بن جاتی ہے۔ایسے دل والے شخص کو اپنی فساد انگیزی کا شعور نہیں ہوتا یہ منافقت دوغلا پن اور استہزاء بالحق سے ظاہر ہوتی ہے۔منافقت کا انجام غضب الٰہی کا شکار ہونا ہے۔

4)۔قلب سقیم:

یہ قلب پہلودار ہوتا ہے اس میں نفاق اور ایمان دونوں ملے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ فاسق و فاجر مسلمان کا دل ہوتا ہے۔اگر نفاق غالب ہو تو دل اس کے زیر اثر آ جاتا ہے اور اگر ایمان غالب ہو جائے تو تقاضائے ایمانی کے موافق قلب سے کام ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ عام مسلمان کی قلبی حالت کو ظاہر کرتا ہے۔دعوت اور تربیت سے ایسے قلب کو ھدایت کی طرف رہنمائی مل سکتی ہے یہ وہ قلب ہوتا ہے جو ذاکر نہیں ہوتا بلکہ غافل ہوتا ہے۔قرآن مجید میں غافل قلب والے شخص کی پیروی اور اطاعت سے روکا گیا کیونکہ وہ بذات خود خواہشات نفسانیہ کا پیروکار ہوتا ہے اور اسی کا قلب خود غیر اللہ میں گرفتاری کی وجہ سے بیمار ہے۔

---

[1] (سورۃ البقرہ، پ ۱، آیت ۷)، [2] (سورۃ البقرہ، پ ۱، آیت ۱۰)

قلب کا تغیر وثبات

قلب پر آثار واحوال مختلف طریق سے آتے رہتے ہیں۔مثلا اگر شیطان نے اس کو ہوائے نفسانی کی طرف کھینچا تو فرشتہ نے اسے باز رہنے کی تلقین کی۔اگر ایک شیطان اسے برائی کو کہا تو دوسرے شیطان نے دوسری برائی کی طرف کھینچ لیا۔اسی طرح اگر ایک فرشتہ نے اچھائی کی رغبت دلائی تو دوسرے فرشتہ نے دوسری بہتری کی طرف متوجہ کیا۔پس قلب کبھی ایک فرشتہ اور ایک شیطان کی کشمکش کا شکار ہوتا ہے کبھی دل دو فرشتوں کی کشاکش میں رہتا ہے۔اور کبھی دو شیطانوں کی لپیٹ میں ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں اسی طرف اشارہ ہے:وَ نُقَلِّبُ اَفْئِدَ تَھُمْ وَ اَبْصٰرُھُمْ۔ [1]

ترجمہ:اور ہم الٹ دیں گے ان کے دل اور آنکھیں۔

اللہ تعالی رب العزت نے قلب کو ایک عجیب چیز بنایا ہے اور اس میں بہت عجائب بھرے ہیں۔سیدنا حضور نبی کریم ﷺ دل کے بدلنے سے قسم بھی اٹھاتے تھے اور اللہ تعالی رب العزت سے دعا بھی کیا کرتے تھے:

لَا وَ مُقَلِّبَ الْقُلُوْب [2]

ترجمہ:نہیں قسم ہے دلوں کو بدلنے والے (اللہ تعالی) کی

یا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبَ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ۔ [3]

ترجمہ:اے دلوں کو بدلنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔

---

[1] (سورۃ انعام، پ ۷، آیت نمبر ۱۱۰)، [2] (بخاری)، [3] (ترمذی)

جب لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ ﷺ کو اپنے قلب کا خوف ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کون سی چیز مجھ کو بے خوف کرتی ہے حالانکہ دل رحمٰن (اللہ تعالی) کی دو انگلیوں کے درمیان ہے وہ اس کو جیسے چاہتا ہے تو سیدھا رکھتا ہے اور کج کرنا چاہتا ہے تو کج کر دیتا ہے۔ ١

اسی طرح آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: مَثَلُ الْقَلْبِ كَالْعَصْفُورِ يَتَقَلَّبُ فِي كُلِّ سَاعَةٍ۔ ٢

ترجمہ: دل کی مثال چڑیا جیسی ہے جو ہر گھڑی بدلتی رہتی ہے۔

اسی طرح حضرت مقداد بن اسود سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا دل کی مثال بدلنے میں ایسی ہے جیسے ہنڈیا جس وقت اس کو خوب جوش آتا ہے۔ ٣

اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ: دل کی مثال اس پرندے کی طرح ہے جس کو ہوائیں جنگل میں الٹتی پلٹتی رہتی ہیں۔ ٤

اسی طرح قلبی استقامت کے اعتبار سے ایک وہ دل ہوتا ہے جو تصفیہ حاصل کر چکا ہوتا ہے وہ بالکل مصفا اور شفاف ہوتا ہے ایسا قلب تقوی سے پر ہوتا ہے ایسا قلب نور بصیرت اور اسرار ربانی کا مرکز ہوتا ہے۔ جیسا کہ سید الکونین ﷺ کے اجلال واکرام اور ادب واحترام سے آپ کے صحابہ کرامؓ کے دلوں کو تقوی سے پر کر دیا گیا۔ صحابہ کرامؓ کو یہ قلبی تقوی کی دولت آپ ﷺ کی تعظیم وتوقیر سے عطا ہوئی: أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوٰى۔ ٥

ترجمہ: یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالی نے تقویٰ کے لیے خالص کر دیا ہے۔

---

١ (احیاء العلوم)، ٢ (حاکم وبیہقی)، ٣ (احمد، حاکم)، ٤ (طبرانی)، ٥ (سورۃ الحجرات، پ ٢٦، آیت نمبر ٣)

اسطرح آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

وَلِکُلِّ شَیئٍی مَعْدِن" وَ مَعْدِنُ التَّقْوٰی قُلُوْبُ الْعَارِفِیْنَ۔ [1]

ترجمہ: ہر چیز کی کان ہوتی ہے اور تقوی کی کان عارفین کے دل ہیں۔

ایسے دلوں پر جب فرشتوں کی نظر پڑتی ہے جو تقوی سے معمور ہوتے ہیں اور شمع معرفت کا نوران میں موجزن ہوتا ہے تو وہاں فرشتوں کے اترنے اور مزید خیرات کی رہنمائی کے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے اہل اللہ کے دل نیکیوں میں مزید آگے ہی بڑھتے جاتے ہیں ان کے لیے اعمال صالحہ اور قرب کی منازل آسان کردی جاتی ہیں۔: فَسَنُیَسِّرُہُ لِلْیُسْرٰی ۔ [2]

ترجمہ: یعنی ہم نے اس کے لیے نیکیوں میں آسانی پیدا کردی۔

ایسا دل وہ شرک خفی جس کو اندھیری رات میں سیاہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ قرار دیا گیا ہے بالکل باقی نہیں رہ سکتی۔ جب دل میں خورشید معرفت طلوع ہو جائے تو پھر کوئی کثافت اور تاریکی وہاں ٹھہر نہیں سکتی۔ ایسے صاحب دل لوگ شیطان کے مکر سے آزاد ہوتے ہیں۔ ایسے دلوں میں صبر وشکر، خوف ورجا، فقر وزہد، محبت ورضا اور توکل وغنا کی دولت ہوتی ہے۔ اسی دل کو قلب مطمئن کا نام دیا جاتا ہے اسی لیے آپ ﷺ نے ہاتھ مبارک سے قلب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تقویٰ کا محل یہاں ہے۔

دوسرا قلب وہ ہوتا ہے جو شیطانوں کے لیے بالکل کھلا ہوتا ہے جبکہ فرشتوں کے لیے بند ہوتا ہے۔ ایسے دل میں ہوائے نفسانی اور عادات مذمومہ موجود ہوتی ہیں ایسے دل میں اندھیرا چھا جاتا ہے اور شیطان خوب پاؤ پھیلاتا ہے اسی طرح خواہشات نفسانی کا دھواں نور یقین کو گل کر دیتا

---

[1] (مجموعہ صلوات الرسول ﷺ) ، [2] (سورۃ الیل، پ،۳۰، آیت نمبر ۷)

ہے ایسے دل والا شخص نفس اور شیطان کی غلامی اختیار کر لیتا ہے پھر ایسے لوگوں کے لیے نصیحت کرنا اور خوف خدا کا احساس دلانا فائدہ مند نہیں رہتا اس لیے فرمایا کہ ان کے دل تو ہیں مگر وہ سمجھ سے محروم ہیں اور بصیرت باطنی ضائع کر چکے ہیں۔

تیسرا قلب وہ ہوتا ہے جس میں کبھی تغیر اور کبھی ثبات کی حالت غالب رہتی ہے ایسے قلب میں فرشتے اچھائی کی رغبت پیدا کرنے جبکہ شیطان برائی کی طرف آمادہ کرتے ہیں۔شیطان ہر وقت ایسے شخص کو گمراہ کرنے کے لیے حیلے بہانے تلاش کرتا ہے شیطان انسان کو بے عقل کر دیتا ہے اور اپنے جال میں پھنسا لیتا ہے کہ ابھی زندگی بہت ہے گناہ کے بعد توبہ کر لینا اسی طرح دوسرے گناہ کرنے والے لوگوں کی مثال پیش کرتا ہے اور خواہشات پوری کرنے کے لیے ابھارتا ہے:

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ط وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ٥ [1]

ترجمہ: انہیں وعدہ دیتا ہے اور امیدیں پیدا کرتا ہے اور شیطان ان کو دغا وفریب کی صورت میں وعدہ (توقع) دیتا ہے۔

جبکہ دوسری طرف فرشتہ انسان کو خبردار کرتا ہے تو عارضی لذتوں میں پڑ کر جنت کی نعمتوں سے خود کو کیوں محروم کرتا ہے اور اس کو احساس دلاتا ہے کہ اسی عارضی اور چند روزہ زندگی کے مقابلہ میں آخرت کی دائمی زندگی اور اس کی نعمتوں کو اپنا مقصد بنا قلبی تغیر وثبات کی بحث کا مقصد صرف یہ ہے کہ انسان کو جب تک قلبی استقامت نصیب نہیں ہو جاتی وہ مسلسل خطرہ اور نقصان میں ہے انسان صرف اور صرف اطمینان قلب حاصل کرنے کے بعد ہی اپنے نور ایمان کو محفوظ کر سکتا ہے لہذا ہر مسلمان کے لیے پہلا لازمی اور ضروری کام یہ ہے کہ وہ اپنے قلب کو تقویٰ کے نور سے بھرنے کیلئے

---

[1] (سورۃ النساء، پ۵، آیت نمبر۱۲۰)

اٹھ کھڑا ہواور عملی کوشش کو آغاز کرے اور اس حقیقی ضرورت کے حصول میں ایک لمحہ کی دیر بھی نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہے۔

فنائے قلبی

اللہ تعالی کے عشق ومحبت کا اس قدر غلبہ دل پر ہو جائے کہ اس ذات کے علاوہ ہر چیز دل سے نکل جائے بندہ مومن کا قلب ذکر وحضوری اور مراقبہ پر ہمیشگی اختیار کرنے کی وجہ سے اللہ تعالی کے ماسوی کو بھول جاتا ہے اور سلامتی قلب حاصل کر لیتا ہے اس فنائے قلب سے صفات فعلیہ اور اضافیہ سے وصول ہوتا ہے۔ اس وقت دل کے اندر حالی ذکر اور حضوری کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی قلب ذاکر بن جاتا ہے۔

جیسا کہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل غفلت اختیار نہیں کرتا تو اسطرح سرور کائنات ﷺ کے فیضان قلبی سے امت کے اولیاء کرام کے دل دائمی ذکر کی نعمت سے سرفراز ہوتے ہیں۔ اس طرح بندہ مومن کے دل میں ذکر اللہ کی موجیں ٹھاٹھیں مارنا شروع کر دیتی ہیں اور مذکور میں ایسا گم ہوتا ہے کہ ذکر (یاد کرو) کے تکلف سے نجات حاصل کر لیتا ہے اور قلب کو حضوری کی نعمت عطا کر دی جاتی ہے۔ حضوری دل کی صفت راسخہ بن جاتی ہے بالکل اسی طرح جیسے سننا قوت سامعہ کی صفت اور دیکھنا قوت باصرہ کی صفت ہے فنائے قلبی ولی کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب مذکور (یعنی اللہ تعالی) کے ماسوا ہر چیز میدان قلب سے سامان اٹھا کر رخصت ہو جاتی ہے۔ اس وقت ولی کے قلب کی حالت یہ ہوتی ہے۔ اس ک عملی اور جبی تعلق غیر اللہ سے اس قدر کٹ جاتا ہے کہ اگر بالفرض ولی کسی ماسوا (غیر اللہ) کو تکلف کے ساتھ بھی یاد کرے تو قلب میں اس کی یاد کے لیے بالکل کوئی جگہ میسر نہ آئے۔ اگر کسی بندہ مومن محض فضل خداوندی سے یہ مقام

عطا کر دیا جائے تو اس وقت سالک کا یہ حقیقی فنائے قلبی کا درجہ ہوتا ہے۔ یہ نعمت عظمیٰ اللہ تعالیٰ رب العزت کی عنایت خاصہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر اس کیفیت کی عدم موجودگی میں کوئی فنائے قلبی کا دعویٰ کرتا ہے وہ خود فریبی اور نفس پرستی کا شکار ہے۔ ایسے کسی بھی شخص کو اللہ تعالیٰ رب العزت کے سامنے حاضری کا خوف رکھتے ہوئے توبہ واستغفار کی راہ اپنانی چاہیے فنائے قلبی ذاکر کے مذکور میں گم ہو جانے سے عبارت ہے۔ فنائے قلبی بندہ مومن کے لیے حضوری اور مشاہدہ کا دروازہ کھول دیتی ہے اس دولت عظمیٰ کے حصول کے بعد بندہ مومن کا ایمان درجہ غیبی سے درجہ شہودی میں ترقی کر کے پہنچ جاتا ہے اور ولایت کے طریقوں میں یہ پہلا قدم ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فاروقیؒ فرماتے ہیں فنائے قلبی یہ ہے کہ باطن میں غیر مذکور (غیر اللہ) کا گزر نہ رہے اور اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے تعلق حبی و عملی زائل ہو جائے اور قلب کو ماسوا سے فراموشی حاصل ہو جائے اور سالک ہمیشہ مطلوب (اللہ تعالیٰ عزوجل) میں فانی اور مستغرق رہے اور غیر کے دید و دانش سے فارغ ہو جائے۔ [1]

فنا کے بعد ہی بقا کی دولت عظمیٰ سے سالک کو نوازا جاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے: مَنْ قَتَلْتُه فَاَنَا دِيَتُه۔ [2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کو میں قتل کرتا ہوں تو اس کا خون بہا میں خود ہوتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے عشق کی آگ میں جو عاشق فنائے قلب و نفس کی منازل طے کرتے ہیں تو باقی باللہ ہو جاتے ہیں عشق ربانی کی تلوار سے شہادت پانے والے دائمی حیات کی نعمت سے سرفراز کر دیئے جاتے ہیں۔ فنائے قلبی کی دو قسمیں ہیں۔

---

[1] (مکتوبات امام ربانی جلد دوئم)، [2] (مکتوبات معصومیہ)

۱۔مطلق فنا: قلب سالک سے کچھ ماسوی فراموش ہوتا ہے اور کچھ باقی رہتا ہے اسے فنائے ناقص بھی کہتے ہیں۔

۲۔فنائے تام: اس میں سالک کے قلب سے تمام ماسوی فراموش ہو جاتا ہے اسے فنائے تام کہتے ہیں۔

ارباب قلوب

قلب کی جمع قلوب ہے۔ارباب قلوب سے مراد وہ لوگ ہیں جو قلب کی ایک منزل پر فائز ہوتے ہیں۔جب جن سالکین کے قلب (دل) تقلیب احوال کی وجہ سے مقلب قلب (اللہ تعالیٰ) اور اپنے مبداء فیض تک نہ پہنچے ہوں انہیں ارباب قلوب کہا جاتا ہے۔ارباب قلوب کو اصحاب تلوین بھی کہا جاتا ہے۔اسی طرح وہ مجذوب بھی ارباب قلوب کے درجے میں ہوتے ہیں جو ابھی تک سلوک مکمل نہ کر سکے ہوں ارباب قلوب کی درج ذیل دو حالتیں ہوتی ہیں۔

۱۔ پہلی حالت میں عروج سے پہلے سالک کو مقام قلب میں سیر ہوتی ہے۔یہ مقام تقلب احوال قلب سے عبارت ہے۔

۲۔ دوسری حالت میں عروج کے بعد جب نزول ہوتا ہے تو نزول کے بعد مقام قلب کی سیر ہوتی ہے۔اس مقام میں قلب روح کے انوارات نفس تک پہنچانے کا کام کرتا ہے۔اور یہ مقام فرق بعد الجمع سے عبارت ہے۔

قلب انسانی اسرار الہیہ کا مرکز ہے اور دل پر ظہورات رحمانی عرش کی نسبت زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ دل غیب اور شہادت کے درمیان برزخ ہے اور یہ قلب عالم صغیر کا خلاصہ اور جوہر ہے۔

مقام قلب

صوفیائے کرام کی اصطلاح میں مقام قلب کو دست چپ (بائیں ہاتھ) کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔لفظ مقام قلب کی وضاحت دو مفہوم سے کی جاتی ہے۔

پہلا مفہوم:

مقام قلب کا مطلب یہ ہے کہ جب سالک مبتدی (سلوک کی ابتداء کرنے والا شخص) کو اللہ تعالی کی طرف عروج حاصل نہ ہو اور اس کی پرواز قلب میں ہی ہو تو اس مقام قلب کو دست چپ کہا جاتا ہے یہ سلوک طے کرنے سے پہلے کی حالت ہے۔

دوسرا مفہوم:

مقام قلب کا دوسرا مطلب اس طرح ہے کہ سالک منتہی (سلوک کی انتہا کو پہنچنے والا شخص) عروج سے واپس نزول کرے جب مقام قلب میں پہنچتا ہے تو یہ مقام چپ وراست کے درمیان ایک برزخ ہوتا ہے یہ سلوک بعد کے کی حالت ہے۔

دل کے وساوس

دل میں جو چیز وسوسہ کی صورت میں وارد ہوتی ہے اس کو خواطر اور حدیث نفس کہتے ہیں۔ دل پر گزرنے والی چیز کو پورا کرنے کا عزم نہ ہو تو وہ حدیث نفس ہوتی ہے۔اگر دل میں خیال پیدا ہونے کے بعد گناہ کی رغبت متحرک ہوتی ہو تو اس کو میل طبع کہتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ میں حدیث نفس اور میل طبع پر پکڑ اور مواخذہ نہیں ہے کیونکہ انسان کا ان پر کوئی بس نہیں ہے۔پھر اگر دل اس رغبت کو پورا کرنے کی اجازت دیتا ہے مگر خوف یا حیا یا کسی اور مانع چیز کی وجہ سے رک جاتا ہے تو اس کو اعتقاد کہتے ہیں۔اسی طرح اگر وسوسہ کو پورا کرنے کی نیت اور

قصد کر لیتا ہے تو اس کو ارادہ کہتے ہیں۔ اعتقاد اور ارادہ پر مواخذہ (پکڑ) ہے۔ اعتقاد اختیاری پر مواخذہ ہے جبکہ اعتقاد اضطراری پر مواخذہ نہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **عفی عن امتی ماحدثت به نفسها ما لم تتكلم او تعمل۔** [1]

ترجمہ: میری امت سے وہ گناہ معاف کیے گئے جو دل میں پیدا ہوئے دل میں مگر بولنے اور عمل میں نہ لائے گئے۔

اسی طرح حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کرام کاتبین (لکھنے والے فرشتوں) سے فرماتا ہے جب میرا بندہ کسی گناہ کو کرنے کا قصد کرے تو اس کو مت لکھو اگر اس کو کرے تو ایک گناہ لکھو۔ اور جب نیکی کا ارادہ کرے تو ایک نیکی لکھو اور اگر وہ نیکی کرے تو دس نیکیاں لکھو۔ [2]

ان احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عمل قلبی اور اس کا بدی کی طرف میلان معاف ہے۔ دوسری روایت میں اس طرح آتا ہے کہ جس شخص نے قصد نیکی کا کیا اور عمل میں نہ لایا تو اس کو ایک نیکی ملے گی اور اگر ارادہ خیر کیا اور اس کو پورا بھی کیا تو اس کے لیے دس نیکیاں سات سو (۷۰۰) تک لکھی جائیں گیں اور اگر گناہ کا مرتکب ہوا تو ایک گناہ لکھا جائے گا۔

ایک روایت میں اس طرح بھی آتا ہے کہ: جب دل گناہ کرنے کو کہتا ہے تو میں اس کی مغفرت کرتا ہوں جب تک کہ اس کا مرتکب نہ ہو۔

---

[1] (بخاری، مسلم)، [2] (بخاری، مسلم)

اسی طرح مواخذہ کے بارے میں سورۃ البقرہ کے آخر میں فرمایا: وَ اِنۡ تُبۡدُوۡا مَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَوۡ تُخۡفُوۡهُ یُحَاسِبۡکُمۡ بِهِ اللّٰهُ ط فَیَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ ط [1]

ترجمہ: اگرتم ظاہر کرو دل کی بات یا چھپاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم سے حساب لے گا۔ پس اللہ تعالیٰ بخشے گا جس کو چاہے گا اور عذاب دے گا جس کو چاہے گا۔

اسی طرح قرآن حکیم میں فرمان ہے کہ: وَ لَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِهٖ عِلۡمٌ ط اِنَّ السَّمۡعَ وَ الۡبَصَرَ وَ الۡفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔوۡلًا ٥ [2]

ترجمہ: تو اس چیز کے پیچھے نہ پڑ جس کی تجھے خبر نہیں بے شک کان، آنکھ اور دل ان سب کی ان سے پوچھ ہوگی۔

ایک مقام پر فرمایا کہ: وَلَا تَکۡتُمُوا الشَّهٰدَةَ ط وَ مَنۡ یَّکۡتُمۡهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلۡبُهٗ ط [3]

ترجمہ: گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو چھپاتا ہے تو اس کا دل گناہ گار ہے۔

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: انما یحشر الناس علی نیاتھم [4]

ترجمہ: بے شک انسان اپنی اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے۔

حضور سید الکونین ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر لڑنا شروع کر دیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ قاتل نے تو قتل کیا مگر مقتول کیوں جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مقتول اس وجہ سے دوزخ جائے گا کہ اس نے اپنے ساتھی کو مارنے کا ارادہ کیا تھا۔ [5]

---

[1] (سورۃ البقرۃ، پ۳، آیت نمبر۲۸۴) [2] (سورۃ بنی اسرآئیل، پ۱۵، آیت نمبر۳۶) [3] (سورۃ البقرۃ، پ۳، آیت نمبر۲۸۳)، [4] (مسلم)، [5] (بخاری، مسلم)

حاصل کلام یہ ہے کہ جو اعمال قلبی انسان کے اختیار میں نہیں ہیں ان پر مواخذہ بھی نہیں ہوتا: لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَھَا۔ [1]

ترجمہ: اللہ تعالی بندے کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی گنجائش کے مطابق۔

مگر دل کے اختیاری اعمال میں گرفت ہے جیسا کہ کبر و غرور، ریا، نفاق اور حسد و بغض بھی تو اعمال قلب ہی سے ہیں۔ پس اصل بات یہی ہے کہ جو اعمال انسان کے اختیار میں ہیں خواہ آنکھ کے ہوں یا کان کے یا دل کے سب پر مواخذہ ہوگا۔ مثلاً آنکھ اگر بے اختیار کسی غیر محرم پر پڑ گئی تو اس پر مواخذہ نہیں ہاں اگر دوبارہ پھر دانستا دیکھے گا تو اس پر پکڑ ہوگی اسی طرح دل کے وسوسوں کا حال ہے۔

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اَلتَّقۡوٰی ھٰھُنَا۔ [2]

ترجمہ: تقوی یہاں (دل میں) ہے۔

اسی طرح قرآن حکیم میں فرمایا کہ: لَنۡ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوۡمُھَا وَ لَا دِمَآءُ ھَا وَلٰکِنۡ یَّنَالُہُ التَّقۡوٰی مِنۡکُمۡ ط [3]

ترجمہ: اللہ تعالی کو (جانوروں کے) خون اور گوشت نہیں پہنچتے بلکہ اس کو تمھارے (دلوں) کا تقوی پہنچتا ہے۔

دل پر گناہ کے اثر کے بارے میں حدیث میں آتا ہے۔

الاثم حواز القلوب۔ [4]

ترجمہ: گناہ خلجان میں ڈالنے والا ہے دلوں کا۔

---

[1] (سورۃ البقرۃ، پ۳، آیت نمبر ۲۸۶)، [2] (مسلم شریف)، [3] (سورۃ الحج، پ۱۷، آیت نمبر ۳۷)، [4] (احیاء العلوم)

اسی طرح دل پر نیکی کے اثر کی وضاحت حدیث مبارکہ میں اس طرح آتی ہے:

البر مااطمان القلب الیه القلب و ان افتوك و انتوك۔[1]

ترجمہ: یعنی نیکی وہ ہے جس سے دل کو اطمینان حاصل ہو۔

دل میں پیدا ہونے والے وسوسے انسان کے لیے بہت بڑے خطرے اور نقصان کا باعث ہوتے ہیں اس لیے دل کی وسوسوں اور برے خیالات سے حفاظت انسان کا پہلا ضروری کام ہے اسی لیے مشائخ عظام قلب کو وسوسوں سے پاک کرنے کے لیے قلبی ذکر سے روحانی سفر کی ابتداء فرماتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے وسوسہ منقطع ہو جاتا ہے۔

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فَاِذَا ذَکَرَاللّٰه خَنَسَ۔

ترجمہ: پس جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو (شیطان) ہٹ جاتا ہے۔

دل پر وسوسوں کی آمد سے گناہ کی طرف بڑھنے سے پہلے انسان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ رب العزت کے انسان پر احسانات اور انعامات کو یاد کرنا چاہیے کہ مجھے کس طرح اس خالق کائنات نے حقیر چیز سے پیدا کیا اور ہر لمحے میں اپنی زندگی کو برقرار رکھنے کیلئے اس ارفع و اعلیٰ ذات کا محتاج ہوں اور دوسری طرف نافرمانی کی صورت میں قبر کی وحشت اور دوزخ کے عذابوں کو مدنظر رکھنا لازمی ہے۔ انسان کو اپنی عاجزی اور بے بسی کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ رب العزت کی عظیم ذات کی طرف پوری توجہ سے دعا اور زاری کرنی چاہیے کہ وہ اپنی قدرت کاملہ سے ہمارے دلوں کو شیطانی وسوسوں اور نفس کی شر سے محفوظ فرمائے۔

---

[1] (طبرانی)

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ عطا اور اکثر اہل تفسیر کے نزدیک آیت مبارکہ:

وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ۔ [1]

ترجمہ: یعنی جو تمھارے دلوں میں ہے اس کو چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ تعالی تمھارا حساب لے گا۔

سے مراد خطرات نفس یعنی وسوسے ہیں۔

اس لیے حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں کہ رزائل نفس کا مواخذہ اعمال بدینہ کے مواخذہ سے زیادہ سخت ہے۔

سلامتی قلب

حضرت امام ربانی قیوم زمانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں: جو کچھ ہم پر اور تم پر لازم ہے وہ حق تعالی سبحانہ کے ماسوی سے قلب کے سلامت رکھنا ہے یہ سلامتی اس وقت میسر آتی ہے جب دل پر غیر حق کا گزر نہ رہے۔ [2]

اللہ تعالی کے غیر کو بھول جانا سلامتی دل کے لیے شرط ہے۔ اللہ تعالی کے غیر کو بھول جانے اور دل کو اس سے محفوظ کر لینے کا بلند مرتبہ روحانی فنا کے بعد حاصل ہوتا ہے در حقیقت روحانی سلوک میں جب انسان عروج کی منازل کی طرف بڑھ رہا ہوتا ہے تو عشق الہی کے غلبہ کی وجہ سے انسان (سالک) کے دل سے اللہ تعالی کے علاوہ ہر چیز فراموش ہو جاتی ہے۔ جبکہ سالک نزولی مراتب میں واپس لوٹ آتا ہے وہ غیر اور ماسوی کی خبر تو رکھتا ہے مگر اس کی خبر داری اور وابستگی غیر حق میں گرفتاری

---

[1] (سورۃ البقرۃ، پ۳، آیت نمبر ۲۸۴)، [2] (مکتوب۔۸۲)

کا موجب (وجہ) نہیں بنتی۔ کیونکہ فنا کے بعد جبی اور حقیقی تعلق غیر حق سے ختم ہو جاتا ہے۔ اب سالک کا دل روحانی پرواز حاصل کرنے کے بعد لامکانی ہو جاتا ہے۔ اس مقام میں سالک، گو عالم میں ہوتا ہے مگر بباطن خلوت میں ہوتا ہے۔

سلامتی قلب کی دولت سے مشرف ہونے والے کاملین کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ سبحانہ اس طرح بیان فرماتے ہیں: رِجَالٌ "لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ" وَّ لَا بَيْعٌ" عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ [1]

ترجمہ: ایسے مردان حق ہیں کہ تجارت اور خرید و فروخت ان کو یاد الٰہی سے روک نہیں سکتی۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہو گیا کہ سلامتی دل کے مالک حضرات کے لیے بنیادی معالات میں ظاہری طور پر مشغول ہونا ان کے دل پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ دوران نماز، عساکر اسلامیہ کی تجہیز بھی فرمایا کرتے تھے جیسا کہ آپ کے فرمان سے ظاہر ہوتا ہے: اِنِّي لَاُ جَهِّزُ جَيْشِيْ وَاَنَا فِي الصَّلٰوۃِ [2]

سلامتی دل کے لیے لوگوں سے کٹ جانا اور کلیتاً خلوت گزینی اور عزلت نشینی اختیار کر لینا مشائخ نقشبندیہ کے ہاں پسندیدہ نہیں ہے وہ خلوت در انجمن کے حامی ہیں جیسا کہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ۔

ترجمہ: اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔

آپ ﷺ کے ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ اولیاء کرام کو اجتماعی زندگی گزرتے ہوئے سنت نبوی ﷺ کا نمونہ پیش کرنا چاہیے اور لوگوں کو اعمال صالحہ کی دعوت اور ترغیب پیش کرنی چاہیے۔ تا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پیش نظر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا جا سکے۔

---

[1] (سورۃ النور، پ ۱۸، آیت نمبر ۳۷)، [2] (بخاری)

اسلامی عبادات میں ترک جزوی کا پہلو موجود ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

رُهبانِيَّته اُمّتِیُ الْقَعُوُدُ فِی الْمَساجِدُ۔ [1]

ترجمہ: میری امت کی رھبانیت مسجدوں میں بیٹھنا ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میری امت کی رھبانیت جہاد ہے۔

سلامتی قلب کی دولت بہت ہی نادر اور کمیاب ہے۔ یہ نعمت عظمی اور دولت قصوی بہت ہی قلیل شخصیات کو حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت امام ربانی وارث کمالات محمدی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں سلامتی قلب جس میں غیر حق کو اگر بالفرض تکلف سے بھی دل پر گزاریں تو تب بھی ہرگز نہ گزرے۔ آج یہ نسبت کوہ قاف کے عنقاء کی مانند نایاب ہے بلکہ اگر بیان کی جائے تو لوگوں کو یقین نہ آئے اور ہم اس نسبت کے حامل، وارث، امین اور قسیم ہیں۔ [2]

سلامتی قلب کے بغیر حق تعالی کا قرب میسر نہیں آتا اس لیے حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں [3]:

کے حریم وصل را محرم شوی　　　　بے فنائے مطلق وجذب قوی

رؤیت قلبی

جب اللہ تعالی سبحانہ سے مومن بندے کو بے کیف ذاتی محبت ہو جاتی ہے تو اس وقت بندہ مومن کو اللہ تعالی کی بے کیف ذاتی معیت عطا کر دی جاتی ہے۔

اللہ تعالی اپنے فضل و کرم سے بندہ مومن کو ظلال کی رویت قلبی نصیب ہوتی ہے۔ بندہ

---

[1] (البینات)، [2] (مکتوب نمبر ۸۲)، [3] (مثنوی مولانا روم)

مومن کو ذات و صفات کی رویت نہیں کرائی جاتی۔ ذات خداوندی کی رویت تو دنیا میں ممکن ہی نہیں کیونکہ اس دنیا میں حاسۂ بصری اس کی طاقت نہیں رکھتا البتہ آخرت میں قوت باصرہ کو صلاحیت اور استعداد عطا کر دی جائے گی جس سے مومنوں کو دیدار الٰہی ہو سکے گا۔

حضرت امام ربانی عارف حقانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ دنیا میں رویت خداوندی سے مشرف ہوئے۔ تجلی ذات آپ ﷺ کے حق میں اسی دنیا میں ثابت کرتے ہیں اور دوسروں کے لیے آخرت کے وعدہ پر موقوف کرتے ہیں۔ [۱]

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا شب معراج کو۔ [۲]

حضرت انسؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت عکرمہؓ کا قول ہے کہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے معراج کے موقع پر اپنے رب کو دیکھا یعنی اپنی آنکھ سے دیکھا۔ اسی طرح حضرت سیدنا ابن عباسؓ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو کلام کے لیے چنا اور حضور ﷺ کو اپنی رویت (دیدار) کے لیے چن لیا۔ [۳]

جبکہ سیدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے نزدیک سیدلکونین ﷺ کو اللہ کا دیدار نہیں ہوا۔

اسی طرح حضرت حسن بصریؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کا دیدار شب معراج کو دل کی آنکھ سے بھی ہوا اور سر کی آنکھ سے بھی ہوا۔

---

۱ (مکتوب نمبر ۹، جلد دوئم)، ۲ (ترمذی)، ۳ (ترمذی بروایت شبعی، بغوی)

حضرت قاضی علامہ ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں: حضور ﷺ کے لیے رویت چشم کی نفی صراحتہ ثابت نہیں ہوتی۔ نفی رویت پر حضرت عائشہؓ کا اور علماء استدلال کمزور ہے چشم سر کی رویت میں اختلاف علماء کرتے ہیں جبکہ رویت قلبی میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ رویت قلبی جس کو مشاہدہ بھی کہا جاتا ہے حضرات انبیاء کرام تو در کنار بعض اولیاء امت کو بھی رویت قلبی یعنی مشاہدہ حاصل ہونے کا دعوی کیا ہے مگر یہ اجماع امت کے خلاف ہے علماء کرام کا اتفاق ہے کہ آنکھ سے دیدار الٰہی سوائے رسول کریم ﷺ کے کسی امتی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض اولیاء کو اشتباہ ہو جاتا ہے وہ اس طرح کہ وہ جب بیداری کی حالت میں مشاہدہ قلبی میں ایسے غرق ہو جاتے ہیں کہ باوجود آنکھ کھلی ہونے کے قوت بصر (دیکھنا) معطل ہو جاتی ہے اور وہ علیہ حال کی وجہ سے خیال کرتے ہیں کہ ہم آنکھوں سے رب تعالی کی دیکھ رہے ہیں حالانکہ ان کی آنکھ کی بینائی معطل ہوتی ہے اور وہ دراصل دل سے مشاہدہ حق میں غرق ہوتے ہیں۔ [1]

یعنی یہ بات ثابت ہوئی کہ آخرت میں اللہ تعالی مومنوں کو اپنے دیدار سے مشرف فرمائیں گے جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے: وُجُوہٌ " یَّوْمَئِذٍنَّاضِرَةٌ" ہ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَةٌ" ہ [2]

اس دن کچھ تر و تازہ چہرے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہونگے۔

اس طرح نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: انکم سترون ربکم عیانا [3]

ترجمہ: بے شک تم اپنے رب کو اعلانیہ دیکھو گے۔

آقا علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے تم اپنے رب کو دیکھو گے جس طرح چاند کو دیکھتے ہو:

انکم سترون ربکم کم ترون القمر ھذا [4]

---

[1] (تفسیر مظہری)، [2] (سورۃ القیامۃ، پ۲۹، آیت نمبر۲۲ تا ۲۳)، [3] (بخاری، مسلم)، [4] (مشکوۃ المصبح)

مگر دینا میں سب کے لیے رویت قلبی ہی ثابت ہے خواہ وہ انبیاء کرام ہوں یا اولیاء جیسا کہ حضرت شعیب علیہ السلام اللہ تعالی رب العزت کے دیدار کے لیے روتے روتے اپنی آنکھوں کی بینائی کھو بیٹھے اور سیدنا موسی کلیم اللہ بھی دیدار الٰہی کی تڑپ میں بار بار دعا کرتے رہے مگر دیدار کی نعمت عظمی دنیا میں نصیب نہ ہوئی۔ آج ان لوگوں کو ذرا گہری سوچ کرنے کی ضرورت ہے جو دنیا میں اللہ تعالی کے دیدار کا دعوی کرتے ہیں وہ چیز جو انبیاء کرام اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام اور اکابرین اولیاء عظام کے لیے ممکن نہیں ہوئی وہ ان لوگوں کے لیے کس طرح ممکن ہو گئی ہے۔

یہ اجماع امت کے خلاف دعوی ہے رویت قلبی یعنی مشاہدہ کی نعمت اس دنیا میں ممکن ہے رویت قلبی (دل کا مشاہدہ) کے بارے میں سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

اَجِیْعُوْا بُطُوْنِکُمْ وَ اظْمَا ءُ وْا اکْبَادَکُمْ۔۔۔۔۔لَعَلَّکُم تَرَوْنَ الله بقلوبکم۔[1]

ترجمہ: اپنے شکموں کو بھوکا رکھو اور اپنے جگروں کو پیاسا رکھو تا کہ تم کو اللہ تعالی سبحانہ کا دیدار دل سے کر سکو۔

اسی طرح سیدنا فاروق اعظمؓ کا ارشاد ہے: رَاٰی قَلْبِیْ رَبِّیْ بِنُوْرِ رَبِی۔

یعنی میرے دل نے اللہ تعالی کے عطا کردہ نور کے ذریعہ سے اپنے رب کا مشاہدہ کیا۔

مولائے کائنات سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کا ارشاد ہے: لَمْ اَعْبُدْ رَبًّا لَمْ اَرَہُ۔

یعنی میں اس رب کی عبادت نہیں کرتا جس کو نہ دیکھو۔

آپؓ کا فرمان ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت قلبی مشاہدہ کرتے ہوئے پوری کرتا ہوں جس رویت قلبی کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ اللہ تعالی کے فضل و کرم

---

[1] (البینات)

سے ممکن ہوتا ہے جب کسی مومن بندہ کو کسی ولی کامل ومکمل کی صحبت باطنی اور خدمت سے ایسی توجہات قدسیہ نصیب ہو جائیں جو آئینہ قلب کو بالکل صاف وشفاف بنادیں جیسا کہ دل کے حجابات اٹھنے اور روحانی دنیا میں قدم رکھنے کے بارے میں حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں ورائے عقل ایک اور جہان ہے جس میں دوسری آنکھ (دل کی آنکھ) کھلتی ہے جس کے ذریعے عالم غیب کا مشاہدہ ہوتا ہے۔[1]

حضرت غوث الثقلین سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ رویت باری تعالیٰ سبحانہ کے دو طریقے ہیں۔

۱۔رویت جمال اللہ:

اس سے مراد بغیر واسطہ مراۃ آخرت میں حق تعالیٰ کا دیدار کرنا ہے۔

۲۔رویت صفات اللہ:

اس سے مراد عکس انوار جمال الٰہی کا دل کی نگاہ سے دیدار کرنا ہے۔ یہ ظلال کی رویت قلبی ہوتی ہے۔

آپؒ مزید فرماتے ہیں کہ حدیث نبوی ﷺ: اَلْمُؤمِنُ مِرْاٰۃُ الْمُومِنُ۔[2]

ترجمہ: (مومن آئینہ ہوتا ہے مومن کا) میں پہلے مومن سے مراد بندہ مومن کا دل ہے اور دوسرے مومن سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی جس نے دنیا میں صفات الٰہیہ کے ظلال کو دیکھا وہ آخرت میں ذات حق تعالیٰ سبحانہ کا بلا کیف دیدار کرے گا۔

---

[1] (المنقض من الضلال)، [2] (مشکوۃ)

رویت قلبی کی مثال سرالاسرار میں اس طرح بیان کی گئی ہے جیسے کوئی شخص روشندان سے آفتاب کی شعاعوں کو دیکھ کر کہہ دے کہ میں نے آفتاب کو دیکھا ہے حالانکہ اس نے آفتاب کونہیں دیکھا ہوتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امت مسلمہ میں سے کوئی شخص دینا میں چشم سر سے اللہ تعالی کے دیدار کا دعوی کرے تو وہ گمراہی اور جھوٹ پر مبنی ہوگا۔ اور مومنوں کے لیے صفات الہیہ کے ظلال کے قلبی مشاہدہ کی دولت عظمی کے دروازے کھلے ہیں۔

اس موضوع کو حضرت علامہ ڈاکٹر طاہر القادری کے ان جامع الفاظ میں سمیٹنا ضروری دکھائی دیتا ہے: یہ منفرد امتیاز صرف سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کی ذات کو حاصل ہے کہ انہیں معراج کی شب مشاہدہ و دیدار حق نصیب ہوا جب کہ دوسرے اہل ایمان کو یہ سعادت آخرت میں نصیب ہوگی۔

روئیت اور مشاہدہ میں فرق

دیدار اور مشاہدہ میں درج ذیل فرق ہوتا ہے۔

۱۔ رویت حق تعالی (واجب الوجود) کے دیدار کو کہا جاتا ہے جبکہ مشاہدہ کا تعلق وجوب کے ظلال میں سے ایک ظل کے ساتھ ہوتا ہے۔ ظلال کی نور پاشی اولیاء پر ہوتی ہے۔

۲۔ رویت اصالت ہے جبکہ مشاہدہ ظلیت ہے۔

۳۔ رویت نبوت کا ثمرہ ہے جبکہ مشاہدہ ولایت کا نتیجہ ہے۔

۴۔ آنکھ سے دیدار صرف سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کے لیے مخصوص ہے جبکہ باقی سب اولیاء کے لیے دل کا مشاہدہ ہی ممکن ہوسکتا ہے۔

جامعیت قلب

اللہ تعالی رب العزت نے انسان پر کرم نوازی اور احسان عظیم کیا کہ اسے دوسری نعمتوں کے ساتھ قلب کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ جب یہ قلب انسانی دولت ایمان سے مشرف ہونے کے بعد قرب ربانی کے لیے روحانی سلوک میں قدم رکھتا ہے اور اولیاء کی صحبت سے فیضیابی پاتا ہے اور اس کے قلب سے تاریکیاں اور حجابات اٹھتے ہیں اور قلب اللہ تعالی کے ذکر میں دائمی طور پر مشغول ہو جاتا ہے تو اس بندہ مومن کے بارے میں حدیث قدسی میں ارشاد گرامی ہے:

لَا یَسْعُنِیْ اَرْضِیْ وَ لَا سَمَآ ئِیْ وَ لٰکِنْ یَسْعُنِیْ قَلْب عَبْدِیَ الْمُوْمِنِ۔

ترجمہ: میں نہ زمین میں سماتا ہوں نہ آسمانوں میں لیکن میں اپنے بندہ مومن کے دل میں سماتا ہوں۔

بندہ مومن کا قلب جب تصفیہ کے ذریعہ اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے تو اس بات کی قابلیت اور اہلیت پیدا کر لیتا ہے کہ اسرار ربانی اور انوارات رحمانی اس کے آئینہ قلب میں جلوہ گر ہو جائیں اور معشوق کی سیر عاشق میں ظاہر ہو جائے۔ اس وقت قلب میں اس قدر وسعت پیدا کر دی جاتی ہے کہ بندہ مومن اس کے بالمقابل آسمانوں اور زمین کے طبقات کی کوئی حیثیت نہیں دیکھتا۔ حضرت شیخ بایزید بسطامیؒ نے اس مقام میں کہا تھا کہ اگر عرش اور جو کچھ اس میں ہے اس سب کو عارف کے قلب کے گوشہ میں رکھ دیں تو عارف کو قلب کی وسعت کے باعث اس کا احساس نہیں ہوگا۔

اسی طرح حضرت شیخ جنید بغدادیؒ اس مقام کی شرح و تائید میں فرماتے ہیں کہ حادث

جب قدیم کے ساتھ مل جاتا ہے تو اس کا کوئی اثر نہیں رہتا یعنی عرش و مافیہ جو کہ حادث ہے عارف کے قلب کے بالمقابل جو کہ انوار قدم کے ظہور کا مقام ہے محو و لاشے ہونے کی نسبت رکھتا ہے تو محسوس کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ رب العزت قدیم ہے جبکہ ساری مخلوق حادث ہے اس بے مثل و بے مثال محبوب حقیقی سبحانہ وتعالیٰ کے انوارات بندہ مومن کے دل پر ظاہر ہوتے ہیں تو اس مومن کے دل کے اندر بے انتہا وسعت پیدا کر دی جاتی ہے یہاں یہ وضاحت بہت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندہ مومن کے دل میں سمانے اور معشوق کی سیر عاشق میں ظاہر ہونے سے کوئی بھی شخص حلول اور اتحاد کے معنی نہ سمجھے واللہ تعالیٰ سبحانہ اس سے پاک اور بری ہے۔

حقیقت میں یہ ایک بے کیف امر ہے جو اس مقام والے مومنین پر واضح اور ظاہر ہوتا ہے:

مَنْ لَمْ یَذُقْ لَمْ یَدْرِ۔

ترجمہ: جس نے نہیں دیکھا اس نے نہیں جانا۔

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ان چشموں سے ہمیں سیرابی نصیب فرمائے۔ آمین

حضرت خواجہ محمد معصوم فاروقیؒ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ سبحانہ وتعالیٰ کو آفاق و انفس، تجلیات وظہورات اور مشاہدات و مکاشفات سے ماوراء ڈھونڈنا چاہیے وہ پاک ہستی ہماری فہم و عقل سے بہت بلند و بالا ہے۔ جو کچھ پورے انسان میں ہے وہ تنہا دل میں موجود ہے لہذا قلب انسانی کو حقیقت جامعہ کہتے ہیں۔ قلب عناصر اربعہ، افلاک، عرش، کرسی، عقل، نفس، مکانی اور لا مکانی اشیاء سب کا جامع ہے۔ چونکہ قلب لا مکانی امور پر بھی مشتمل ہے۔ لہذا عرش اور جو کچھ اس میں ہے قلب میں اسکی کچھ مقدار نہ ہوگی۔ کیونکہ عرش اور جو کچھ اس میں ہے باوجود وسعت و کشادگی کے دائرہ مکان میں

داخل ہے۔مکانی چیز کتنی ہی وسیع کیوں نہ ہو، لا مکانی کے سامنے تنگ ہی ہے اور کوئی قدر نہیں رکھتی لیکن اولیاء کرام میں سے ارباب صحو جانتے ہیں کہ قلب کا عرش سے بھی وسیع ہونا سکر پر مبنی ہے اور شے کی حقیقت اور اس کے نمونے میں عدم امتیاز کے باعث ہے۔عرش مجید جو ظہور تام کا محل و مقام ہے اس سے بہت بلند ہے کہ قلب تنگ میں اس کی گنجائش ہو۔اصل بات اسطرح ہے کہ قلب کے اندر جو کچھ نظر آتا ہے وہ عرش کا نمونہ ہے۔حقیقت عرش نہیں۔کیونکہ قلب بے انتہا اشیاء کے نمونوں کا جامع ہے مثال کے طور پر آئینہ جس میں آسمان اپنی تمام بڑائی اور اس میں موجود تمام اشیاء کے ساتھ دکھائی دیتا ہے یہ نہیں کہہ سکتے کہ آئینہ آسمان سے وسیع ہے ہاں آسمان کی مثال اور اس کا عکس جو آئینہ میں دکھائی دیتا ہے وہ آئینہ کے سامنے چھوٹا ہے۔لیکن حقیقت آسمان آئینے سے بہت بڑی ہے۔
حدیث قدسی مذکورہ میں قلب میں سمانے کی گنجائش سے مراد مرتبہ وجوب کی صورت کی گنجائش ہے۔
جیسا کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ فرماتے ہیں کہ حقیقت رب کا سمانا مراد نہیں کیونکہ اللہ تعالی سبحانہ کے لیے کسی شے میں حلول کرنا محال ہے۔لہذا قلب کا لا مکانی ذات کو شامل ہونا لا مکانی کے صورت کے اعتبار سے ہے نہ کہ حقیقت کے لحاظ سے۔حقیقت کے لحاظ سے عرش اور جو کچھ اس میں ہے اس کی ذات واجب کے سامنے کچھ مقدار اور حیثیت نہیں یہ حکم لا مکانی ذات کی حقیقت کے ساتھ مخصوص ہے۔[1]

فراست نور قلب ہے

دو حقیقت فراست دل کے نور کا نام جس سے بندہ مومن پر پوشیدہ راز ظاہر ہو جاتے ہیں۔
اللہ تعالی رب العزت نے اہل فراست کے لیے اپنی قدرت کی نشانیاں ظاہر فرمائی ہیں جیسا کہ قرآن

---

[1] (مکتوب نمبر ۹۵)

حکیم میں فرمایا: اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ۔ ۱

ترجمہ: بے شک اس میں متوسمین کے لیے نشانیاں ہیں۔

امام مفسرین حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں متوسمین سے مراد فراست والے ہیں۔ حافظ ابن قیم لکھتے ہیں اللہ جل شانہ نے اس آیت میں اہل فراست کی مدح کی ہے۔ فراست صادقہ اس قلب کے لیے ہے جو پاک وصاف ہو کر قرب ربانی حاصل کر چکا ہو۔

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کا مقدس فرمان ہے کہ مومن کی فراست سے بچو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ ۲

وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ سے دور اور محجوب ہیں وہ دل کے اس نور سے محروم ہونے کی وجہ سے فراست باطنی کی اہلیت نہیں رکھتے۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا فرماتے ہیں کہ جب بندہ کا دل صاف شفاف آئینہ کی مانند ہو جاتا ہے تو اس کے قلب پر حقائق کی صورتیں منعکس ہوتی ہیں اور اسکی کوئی فراست غلط نہیں ہوتی۔ نور فراست کی وضاحت کیلئے چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے مکہ سے فلسطین میں بیت المقدس کو دیکھ لیا۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں خندق کھودتے وقت شام کے حالات اور شہر صفاء کے شہر پناہ کے دروازے اور مدائن کسریٰ کو دیکھ لیا۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوتے ہوئے غزوہ موتہ میں امراء کی شہادت کو دیکھ لیا اور حبشہ میں نجاشی کی موت کو دیکھ لیا۔

اسی طرح حضرت عمر نے ساریہ کو نہاوند کے پہاڑوں میں دیکھ لیا جبکہ آپ مدینہ منورہ میں تھے حضرت عمر نے مالک بن حارث کو دیکھ کر فرمایا اللہ تعالیٰ اس کو قتل کرے یہ مسلمانوں میں مصیبت کا سبب بنے گا۔ چنانچہ یہ شخص بعد میں سیدنا عثمان غنیؓ کے قاتلین میں شامل تھا۔

---

۱ (سورۃ الحجر، پ۱۴، آیت نمبر ۷۵)، ۲ (ترمذی)

اسی طرح حضرت امام محمد اور حضرت امام شافعیؒ مسجد حرم میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص داخل ہوا۔ حضرت امام محمدؒ نے فرمایا یہ شخص بڑھی ہے جبکہ امام شافعی نے فرمایا یہ لوہار ہے۔ پھر دونوں نے اس سے پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ پہلے میں لوہار تھا مگر اب بڑھی کا کام کرتا ہوں۔ [1]

حضرت ابوسعید حراز فرماتے ہیں ایک دفعہ میں مسجد حرام میں تھا کہ ایک فقیر کو دیکھا جو مسجد میں مانگ رہا تھا میں نے دل میں سوچا کہ ایسے لوگ دنیا پر بوجھ ہوتے ہیں۔ اس فقیر نے میری طرف دیکھ کر فرمایا: اِعۡلَمُوۡا اَنَّ اللّٰہ یَعۡلَمُ مَا فِیۡ اَنۡفُسِکُمۡ فَاحۡذَرُوۡہُ۔

یہ سن کر میں نے دل میں توبہ کی تو اس فقیر نے مجھے آواز دی اور دوسری یہ آیت پڑھی :وَھُوَالَّذِیۡ یَقۡبَلُ التَّوۡبَتَہ عَنۡ عِبَادِہٖ۔

اسی طرح حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کو وضو کے پانی میں گناہ دھلتے ہوئے نظر آتے تھے۔ حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے فرمانبرداروں کے مونہوں کے قریب ہو جو کہیں اس کو سنو کیونکہ ان پر امور صادقہ ظاہر ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ اولیاء اللہ کے لیے مخاطبات اور مکاشفات ہیں۔

---

[1] (دلائل السلوک)

باب نمبر ۷

(روح)

روح کے بارے میں کلام کرنا بہت مشکل ہے اور یہی وجہ ہے کہ ارباب علم و بصیرت نے اس پر خاموشی اختیار کی ہے۔ اللہ تعالی نے بھی روح کو بہت اہم قرار دیا ہے اور فرمایا کہ اس کا بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ روح کے بارے میں اکابرین امت مسلمہ کے چند اقوال پیش خدمت ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت منقول ہے کہ: روح اللہ تعالی کی صفت تخلیق سے نمودار ہوئی۔

ان الروح خلق من خلق اللّٰہ

اور اللہ تعالی سبحانہ نے اس کو بنی آدم کی صورت پر پیدا فرمایا اور جب کوئی فرشتہ آسمان سے نازل ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایک روح ضرور ہوتی ہے حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ روح ایک ایسی چیز ہے جس کا علم صرف خدا تعالی کو ہے اس سلسلہ میں الفاظ کے ذریعہ صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک موجود شے ہے۔

شیخ ابو عبداللہ النباحیؒ فرماتے ہیں کہ روح ایک ایسا لطیف جسم ہے جو حس اور لمس سے بالاتر ہے یعنی اس کو نہ چھوا جا سکتا ہے اور نہ ہی حواس خمسہ ظاہری سے محسوس کیا جا سکتا ہے اور اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ موجود ہے۔ [1]

[1] (عوارف المعارف)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ سے منقول ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار چہرے ہیں اور ہر چہرے میں ستر ہزار زبانیں ہیں اور ہر زبان سے ستر ہزار بولیاں ادا ہوتی ہیں اور وہ فرشتہ ان تمام زبانوں سے سب زبانوں میں اللہ تعالی سبحانہ کی تسبیح بیان کرتا ہے اور ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے جو قیامت تک دوسرے ملائکہ کے ساتھ اڑتا رہے گا۔ [۱]

حضرت محدث اسلام ابوالمعالی اس قول کی تائید کرتے ہیں کہ روح ایک جسم لطیف ہے اور وہ کثیف اجسام میں اس طرح جاری وساری ہے جس طرح پانی سبز شاخوں میں سرایت کر جاتا ہے۔

روح کی اصلت اور حقیقت اللہ تعالی ہی بہتر جانتے ہیں جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا:

قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّی۔ [۲]

ترجمہ: اے میرے حبیب ﷺ آپ فرما دیں کہ روح اللہ کے حکم میں سے ایک حکم ہے۔

اولیاء عظام کے ارشادات کے مطابق روح عالم امر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے جو فوق العرش سے لا کر انسان کو ودیعت کیا گیا ہے۔ لہذا اولیاء کرام کی اصطلاح کے مطابق طریقت و تصوف میں روح سے مراد لطیفہ روح لی جاتی ہے۔ انسان کے سینہ میں لطیفہ روح کا مقام دائیں پستان کے نیچے دو انگشت کے فاصلے پر ہے۔

مذہب اہل سنت و جماعت کے مطابق روح کی تعریف یہ ہے:

اِنَّہٗ جِسْمٌ مُخَالِفٌ یالْمَاھِیَّتِہ لِھَذا لجِسْمِ الْمَحْسُوْسِ وَ ھُوَ جِسْمٌ نُوْرَانِیٌّ عَلَوِی خَفِیْفٌ حَیّی مُتَحَرِّکٌ یَنْفَزُ جِیْ جَوھَرِ الْاعُضَآءِ وَ یَسْرِیْ فِیْھَا سَرْیَانَ الْمَآءِ فِی الْوَرْدِ وَ سَرْیَان الرَّھْنِ فِی الزَّیْتُوْنِ یالنَّارِ فِی الْفَحْم [۳]

---

[۱] (عوارف المعارف)، [۲] (سورۃ بنی اسرآئیل، پ۱۵، آیت نمبر ۸۵)، [۳] (کتاب روح ص ۴۲۲)

روح ایک جسم ہے اپنی ماہیت کے اعتبار سے اس محسوس جسم عنصری کے مخالف ہے۔ وہ جسم نورانی علوی ہلکا، زندہ اور متحرک ہے۔ جو تمام اعضائے جسم میں نفوذ کرتا ہے جسم میں اس کا سریان ایسا ہے جیسے گلاب کے پھول میں پانی اور زیتون میں روغن کا سریان اور کوئلے میں آگ کا سریان ہے۔

روح کی وضاحت حضرت امام ابوالقاسم سہیلی اسطرح بیان فرماتے ہیں: وہ روح بھی جسم ہے مگر ریح یعنی ہوا کی جنس سے ہے۔ اسی وجہ سے اس کو روح سے موسوم کرتے ہیں جو ریح سے مشتق ہے اور نفخِ الْمَلِك، ریح کے معنی میں ہے۔ [1]

امام سہیلی کی وضاحت سے ثابت ہوتا ہے کہ روح کی پیدائش نفح ملک (فرشتہ کے پھونکنے) سے ہوئی اور ملائکہ کی پیدائش نور سے ہے لہذا روح ملائکہ سے زیادہ لطیف ہوئی جیسے جسم انسان کا سانس اس کے جسم سے زیادہ لطیف ہوتا ہے اسی طرح ملائکہ کا سانس ان کے جسم سے زیادہ لطیف ہے۔

روح کی اقسام

روح کی دو قسمیں ہیں جو درج ذیل ہیں۔

ا۔ روح حقیقیہ:

یہ عالم امر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے اس لیے روح حقیقیہ کو لطیفہ روح کا نام دیا جاتا ہے یہ انسان کے دس اجزاء میں سے ایک ہے۔

قرآن حکیم میں اس کو امر بی کہا گیا ہے: قُلِ الرُّوُحُ مِنُ اَمُرِ رَبِیّ۔ [2]

ترجمہ: اے حبیب کریم ﷺ آپ فرما دیں کہ روح اللہ تعالی کے حکم سے ہے۔

---

[1] (روض الانف)، [2] (سورۃ بنی اسرآئیل، پ۱۵، آیت نمبر ۸۵)

۲۔روح منفوخہ:

یہ وہ روح ہے جو بذریعہ فرشتہ شکم مادر میں موجود بچے میں پھونکی جاتی ہے اس روح کے جسم میں داخل ہونے سے ظاہری دنیاوی زندگی کی ابتدا ہو جاتی ہے اور جب جسم انسانی سے اس پھونکی جانے والی روح کو قبض کر لیا جاتا ہے تو انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالی رب العزت نے ارشاد فرمایا: وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ [1]

ترجمہ: اور میں نے اس میں اپنی روح پھونکی۔

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ مجددی پانی پتی اس آیت مبارکہ کی تفسیر اس طرح بیان فرماتے ہیں۔ روح کی دو قسمیں ہیں۔ [2]

۱۔روح علوی **۲۔روح سفلی**

۱۔روح علوی:

روح علوی اللہ تعالی کی مخلوق تو ہے لیکن مادی نہیں بلکہ مجرد ہے۔نظر کشفی سے جس کا محل عرش کے اوپر معلوم ہوتا ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ بھی روح کے مجرد ہونے کے ہی قائل ہیں جبکہ جمہور متکلمین کے نزدیک یہ جسم لطیف ہے جو اپنی ماہیت وصفت کے اعتبار سے دیگر اجسام سے مختلف ہے اور جسم میں یوں حلول کئے ہوئے ہے جیسے زیتون کے دانہ میں تیل یا کوئلہ میں آگ۔

---

[1] (سورۃ الحجر، پ۱۴، آیت نمبر۲۹)، [2] (تفسیر مظہری)

۲۔روح سفلی:

روح سفلی اس لطیف بخار کو کہتے ہیں جو عناصر اربعہ (آب، خاک، نار، باد) سے پیدا ہوتا ہے اسی کو نفس بھی کہا جاتا ہے۔ یہی سفلی روح علوی روح کا آئینہ ہے جس میں وہ (علوی روح) ظاہر ہوتی ہے۔ روح کو اللہ تعالی نے جو اپنی طرف مضاف فرمایا ہے یہ اضافت تبعیفیہ نہیں بلکہ یہ اضافت تشریفیہ ہے جو اس کی شرافت و کرامت پر دال ہے۔ جس طرح بیت اللہ اور ناقتہ اللہ وغیر ہا کہا جاتا ہے اس اضافت کی بدولت تجلیات رحمانیہ کی قبولیت کی استعداد محض اسی میں پائی جاتی ہے اور اسی بناء پر اسے خلافت کا مستحق قرار دیا گیا اور نور معرفت اور نار عشق کا اہل ٹھہرا اور تجلیات ذاتیہ وصفایہ وظلالیہ کا مہبط بنا۔ [۱]

روح کا قربِ الٰہی کے لیے عروج

روح ایک نوری لطیفہ ہے جس کا اصلی مقام عالم امر ہے جو کہ عرش کے اوپر ہے۔ فرشتوں کی طرح روح بھی ایک مقام پر ٹھہری ہوئی تھی اور اس کی ترقی رکی ہوئی تھی۔ اللہ تعالی سبحانہ نے روح کی فطرت میں ترقی اور عروج کی استعداد رکھی ہوئی تھی مگر وہاں اس کو عروج کے لیے سواری اور اسباب میسر نہیں تھے۔ جبکہ عالم اسباب میں قرب الٰہی مجاہدہ پر موقوف تھا۔ اس لیے اللہ تعالی رب العزت کی حکمت ازلی کا جب تقاضا ہوا کہ روح ترقی کر کے قرب ربانی سے مشرف ہو جائے تو اس وقت روح کو مجاہدہ کی منزل طے کرانے کے لیے نیچے اتارا گیا اور انسان کے جسم میں اس کو روح کے مدمقابل رکھا گیا کیونکہ نفس کے اندر اللہ تعالی کے احکامات سے نافرمانی اور بغاوت کی صفات رکھی

---

۱ (تفسیر مظہری)

ہوئی تھیں اسلیئے روح کونفسانی خواہشات کی مخلفت کا حکم دیا گیااور روح کا فطرتی مزاج بھی اللہ تعالی کی بندگی اور اطاعت پر مبنی تھا اب جب روح اور نفس کو مدمقابل کھڑا کر دیا گیا تو ان دونوں کے درمیان قلب انسانی ایک برزخ کی حیثیت سے آ گیا۔جسم انسانی میں ایک کشمکش اور مقابلہ کی صورت پیدا ہوتی ہے۔روح اللہ تعالی کی محبت،اطاعت قرب اور رضا کی طرف دل کو راغب کرنے کی کوشش کرتی ہے۔جبکہ نفس امارہ دل کو احکامات الھیہ کے خلاف کام کرنے کی ترغیب دیتا ہے اس لیے انبیاء کرام اور اولیاء تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں تا کہ قلب اور نفس کی مطابقت روح سے ہو جائے چنانچہ جب روح نافرمانوں اور عاصیوں کے جسموں میں داخل ہوتی ہے تو نفس کے غلبہ کی وجہ سے نفسانی خواہشات سے مغلوب ہو جاتی ہے۔اسطرح روح نفس میں فانی ہو کر عالم امر کو بھول جاتی ہے اور گناہوں کی آلودگی اور کثافت کی وجہ سے قرب الہی کے لیے پرواز نہیں کر سکتی جبکہ صالح و متقی مومنوں کے جسموں میں داخل ہونے والی روح نفس کو بطور سواری استعمال کرتے ہوئے عالم امر کی طرف عروج کرتی ہے بلکہ عالم امر سے بھی گزر کر اللہ تعالی سبحانہ کی تجلی صفات کے ظہور سے فنا کی دولت حاصل کرتی ہے اور پھر انہی صفات قدس کے ساتھ بقا کی نعمت سے سرفراز کر دی جاتی ہے۔اس روحانی عروج کے دوران روح نفس کو اپنے ساتھ عالم وجوب کی طرف لے جاتی ہے اور اس پرواز میں نفس روح کے انوار میں جزب کیا ہوا ہوتا ہے جب نفس اپنے مبداء فیض تک پہنچ کر مطمئنہ ہو جاتا ہے اور روح سے جدا ہو کر واپس عالم شہود میں نزول کر لیتا ہے یعنی واپس آ جاتا ہے اور دعوت خلق کی ذمہ داری کے لیے تیار ہوتا ہے۔اب ایک ہی وقت میں ولی کامل کی روح عالم وجوب سے استفادہ کرتی ہے اور اس کا نفس عالم شہود میں مخلوق کو فائدہ پہنچاتا ہے ایسے کاملین شخصیات جن کا نفس مطمئنہ ہو کر روح سے جدا ہو جائے روحانیین کہلاتی ہیں۔جب سالک روح اور نفس کی دونوں جہتوں کا جامع بن جاتا ہے تو ایک طرف سے فائدہ حاصل کرنے والا ہوتا اور دوسری

طرف فائدہ پہنچانے والا بن جاتا ہے۔یعنی سالک کی روح عالم قدس سے متعلق رہتی ہے اور نفس عالم شہادت سے منسلک ہوتا ہے۔سالک اللہ تعالی کی عطاء خاص سے جب حصہ ملتا ہے تو اس کی روح بھی نفس کی طرح نزول کر کے عالم شہود میں واپس آ جاتی ہے یہ بہت ہی اکملیت اور افضلیت کا درجہ ہوتا ہے یہ نعمت عظمی کمالات نبوت کے فیضان سے سیراب ہونے والوں کو عطا کی جاتی ہے جو دعوت وارشاد کے منصب پر فائز کیے جاتے ہیں۔ اسی لیے عارف رومی فرماتے ہیں :

ہر کرا جامہ زعشقے چاک شد　　　　اوزحرص وعیب کلی پاک شد

یعنی جو کوئی عشق ربانی کے غلبے سے کدورت بشریہ کا لباس چاک کر دیتا ہے تو وہ ہر قسم کی حرص اور عیب سے مکمل طور پر پاک ہو جاتا ہے۔

جب عارف اپنے مبداء فیض تک رسائی حاصل کر لیتا ہے تو اس وقت اس کی روح عروج کرتی ہے اور اس کا نفس نزول کرتا ہے عروج کی حالت میں روح کی توجہ عالم وجوب کی طرف ہوتی ہے اس موقع پر عارف روح کے اعتبار سے حاضر، واجد اور مقبل ہوتا ہے اور نفس کے اعتبار سے غائب، فاقد اور معرض ہوتا ہے۔اب عارف کا ایمان بالمشاہدہ ہوتا ہے روح کے اعتبار کی حیثیت سے جب وہ نزول کر لیتا ہے اس حالت نزول میں نفس کے اعتبار سے ایمان غیبی ہوتا ہے عروج کی حالت میں عالم امکان فراموش رہتا ہے اور عالم وجوب شہود ہوتا ہے جبکہ مکمل نزل کے بعد ایمان ایمان شہودی ایمان غیبی کے ساتھ بدل چکا ہوتا ہے۔وصل کے بعد طلب نہیں رہتی اب یہ کامل عارف دعوت خلق کے مرتبے پر فائز کر دیا جاتا ہے۔مزید وضاحت پیش خدمت ہے کہ عارف علمی اعتبار سے موجود پانے والا اور متوجہ ہوتا ہے جبکہ ذوقی اعتبار سے غائب نہ پانے والا اور منہ پھیرنے والا ہوتا

ہے۔ پس عارف کا ظاہر بقا ہے اس کا باطن فنا۔ عین بقا کی حالت میں فانی ہے اور عین فنا کی حالت میں باقی ہے اب نزول کے بعد فنا علمی ہے یعنی حالت فنا گزرنے کا علم ہوتا ہے جبکہ بقا ذوقی یعنی انکاس صفات سے اخلاق اللہ سے رنگین ہوا اور نمونہ بن گیا۔

روح کا فعل وتصرف

جس طرح اولیاء کرام کے لطائف باطنیہ کا مختلف صورتوں میں مشکل سے ہوتا ایک حقیقت ثابتہ ہے بالکل اسی طرح انبیاء کرام، شہداء اور اولیاء عظام کی ارواح بھی اجسام کی طرح مختلف افعال سرانجام دیتی ہیں ان خاص شخصیات کے ارواح کے افعال وتصرفات کے لیے زندگی اور موت کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ یہ حقیقت شریعت اسلامیہ سے ثابت شدہ ہے۔ یہ امر ارباب کشف وشہود اور اصحاب وجد وقلب سے پوشیدہ نہیں ہے۔ خلاف عادت روح سے افعال کا سرانجام پانا درحقیقت اللہ رب العزت کی قدرت کاملہ کا ظہور ہوتا ہے۔ حضرات انبیاء کرام سے ظاہر ہونے والی چیزیں معجزات کہلاتی ہیں جبکہ اولیاء کرام سے ظاہر ہونے والی چیزیں کرامات ہوتی ہیں۔

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددیؒ ارواح کے تصرفات وکرامات کے بارے میں لکھتے ہیں: اِنَّ اللّٰہ تَعَالٰی یُعْطِیْ لِاَرْوَاحِھِمْ قُوَّۃَ الاجْسَادِ فیزھبون مِنَ الْاَرْضِ الی وَ السَّمَاءِ وَالْجَنّتہِ حَیْثُ یَشَاءُ وْن وَ یَنْصُرُوْنَ اَوْلِیَاءَ ھُمْ وَ یُدَمّرُوْنَ اَعْدَاء ھُمْ ان شاءَ اللہ تعالی۔[1]

---

[1] (تفسیر مظہری جلد اول)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ ان ارواح کو جسمانی قوت عطا فرماتا ہے پس وہ زمین آسمان اور جنت جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں اور اگر چاہیں تو اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔

حضرت علامہ ثناء اللہ مجددیؒ دوسرے مقام پر اولیاء کی ارواح کی طاقت کا ذکر اسطرح فرماتے ہیں صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ہماری روحیں ہی ہمارے جسم ہیں۔ اور ہمارے جسم ہی ہماری روحیں ہیں اور کثیر اولیاء سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ بعد از وصال اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اور جسے اللہ تعالیٰ چاہے اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی رہنمائی کرتے ہیں۔ [۱]

وارث کمالات محمدیہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقیؒ اولیاء کی ارواح کے تصرفات وافعال کے ثبوت میں اس طرح فرماتے ہیں: میرے مخدوم! روح کا ایسے افعال کا اختیار کرنا اور کر گزرنا جو اجسام کے مناسب ہیں جیسے کہ دشمنوں کا ہلاک کرنا اور دوستوں کی مدد کرنا وغیرہ اسی قسم سے ہے۔ [۲]

حضرت سیدنا یعقوب علیہ السلام اپنی جسمانی شکل مبارک میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس تشریف فرما ہوئے اور آپؑ کو ذلیخا سے دور رہنے کا حکم فرمایا اگرچہ سیدنا یوسف علیہ السلام معصوم اور طبعی میلان سے بالکل پاک نفس مطمئنہ والے تھے۔

اسی طرح سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان کہ میں مختلف انبیاء کرام کو اونٹنیوں پر سوار حج کے لیے جاتے ہوئے مشاہدہ فرمایا۔

---

۱ (تفسیر مظہری جلد اول)، ۲ (مکتوب ۲۳۹ جلد دوم)

اسی طرح حضرت حضر علیہ السلام کا بعد از وفات جسمانی شکل میں تواتر کے ساتھ اولیاء کے ساتھ ملاقات کرنا اور مختلف امور نمٹانا بھی روح کے تصرفات و افعال پر واضح دلیل ہے۔

حضرت محمد بن عنان اکابر اولیاء میں سے ہیں اور امام شعرانی کے شیخ ہیں ان کی بیوہ کو ایک شخص نے نکاح کیلئے کہا۔ عصر کے وقت اس پر غنودگی طاری ہوئے۔ اس حالت میں شیخ نے فرمایا تجھ پر ساری دنیا تنگ ہوگئی اور تو نے سوائے میری ہمبستر کے اور کسی کو نہ پایا۔ یہ کہہ کر شیخ نے اس شخص کو نیزہ مارا تو وہ شخص گھبرا کر اٹھا تو اس کے پہلو پر زخم تھا جس سے وہ مر گیا۔ اس واقعہ پر بحث فرماتے ہوئے علامہ مناویؒ لکھتے ہیں کہ درویشوں کے لگائے ہوئے زخم پر کوئی دوا فائدہ نہیں دیتی کیونکہ اس میں ان کی روح کارفرما ہوتی ہے۔ [1]

کاملین امت کی روحانی قوت اور طاقت کے سمجھنے کے لیے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا ایک مکتوب پیش خدمت ہے جو انہوں نے سیدنا مولائے علی المرتضی کی روح کی طاقت اور تصرف کے حوالے سے لکھا جس میں آپؓ کی پیدائش عنصری، حیات ظاہری اور بعد از وفات روح کے فعل اور تصرف کو ثابت کیا:

اللہ تعالیٰ تک راہ ولایت کے ذریعے پہنچنے والوں کے امام اور پیشوا، اولیاء کے سردار اور فیض و برکت کا منبع حضرت سیدنا علی المرتضےؓ کی ذات ہے۔ یہ منصب عظیم آپؓ سے تعلق رکھتا ہے۔ گویا اس میں سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کے دونوں قدم حضرت علی مرتضیؓ کے سر مبارک پر ہیں اور حضرت مخدومہ سیدہ طاہرہ فاطمۃ الزہراؓ اور حسنین کریمین بھی اس مقام میں آپ کے ساتھ شریک ہیں۔ میرا گمان ہے کہ دنیا میں وجود عنصری کے ساتھ تشریف لانے سے قبل بھی سیدنا حضرت علی المرتضیؓ اس مقام

[1] (جمال الاولیاء)

تربیت میں اقطاب واوتاد کے ملجا و ماوی تھے۔ جس طرح کے بعد از پیدائش ملجا و ماوی ہیں جو بزرگ بھی قطبیب وغیرہ کے درجے پر فائز ہوتا ہے اور جس کو جو فیض اور ہدایت ملتی ہے وہ سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ کے وسیلہ وواسطہ سے ملتی ہے کیونکہ آپ اس کے نقطہ انتہائی کے قریب ہیں۔ [1]

مولانا اشرف علی تھانوی رقمطراز ہیں کہ انکے مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے انکو تشفی دیتے ہوئے فرمایا کہ فقیر مرتا نہیں صرف ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال کرتا ہے فقیر کی قبر سے وہی فائدہ حاصل ہوگا جو ظاہر زندگی میں میری ذات سے ہوتا تھا میں نے اپنے حضرت کی قبر سے وہی فائدہ اٹھایا جو حالت حیات میں اٹھاتا تھا۔ [2]

روح جسم لطیف نورانی

روح نور سے بھی زیادہ جسم لطیف ہے مگر اس کی حقیقت اللہ تعالی رب العزت نے سوال کرنے کے باوجود نہیں بتائی حالانکہ فرشتوں، جنوں اور انسانوں کی پیدائش بغیر پوچھے بتا دی۔ اللہ تعالی سبحانہ نے اس کے بارے میں صرف اتنا ہی بتایا کہ : قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ [3]

ترجمہ: کہہ دو کہ روح تو میرے رب کے امر سے ہے۔

اگر اس کی پیدائش کسی مادہ مثلاً پانی، ہوا، آگ یا مٹی وغیرہ سے ہوتی تو انسان کو اطلاع کر دی جاتی۔ روح کا جسم لطیف ہونا اور اس جسم عنصری کا مخالف ہونا قرآن حکیم سے ظاہر ہوتا ہے:

فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ [4]

پس جب میں بدن آدم کو پورا بنا لوں اور روح اس میں پھونک لوں۔

---

[1] (مکتوب امام ربانی)، [2] (امداد المشتاق)، [3] (سورۃ بنی اسرائیل، پ۱۵، آیت نمبر ۸۵)، [4] (سورۃ الحجر، پ۱۴، آیت نمبر ۲۹)

اس آیت مبارکہ سے بدن کا مناسب انداز سے بنانا پہلے ذکر ہوا اور روح کا پھونکنا بعد میں بیان فرمایا۔ پس اس سے بدن اور روح کا مختلف ہونا ظاہر ہوتا ہے اور روح کا جسم لطیف ہونا ثابت ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کی دوسری آیت مبارکہ سے بھی رہنمائی حاصل ہوتی ہے: ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ۔ ۱؎

ترجمہ: پھر ہم نے اس کو دوسری مخلوق بنا کر اٹھایا۔

جسم انسانی کو وجود میں لانے کے لیے اسے منی، خون، گوشت، ہڈی اور ہڈی پر گوشت چڑھانے کے مراحل سے گزارا گیا اور بدن بنایا گیا پھر اس میں روح پھونک کر اس کو دوسری مخلوق بنا دیا۔ اس سے روح کا بدن میں سریان کرنا ظاہر ہوا پس ثابت ہوا کہ روح جسم لطیف رکھنے والی مستقل حقیقت ہے جو جسم کثیف میں سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ارشاد گرامی سے مزید وضاحت اسطرح ظاہر ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: بدن کو حرکت دینے والا روح ہے۔ اور روح کو حرکت و زندگی نور سے ملتی ہے۔ اور نور کو حیات و حرکت عطا کرنے والا ذات باری تعالی ہے۔ مرے عزیز اس مقام کو کما حقہ سمجھنا محال ہے۔ رات دن ذکر و فکر، سیر ملکوتی اور عالم بالا میں پرواز سوائے طالب صادق اور بغیر مرشد کامل کی توجہ کے ممکن نہیں۔ ۲؎

روح کی شکل وصورت

روح جسم لطیف نورانی ہے اور اس کی شکل اس جسم کثیف کے عین مطابق ہوتی ہے جس بدن کا وہ روح ہے۔ قد و قامت اور ہیت میں ہو بہو اس جسم کے مطابق ہوتی ہے جمہور علمائے اسلام

۱؎ (سورۃ المؤمنون، پ ۱۸، آیت نمبر ۱۴)، ۲؎ (فتاویٰ عزیزیہ ۲: ۱۱۲)

اسکے قائل ہیں۔ علامہ بونی لکھتے ہیں:قال الامام مالك و هو من المحقیقین قال روح هی صورة نورانیه علی شاکلته الجسم تماما [1]

امام مالک جو محققین میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ روح نورانی جسم ہے جو مکمل طور پر اس بدن کی شکل پر ہوتا ہے جس میں وہ ہے۔

حضرت سید محمود آلوسی بغدادی فرماتے ہیں کہ پہلے یہ سمجھو کہ مسلمانوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ انسان کیا چیز ہے کہا گیا ہے کہ وہ ایک شکل محسوس ہے جس میں اجزا اس طرح جاری وساری ہیں جیسے پھول میں نمی اور انگارے میں آگ اور یہ جسم لطیف نورانی ہے جو حقیقت اور ماہیت میں ان اجسام سے مختلف ہے جن سے یہ شکل محسوسہ مرکب ہے۔ یہ روح اس بدن میں جاری وساری ہے اور شکل وصورت میں اس کے مشابہ ہے۔ [2]

حضرت انور شاہ صاحب فرماتے ہیں: جہان تک روح کا تعلق ہے اہل اسلام کے نزدیک وہ لطیف جسم ہے اور اسی بدن کی شکل پر ہوتا ہے جس میں وہ ہو۔ روح کی اس جسمیت پر احادیث سے استدلال کیا گیا ہے جیسا کہ براء بن عازبؓ میں وارد ہے فرشتہ روح کو بدن سے یوں کھینچ لیتا ہے جیسا کہ سیخ گیلی اون سے کھنچی جاتی ہے۔۔۔اور دسری احادیث جسمیت روح پر دلالت کرتی ہیں۔ [3]

روح کے اعضاء بہت ہی لطیف ہیں اس لیے لطیف چیزیں اسے دیکھ یا سن سکتی ہیں مثلا ملائکہ، انبیاء اور اولیاء کے لطائف باطنیہ۔ روح کو مادی دنیا اپنی کثافت کی وجہ سے مادی آنکھوں سے نہ دیکھ سکتی اور نہ مادی کانوں سے سن سکتی ہے۔

روح کے اعضاء کے متعلق بخاری شریف میں بحث اسطرح ہے: جسم کی شکل کے مطابق

---

[1] (رسالہ روح وباھیتھا)، [2] (تفسیر روح المانی)، [3] (صفحہ ۱۰، عرف شندی)

روح کی بھی لطیف صورت کی بھی دو آنکھیں ہیں۔کان ہیں۔ ہاتھ اور پاؤں ہیں بلکہ روح کے ہر عضو کی نظیر بدن انسانی میں موجود ہے اور روح کی حقیقت کو اللہ تعالی نے مبہم رکھا اور اسکی تفصیل چھوڑ دی۔ [1]

روح جب بدن میں داخل ہوتی ہے تو بدن کی خصوصیات ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں مثلا بچپن، جوانی اور بڑھاپا اور روح جسم کے مطابق رویہ ظاہر کر رہی ہوتی ہے جیسے بچپن میں ذہن، عقل اور ادراک وغیرہ کا ناقص ہونا پھر رفتہ رفتہ عمر کے ساتھ ان صلاحیتوں کا بڑھنا۔ ورنہ روح تو اپنی پیدائش کے وقت ہی سے عاقل، بالغ، ذی فہم اور صاحب فراست وشعور دکھائی دیتی ہے۔ اسی لیے روح کو جب اللہ تعالی کی طرف سے: اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کا سوال ہوتو روح نے بلیٰ یعنی ہاں کی صورت میں جواب دیا کہ اے اللہ تعالی رب العزت تو ہی ہمارا رب ہے۔

ارواح سے کلام وملاقات (مشاہدہ)

موت حیات ابدی کے نقطۂ آغاز کا کام سرانجام دیتی ہے۔ کفر وشرک پر مرنے والوں کے لیے عذاب کی ابتداء ہوتی ہے۔ جبکہ صالحین مومنوں پر عطا اور ثواب شروع ہو جاتا ہے۔ اہلسنت کے مذہب کے مطابق جسم اور روح دونوں پر عذاب وثواب وارد ہوتا ہے۔ عام لوگوں کی نسبت اولیا کرام اور انبیاء عظام کی ارواح بہت قوی اور طاقت ور ہوتی ہیں۔ ہمارے پیش نظر اروح سے ہمکلامی اور ملاقات کا موضوع پیش نظر ہے۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں: اطلع النبی ﷺ علی اهل القليب، فقال هل

[1] (بخاری شریف)

اوجدتم ما وعدکم ربکم حقا۔ فقال له تدعوا امواتا قال ما انتم باسمع منهم و لکن لا یجیبون ۔[1]

ترجمہ: سیدنا حضور نبی کریم ﷺ بدر کے کنویں میں پھینکے ہوئے کفار مقتولین پر کھڑے ہو گئے۔ پس آپ نے فرمایا کہ تم نے اپنے رب کے وعدہ کو صحیح اور سچا نہیں پایا؟ تو آپ سے عرض کیا گیا آپ ﷺ مردوں کو سناتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم اس سے زیادہ سننے والے نہیں لیکن وہ جواب نہیں دیتے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص جب اپنے مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جسے صاحب قبر دنیا میں جانتا تھا پس سلام کرتا ہے تو صاحب قبر اسے پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔[2]

اسی طرح سیدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں میں حجرہ اقدس میں داخل ہوتی تھی جس میں رسول اکرم ﷺ اور میرے والد آرام فرما ہیں۔ میں پردے کا اہتمام نہ کرتی اور کہتی کہ یہ میرے خاوند اور باپ ہیں اور جب حضرت عمر فاروقؓ وہاں مدفون ہوئے تو میں حجرہ میں پردے کے بغیر ہرگز داخل نہ ہوتی۔ حضرت عمر سے حیا کرتے ہوئے۔ [3]

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میرے والد (ابوبکر صدیقؓ) جب بیمار ہوئے تو انہوں نے وصیت کی مجھے حضور ﷺ کی قبر اطہر کے پاس لے جانا اور اجازت طلب کرنا اور یہ کہنا کو ابوبکر ہیں یارسول اللہ ﷺ آپ کے پاس دفن کر دیں اگر وہ اجازت دیں تو مجھے وہاں دفن کر دیں اور اگر اجازت نہ دیں تو مجھے جنت البقیع میں لے جانا۔ پس آپؓ کو حجرہ مبارک کے دروازے پر لے جایا

---

[1] (صحیح بخاری)، [2] (شرح الصدور)، [3] (مسند احمد بن حنبل)

گیا اور کہا گیا کہ یہ ابوبکر ہیں آپ ﷺ کے پاس دفن کی خواہش رکھتے ہیں پس ہمیں جواب ملا کہ تم داخل کر دو۔ ہم نے کلام سنا اور کسی کو دیکھا نہیں۔

اس روایت سے حضرت ابوبکر صدیق اور دوسرے تمام صحابہ کرام کا عقیدہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام زندہ ہیں اور سنتے ہیں اور اس کا جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں جیسا کہ صحابہ کرام کا فرمان ہے کہ ابوبکر صدیق کی اجازت کے لیے آواز آپ ﷺ کی آواز تھی۔ جسطرح آپ ﷺ کی حیات ظاہری میں آواز ہوا کرتی تھی۔

معراج کی رات بیت المقدس میں تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو رسول ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھنے کے لیے جمع کیا گیا۔ تمام انبیاء کرام ارواح مع الاجساد میں حاضر ہوئے تھے پھر جب آقا علیہ الصلوۃ والسلام جب آسمانوں پر تشریف لے گئے تو وہاں آپ ﷺ کی ملاقات انبیاء کرام سے ہوئی اس کی تفصیل مسلم شریف میں موجود ہے۔ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کی یہ شان عظیم تھی کہ آپ ﷺ عام زندگی مبارک میں سابقہ انبیاء کرام اور دوسرے لوگوں کو دیکھ لیتے تھے جیسا کہ حضرت علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: امر دوم یہ کہ نبی ﷺ اس دنیوی زندگی میں انبیاء کو دیکھتے اور ان سے ملاقات کرتے تھے جیسا کہ گزر چکا ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو طواف میں دیکھا اور یہ صحیح ہے کہ آپ ﷺ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے جب وہ نماز پڑھ رہے تھے اور یہ صحیح ہے کہ سیدنا حضور ﷺ نے فرمایا انبیاء زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب زمین پر واپس آئیں گے تو انبیاء کو دیکھیں گے اور ان سے ملاقات کریں گے ان میں سے ایک حضور ﷺ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو سیدنا حضور ﷺ سے احکام شریعت حاصل کریں گے جن احکام کے وہ محتاج ہوں گے۔ [1]

---

[1] (الحاوی للفتاوی۔۲:۲۹۱)

حضرات انبیاء کرام علیھم السلام کی روحانی طاقت کا اندازہ عقل انسانی سے بہت ہی بلند ہے کیونکہ ان بے مثل ہستیوں کی ظاہری و باطنی انوارات کی فیضیابی اللہ تعالی رب العزت جلا شانہٗ کی طرف سے ہوتی ہے۔

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کے امت اولیا کرام کی روحانی طاقت بھی تسلیم شدہ ہے جو آپ ﷺ سے فیض یافتہ ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالی کشف قبور اور روحانی معاملات اپنے خاص بندوں کو مطلع فرماتا ہے۔عوام کو مطلع نہ کرنے میں حکمت یہ کہ ایمان بالغیب کا سوال باقی نہیں رہتا اور لوگ ڈر کے مارے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دیتے۔ عالم برزخ اور عالم ملکوت کی چیزیں مادی آنکھوں کی دسترس سے باہر ہیں اور مادی کانوں کی سماعت بھی وہاں کام نہیں کرسکتی۔ جب کہ عالم برزخ اور عالم ملکوت کے معاملات حواص باطنیہ جن کو لطائف کہا جاتا ہے سے اولیاء کرام پر اللہ تعالی منکشف فرماتے ہیں۔

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ظاہر ہے کہ اللہ تعالی نے ان چیزوں کے مشاہدہ سے عام لوگوں کی نگاہ کو روک رکھا ہے ایسا نہ ہو کہ وہ دفن کرنا ہی چھوڑ دیں اور مادی اعضاء کو یہ قدرت ہی نہیں دی گئی کہ عالم ملکوت کے امور کا مشاہدہ کرسکیں۔ [1]

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اور اولیاء کی سماعت اور مشاہدہ کی طاقت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں: میں کہتا ہوں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ارباب حال کو یہی حالت پیش آتی ہے اور اسی حالت میں مشاہدہ کرتے ہیں اور سنتے ہیں اور صحابہ کرامؓ کی شان یہ ہے کہ وہ تو ارباب حال کے سردار ہیں۔ [2]

---

[1] (فتح الباری شرح بخاری)، [2] (الحاوی للفتاوی)

حضرت حافظ ابن قیم فرماتے ہیں جب اللہ تعالی بعض خاص بندوں کو (قبر کے حالات) پر مطلع کرنا چاہے کر دیتا ہے اور بعض بندوں کو اطلاع نہیں دیتا کیونکہ اگر تمام لوگوں کو مطلع کر دے تو مکلّف ہوئے اور غیب پر ایمان لانے کا سوال اٹھ جائے اور لوگ دفن کرنا چھوڑ دیتے جیسا کہ صحیحین (بخاری اور مسلم) میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر دفن کرنا نہ چھوڑ دیتے تو میں اللہ تعالی سے دعا کرتا کہ تمھیں عذاب قبر سنا دیتا جیسا کہ میں سنتا ہوں۔

اس کے بعد آگے مزید لکھتے ہیں کہ قبر میں جہنم کی آگ کا دیکھنا ایسا ہے کہ جیسا ملائکہ اور جنو ں کو دیکھنا۔ جب اللہ تعالی چاہے کبھی کبھی دکھا دیتا ہے۔ [1]

ارواح سے متعلق روحانی احوال اور انکشافات کا انکار کرنے والوں کے متعلق حضرت علامہ سید محمد حریری فرماتے ہیں کہ: لوگ ان کرامات کا انکار بوجہ حجاب کی کثافت، گناہوں کی آلودگی اور دنیا سے تعلق کی بنیاد پر کرتے ہیں اس کے باوجود وہ چاہتے ہیں کہ اولیاء کے اسرار سے مطلع ہو جائیں جو محال ہے ان منکرین میں ان ظالم علماء کا ذکر خصوصیت سے آتا ہے۔ جو عارضی دنیوی اغراض سے چمٹے ہوئے ہیں۔ جو حریص الطبع ہیں اور حکام و امراء کے دروازوں پر جبہ سائی کرتے ہیں پھر چاہتے ہیں کہ ان اسرار کو دیکھ لیں حالانکہ ان کے نفوس ان آلودگیوں میں ملوث ہیں جب ان کو یہاں تک رسائی حاصل نہیں ہو سکتی تو کرامات اولیاء کا انکار کر دیتے ہیں اور اسے محدود علم ظاہری میں محصور سمجھتے ہیں وہ سب کے سب یا غالب اکثریت اپنی جانوں کے لیے اور دوسرے لوگوں کے لیے بھی شر اور وبال ہیں۔ [2]

---

[1] (کتاب الروح)، [2] (کتاب الروح وماہیتھا)

حضرت شیخ عفیف الدین یافعی کا فرمان ہے کہ اولیاء اللہ پر ایسے حالات وارد ہوتے ہیں کہ جن میں وہ آسمان اور زمینوں کے حقائق کا مشاہدہ کرتے ہیں اور انبیاء علیھم السلام کو مردہ نہیں بلکہ زندہ دیکھتے ہیں جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت موسی علیہ السلام کو ان کی قبر میں زندہ دیکھا۔ علامہ وزیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ علم سلوک بہت گہرا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں مکاشفہ کی کشتی کے بغیر اس سمندر میں سفر کرنا درست نہیں اور یہ ایک سیاہ رات ہے جس میں مشاہدہ کے چاند کے طلوع ہونے کے بغیر سفر کرنا درست نہیں۔ یہ علوم ضروری اور بدیہی ہیں۔ تجربہ کے تواتر کے ساتھ اصحاب ریاضت سے ثابت ہیں جنھوں نے تخلیہ کو لازم سمجھا اور وہ بیداری میں وہ چیزیں دیکھتے ہیں اور وہ مخاطب کو دیکھے بغیر اس کا کلام سنتے ہیں جو دوسرے لوگ خواب میں دیکھتے ہیں۔[1]

حضور اکرم ﷺ سے بیداری میں کلام روحانی

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کا اپنی امت کے خواص سے حالت بیداری میں کلام روحانی ثابت ہے۔ آپ ﷺ کے اصحابہ کرام، تابعین اور زمانہ بعد کے دوسرے اولیاء کرام کو یہ سعادت حاصل ہوئی۔ یہ تاریخ اسلامی کی زینت ہے یہ آپ کی حیات اور تصرفات پر دلیل ہے اور مذہب اسلام کی حقانیت وسچائی کا بھی ثبوت ہے۔

حضرت مولائے علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جاتے ہوئے تین دن گزرے تھے کہ ایک اعرابی آیا۔ اس نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی اور عرض کیا میں نے اپنی جان پر ظلم کیا میں آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں تا کہ میرے لیے آپ ﷺ بخشش طلب

---

[1] (الروض الباسم)

کریں: وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَآءُ وْكَ فَاسْتَغْفَرُو اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَلَھُمْ لَھُمُ الرَّسُوْلُ۔ [1]

ترجمہ: اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر چکے ہوں تو آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں اور آپ ﷺ بھی ان کے لیے بخشش کی دعا فرمائیں تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔

اس کے بعد اعرابی کو یہ جواب عطا ہوا: فنودی من القبر انه قَدْغفرلك [2]

پس روضہ اطہر سے ندا آئی تحقیق تجھے بخش دیا گیا۔

اس سے صحابہ کرامؓ کا عقیدہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی حیات، کلام سننے اور بخشش کروانے کا عقیدہ رکھتے تھے۔

حضرت ابراہیم بن شیبان کہتے ہیں کہ میں حج سے فارغ ہوا پھر مدینہ منورہ حاضر ہوا اور میں نے قبر اطہر کے سامنے جا کر سلام عرض کیا تو میں نے حجرہ منورہ سے وعلیک السلام کی آواز سنی۔ [3]

اسی طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جب روضہ اطہر پر حاضر ہو کر سلام پیش کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: وعليك السلام يا امام المسلمين۔

ترجمہ: اے مسلمانوں کے امام تجھ پر سلامتی ہو۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی غوث صمدانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ظہر سے پہلے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا بیٹا بات کیوں نہیں کرتے۔ عرض کیا ابا جان! میں عجمی ہوں فصحائے بغداد کی طرح کیسے کلام کر سکتا ہوں۔ فرمایا اپنا منہ کھول میں نے منہ کھولا۔ آپ ﷺ نے

---

[1] (سورۃ النسآء، پ۵، آیت نمبر ۶۴)، [2] (شواہد الحق)، [3] (القول البدیع)

سات مرتبہ میرے منہ میں لعاب دہن ڈالا اور فرمایا کہ لوگوں کو حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے اللہ تعالی کی طرف دعوت دے۔ پھر میں نے ظہر کی نماز پڑھی اور بیٹھ گیا۔ ایک ہجوم میرے گرد جمع ہو گیا پھر میں نے حضرت علیؓ کو اپنے پاس کھڑا ہو دیکھا۔ انہوں نے مجھے وہی کچھ فرمایا جو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا۔ ۱

علامہ عبدالغفارؒ نے حضرت شیخ ابی العباس المرسیؒ کے متعلق لکھا ہے ان کو نبی کریم ﷺ کی ملاقات ہوتی تھی۔ جب آپ سلام عرض کرتے تو سیدنا حضور نبی کریم ﷺ جواب عطا فرماتے اور حضور ﷺ سے گفتگو کرتے تو آپ ﷺ جواب عطا فرماتے۔ ۲

حضرت ابن فارس کہتے ہیں کہ جب میں پانچ برس کا تھا تو شیخ یعقوب سے قرآن مجید پڑھتا تھا ایک روز میں ان کے پاس آیا تو میں نے نبی کریم ﷺ کو عین بیداری میں دیکھا جب میری عمر ۲۱ برس ہوئی تو صبح کی نماز میں میں نے آپ ﷺ کی زیارت کی اور معانقہ فرمایا اور آپ ﷺ نے فرمایا اپنے رب کی نعمت بیان کر۔ اسی طرح حضرت سیدنا نورالدین جب روضہ اطہر پر حاضر ہوئے اور عرض کرتے السلام علیک ایّھا النبی ﷺ جو لوگ وہاں موجود ہوتے وہ آپ ﷺ کا جواب اسطرح سنتے وعلیک السلام یا ولدی۔ اے میرے بیٹے تجھ پر سلامتی ہو۔ ۳

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ شیخ عبدالواحد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حج کیا اور نبی کریم ﷺ کی زیارت کی جب روضہ اطہر کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ابوبکر دیار بکری تشریف لائے اور مواجہ شریف کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ روضہ اطہر سے جواب آیا وعلیک السلام۔ یہ آواز میرے علاوہ جو لوگ وہاں موجود تھے انہوں نے بھی سنی۔

---

۱ (الحاوی للفتاوی)، ۲ (کتاب التوحید)، ۳ (دلائل السلوک)

حضرت سید محمد شاذلیؒ کثرت سے حضور اکرم ﷺ کی زیارت کرتے تھے۔اور کہتے تھے میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ لوگ میرے رویت کا انکار کرتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا جس نے تیری تکذیب کی وہ یہودی یا نصرانی مجوسی ہو کر مرے گا۔

حضرت عبداللہ بن ابی جمرہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیداری میں زیارت اور مجلس کرتا رہتا ہوں۔

حضرت علامہ امام عبدالوھاب شعرانی نے حضرت علامہ سیوطیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بیداری میں ستر سے زائد مرتبہ دیکھا۔ایک مرتبہ سیوطی نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں جنتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں پھر عرض کیا بغیر کسی عذاب کے؟ فرمایا تمھارے لیے ایسا ہی ہے۔

شیخ عطیہ کہتے ہیں کہ میں نے علامہ سیوطی سے ایک مرتبہ اپنی ضرورت کے سلسلے میں سلطان غوری سے ملاقات کرنے کو کہا تو علامہ سیوطی نے جواب دیا کہ میں بیداری میں سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتا ہوں اگر میں سلطان غوری کی خدمت جاؤں تو مجھے حضور ﷺ سے شرم آتی ہے۔ [1]

حضرت شاہ ولی اللہ کے تفہیمات الٰہیہ میں درج ذیل واقعات پیش خدمت ہیں۔ان سے ظاہر ہوتا ہے ان کو کس طرح آپ ﷺ سے علمی اور روحانی ضروریات کے وقت استفادہ کرتے تھے۔

۱۔ میں نے حضور اکرم ﷺ سے حدیث کنت نبیاًوّ آدم کے معنی کے متعلق روحانی طور پر سوال عرض کیا تو آپ ﷺ کی روح پرفتوح نے میرے دل پر القا فرمایا۔

---

[1] (الیوقیت والجواہر)

۲۔ میں حضور ﷺ سے روحانی طور پر سبب کے اختیار اور ترک کے متعلق عرض کیا تو آپ ﷺ کی طرف سے میرے دل پر القا ہوا۔

۳۔ میں نے حضور نبی کریم ﷺ سے حضرت علیؓ پر شیخین کی فضیلت کے راز کے متعلق روحانی طور پر عرض کیا کہ حضرت علیؓ نسبت کے اعتبار سے افضل ہیں۔ فیصلہ کے اعتبار سے اقضی ہیں اور سب سے زیادہ بہادر ہیں اور سب صوفی ان کی طرف منسوب ہیں حضور نبی کریم ﷺ کی طرف سے میرے دل پر القا ہوا کہ میری نبوت کے دو پہلو ہیں۔ ایک ظاہر اور ایک باطن۔ ظاہری پہلو کا تعلق لوگوں میں عدل قائم کرنا ان کی تالیف اور ہدایت کا بندوبست کرنا ہے۔ اس معاملے میں وہ دونوں (حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ) میرے دست و بازو کی حیثیت رکھتے ہیں اور باطنی پہلو کا تعلق فنا و بقاء کے مراتب سے ہے ان سارے پہلوؤں کا منبع اور ماخذ شریعت ہے۔

۴۔ میں نے حضور ﷺ سے ان مذاہب اربعہ اور چار سلسلوں کے متعلق عرض کیا کہ ان میں سے کون سا افضل ہے اور آپ ﷺ کو زیادہ پسندیدہ کون سا ہے تو مجھے آپ ﷺ کی طرف سے جواب عطا ہوا کہ تمام مذاہب اور تمام سلسلے یکساں ہیں اور کسی کو کسی پر فضیلت نہیں۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کی حیات اور تصرفات کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں: ان ساری احادیث اور منقولات کا ماحصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے جسد اور روح کے ساتھ زندہ ہیں۔ آپ ﷺ زمین کے جس حصے میں اور ملکوت میں تشریف لے جانا چاہیں جا سکتے ہیں اور تصرف بھی کر سکتے ہیں بالکل اسی طرح آپ ﷺ ظاہری زندگی میں کر سکتے تھے۔ آپ ﷺ اسی ہیت پر زندہ ہیں جس ہیت پر وفات سے پہلے تھے اس میں بالکل زرہ برابر بھی تبدیلی نہیں آئی۔ آپ ﷺ ایسے ہی پوشیدہ ہیں جیسے فرشتے جو کہ زندہ ہیں جب اللہ رب العزت جس شخص کے لیے چاہتے تھے پردے اٹھا دیتے ہیں اور اسے آپ ﷺ کے دیدار کا شرف حاصل ہو جاتا

ہے۔اور آپ ﷺ کو اسی طرح دیکھتا ہے۔جس طرح آپ ﷺ پہلے تھے اس میں کوئی مانع (رکاوٹ) نہیں اور عالم مثال سے اس دیدار کا کوئی تخصیص نہیں۔ ۱

حضرت شیخ احمد کبیر رفاعیؒ جو کہ حضرت غوث الاعظم شاہ عبد القادر جیلانیؒ کے ہم عصر تھے۔ حضرت شیخ کبیر رفاعی روضہ اطہر پر حاضر ہوئے تو عشق کی کیفیت عروج پر تھی دو شعر پڑھے ان اشعار کا مطلب تھا: جب تک دور تھا دور سے سلام بھیجتا تھا اب دربار اقدس میں حاضر ہوں اپنا دست مبارک یارسول اللہ ﷺ عنایت فرمائیں میں اس کو بوسہ دوں۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی سمیت نوے ہزار مسلمان موجود تھے ان کی موجودگی میں آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنا دست مبارک باہر نکال دیا اور حضرت شیخ احمد کبیر رفاعیؒ نے دست مبارک کو بوسہ دیا اور باقی سب لوگوں نے زیارت کی۔ ۲

حضرت شیخ ابراہیم مصریؒ حالت بیداری میں یہ سعادت حاصل تھی کہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ سے گفتگو کرتے اور ان کو حضرت سیدنا شعیب علیہ السلام کے کنویں کی نشاندہی بھی حضرت مولائے علی شیر خداؓ کے ذریعہ سے کروائی جس سے وہ بکریوں کو پانی پلاتے تھے۔ ۳

روح کے مقامات

حضرت ابو بکر واسطیؒ نے فرمایا ہے کہ ارواح دس مقامات پر قائم ہیں ۴۔

۱۔گناہ گاروں کی ارواح اندھیرے میں بند ہیں۔

۲۔نیک لوگوں کی ارواح جو پہلے آسمان پر خوش وخرم ہیں۔اپنی عبادت کی وجہ سے مطمئن اور اس کی طاقت سے سیر کرتی ہیں۔

---

۱ (الحاوی للفتاوی ۲:۴۵۳)، ۲(سکون قلب)، ۳ (الطبقات الکبری، علامہ عبدالوہاب شعرانی)، ۴(کشف المحجوب)

۳۔طالبان حق کی ارواح جو جوتھے آسمان میں ہیں اور اپنے صدق کی لذت اور نیک اعمال کے سایہ میں فرشتوں کی ہم نشین ہیں۔

۴۔اہل سخاوت کی ارواح جو نور کی قندیلوں سے عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہیں۔ان کا کھانا محبت اور پینا لطف وقرب ہے۔

۵۔اہل وفا کی ارواح مقام صفا اور اصطفا پر خوش ہیں۔

۶۔شہداء کی ارواح جو طیور کی صورت میں بہشت کے باغوں میں چہکتی پھرتی ہیں

۷۔عاشقوں کی ارواح نوری پردوں میں ادب کے ساتھ مقیم ہیں۔

۸۔عارفین کی ارواح جو عالم قدس میں صبح وشام حق تعالی کا کلام سنتی ہیں

۹۔اولیاءاللہ کی ارواح مشاہدہ جمال حق اور کشف میں مستغرق ہیں اور اللہ تعالی کے سوا نہ کسی کو جانتی ہیں اور نہ ہی کسی سے مطمئن ہوتی ہیں۔

۱۰۔درویشوں کی ارواح جو مقام فناء اور مقام قرب حق کے مزے لے رہی ہیں۔

ترقی روح کیلئے مجاہدہ نفس لازمی ہے

اللہ تعالی رب العزت نے روح کو عالم اجسام سے چار لاکھ سال قبل تخلیق فرمایا جیسا کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی حنفیؒ فرماتے ہیں کہ عالم ارواح کی عالم اجسام سے قبل آفرینش ہوئی۔روح اپنی پیدائش کے بعد عالم قدس کی طرف متوجہ ہوئی مگر روح کیلئے عالم قدس کی طرف پرواز اور رسائی ممکن نہ ہوسکی۔کیونکہ اللہ تعالی سبحانہ نے روح کی عالم قدس کی طرف رسائی کو مجاہدہ اور ریاضت کے ساتھ مربوط فرمایا تھا۔یہ مجاہدہ اور ریاضت جسم انسانی کے بغیر ممکن نہ تھا۔اس لیے روح کو جسم انسانی میں اتار کر مجاہدہ نفس پر مامور کر دیا۔روح کی ترقی نفس انسانی کے ساتھ مربوط اور مشروط کر دی گئی چنانچہ جو خوش قسمت ارواح دولت ایمان سے مشرف ہوئیں اور انھوں نے مجاہدہ و

ریاضت اوراطاعت وعبادت کواپنا شعار بنایا اور احسان واخلاص کی منزل پانے کے لیے آگے بڑھے تو ایسے مومنوں کو حق سبحانہ وتعالی نے اپنی آغوش ومعرفت تک وصل عطا فرما کر ممتاز کر دیا۔ روح کا جسم خاکی میں نزول ہی اسکے عروج کی بنیاد بنی۔

خاک شو خاک تا بروید گل　　　　کہ بجز خاک نیست مظہر گل

جبکہ دوسری طرف بعض ارواح کم ہمت اور پست خطرت ہونے کی وجہ سے نفسانی خواہشات اور جسمانی علائق سے چھٹکارا حاصل نہ کرسکیں اور مغلوب ہوگئیں اور مجاہدہ نفس اور ریاضت کے لیے تیار نہ ہوئیں اسطرح وہ روحانی ارتقاء اور فنا و بقا حاصل نہ کرسکیں اور قرب ربانی سے مشرف نہ ہوئیں۔خواہشات نفسانی میں گرفتار ارواح کو حضرت شاہ شرف الدین قلندرؒ مخاطب ہوکر فرماتے ہیں:

چند باشی از مقام خود جدا　　　　چند گردی در بدرائے بے حیا

یہ ان لوگوں کی حالت ہے جن کی روحوں کو نفس کے گھوڑے نے سفر نہ کرنے دیا اور نفس کے گھوڑے پر سوار ہوکر اس کو منزل مقصود تک نہ لے جاسکیں نفس آزاد ہوگیا اور روح داہمی پستی میں گرگئی یہ ارواح قرب ربانی کی لذت وچاشنی تک رسائی حاصل نہ کرسکیں۔

روح کے تصرف کی کیفیت

اللہ تعالی رب العزت کی عطائے خاص سے بعض مخصوص بندوں کو حالت حیات اور موت کے بعد بھی روحانی تصرف کی طاقت حاصل ہوجاتی ہے ایک کامل ولی اللہ کے لطائف باطنیہ انسانی شکل میں متشکل ہوجاتے ہیں اور مختلف نوعیت کے افعال سرانجام دیتے ہیں۔

جیسا کہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کی تعلیمات سے ظاہر ہوتا ہے۔
اسی طرح حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نقشبندی فرماتے ہیں کہ ایک روح متعدد بدنوں میں بدن معہود کے علاوہ متصرف ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ بعض محققین نے ابدال کی وجہ تسمیہ میں کہا کہ جب کوئی ابدال اپنی جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جاتا ہے تو اول جگہ پر اپنی شکل ومثال چھوڑ جاتا ہے اس کی وضاحت کچھ اسطرح ہے کہ اولیاء کرام نے عالم اجسام اور عالم ارواح کے درمیان ایک عالم متوسط ثابت کیا ہے جس کو عالم مثال کہتے ہیں۔ یہ عالم مثال جو کہ عالم اجساد سے لطیف ہوتا ہے اور عالم ارواح سے کثیف ہوتا ہے۔ ارواح کا ظہور اور مختلف صورتوں کا دکھائی دینا اسی عالم پر منحصر ہے۔

مثال کے طور پر حضرت جبرائیل علیہ السلام کا وحیہ کلبی کی صورت میں ظاہر ہونا اور حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے سامنے بصورت بشری دکھائی دینا اسی عالم مثال کے احکام سے شمار کرتے ہیں۔ لہذا اسطرح یہ جائز ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان پر مقیم ہونے کے باوجود قبر میں اپنی شکل مثالی سے متمثل ہوئے ہوں اور سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے ان کو دونوں مقام پر مشاہدہ فرمایا ہو۔ اسی طرح تمام انبیاء کرام کو سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے بیت المقدس میں دیکھا اور سب کو امامت کروائی جب آپ ﷺ آسمانوں پر تشریف لے گئے تو وہاں بھی انبیاء کرام سے آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی عالم مثال کے ثبوت کے بعد بہت سے مسائل کے جواب خود بخود سامنے آجاتے ہیں اور اعتراضات ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً وسعت جنت کا بیان اور آپ ﷺ کا جنت کو دیوار کی چوڑائی میں مشاہدہ فرمانا وغیرہ۔

حضرت علامہ علاؤالدین قونوی فرماتے ہیں کہ یہ بات کہنا کچھ بعید نہیں کہ انبیاء کرام کی

ارواح مقدسہ بدن سے جدا ہونے کے بعد بمنزلہ ملائکہ فرشتوں سے افضل ہیں۔تو جس طرح ملائکہ (فرشتے) مختلف صورتوں میں متبدل ہو جاتے ہیں اسی طرح ارواح مقدسہ انبیاء بھی مختلف جسموں میں متمثل ہو جائیں۔

سید الکونین ﷺ کا فرمان کہ حضرت سیدنا موسی علیہ السلام اور سیدنا حضرت یونس کو حج اور تلبیہ پڑھتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ان امور کی تحقیق کچھ اسطرح ہے کہ عالم جسمانی کے زمان ومکاں اور عالم روحانی کے زمان ومکان میں فرق ہے وہ اسطرح کہ صوفیائے محققین کے نزدیک عالم جسمانی میں زمانہ ماضی، حال اور مستقبل ہوتا ہے جبکہ اللہ رب العزت کے لیے کوئی ماضی، حال اور مستقبل کی تقسیم نہیں ہے تو اس دوسری مثال سے یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ میں ہونا، حضرت سیدنا موسی علیہ السلام کا دریائے نیل عبور کرنا ان دونوں حضرات کا حج کرنا اور تلبیہ پڑھنا اور سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کے وجود اطہر کی حالت یہ سب ایک ہی ہے۔حضور نبی کریم ﷺ کا ان حضرات کو حج اور تلبیہ کی حالت میں دیکھنا وہی اصل حالت ہے جو ان حضرات نے اپنی زندگی میں حج کیا اور تلبیہ کیا تھا۔یہ وضاحت اس حالت کی حقیقت اور اس کا ادراک ان کے متمثل ہونے کے قائل ہونے سے اعلی اور ارفع ہے۔پس ایک صورت ارواح کے متمثل ہونے سے ثابت ہوتی ہے اور دوسری صورت عالم روحانی میں کون ومکان کی قید سے آزاد ہونے سے ظاہر ہوتی ہے اور ثابت ہوتی ہے۔

باب نمبر ۸

(لطائف)

حضرت مجدد الف ثانی قیوم زمانی کی تحقیق کے مطابق انسانی جسم اجزائے عشرہ سے مرکب ہے جس کو لطائف عشرہ بھی کہا جاتا ہے ان میں سے پانچ لطائف عالم خلق کے ہیں اور پانچ لطائف عالم امر کے ہیں۔ ان لطائف کا تذکرہ اکابر مفسرین قرآن نے مندرجہ ذیل تفاسیر میں بیان فرمایا ہے۔

۱۔ تفسیر جلالین	۲۔ تفسیر کبیر
۳۔ تفسیر روح المعانی	۴۔ تفسیر روح البیان
۵۔ تفسیر مظہری	۶۔ تفسیر منہاج القرآن

علاوہ ازیں امت مسلمہ کے اکابر اولیاء عظام نے بھی روحانیت پر لکھی جانے والی بے شمار کتب میں لطائف کا ذکر فرمایا ہے۔ تمام روحانی سلاسل میں قرب ربانی کا عروج ان لطائف کے ذریعہ ہی سے ممکن ہوتا ہے۔ یہاں صرف دینا کے مشہور چار روحانی سلاسل کی مشہور شخصیات کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جنھوں نے ان لطائف پر بحث فرمائی۔

۱۔ حضرت غوث الاعظم سید عبد القادر جیلانی، سلسلہ قادریہ

۲۔ امام طریقت حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی بخاری، سلسلہ نقشبندیہ

۳۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی، سلسلہ سہروردیہ

۴۔ سلطان ہند حضرت خواجہ میدسید معین الدین اجمیری، سلسلہ چشتیہ۔

لطیفہ کیا ہے؟

لطیفہ لفظ واحد ہے اوراسکی جمع لطائف ہے۔لطیفہ کی تعریف حضرت سید شریف جرجانیؒ نے اسطرح بیان فرمائی: **النفس الناطقه هی الجوهرالمجردعن الماده۔** [1]

یعنی لطیفہ وہ جوہر ہے جو مادہ سے خالی ہے اسے لطیفہ انسانی کا نام بھی دیا جاتا ہے۔جسم انسانی میں محل نور کو لطیفہ کہتے ہیں۔جس طرح انسان میں دنیاوی علوم کو سمجھنے کے لیے حواس خمسہ ہاتھ، زبان، ناک، کان، اور آنکھ ہوتی ہے۔ان حواس خمسہ کے ذریعے معلومات عقل تک پہنچتی ہیں اور عقل کی نگرانی میں یہ انسانی حسیں کام کرتی ہیں۔عقل ان حواس خمسہ کی موجودگی میں اللہ تعالی رب العزت کی مخلوق کے بارے میں معلومات کا ذریعہ ہے۔اس اللہ تعالی رب العزت کی ذات وصفات کے حقائق کو سمجھنے کے لیے صرف عقل اور حواس خمسہ ناکافی ہیں۔اللہ سبحانہٗ وتعالی کے اسم ذات اللہ کا لفظہ معنی ہی یہ کہ وہ ذات جو عقل کی حدود سے ارفع واعلی ہے وہ عقل کی پہنچ سے وراء الوراء ہے۔اس عظیم ترین بارگاہ تک رسائی نور نبوت اور لطائف کی بیداری سے ہی ممکن ہوسکتی ہے اسی لیے اللہ تعالی رب العزت کی ذات میں عقل سے غور فکر سے منع کیا گیا ہے جبکہ رب کائنات کی مخلوق میں غور وفکر کی دعوت قرآن حکیم خود دیتا ہے۔سادہ الفاظ میں لطائف سے مراد وہ روحانی حواس (قوتیں) ہیں جن کی بنیاد پر اللہ تعالی نے اپنے انبیاء کو اپنی ذات اور صفات تک قرب کی دولت سے مشرف فرمایا۔

---

[1] (کتاب التعریفات)

انبیاء کرام کے طفیل ان کی امتیں بھی ان کی اتباع میں قرب کی منزل تک رسائی ان باطنی لطائف کے ذریعے حاصل کرتی رہیں لطائف وہ روحانی بے مثال برتن ہیں جن کی حضرات انبیاء کرام میں موجودگی انوارات وتجلیان الہیہ کے نزول کا سبب بنتی ہے۔ان عظیم باطنی صلاحیتوں کی بدولت ہی اللہ تعالی رب العزت نے فرشتوں کی بجائے انسانوں میں سے انبیاء کرام علیھم السلام کو اپنی خلافت کے لیے چنا کیونکہ تجلیات ذاتیہ کے نزول کو صرف انبیاء کرام ہی برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

جیسا کہ حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کو جو علوم اور کمال نبوت حضور نبی کریم ﷺ کو عطا فرمانے منظور تھے اور وہ تجلیات ذاتیہ جو انبیاء مخصوص ہیں سب کی سب اسی وقت سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کو عطا فرما دی تھیں جبکہ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام ما بین روح وجسد تھے۔ [1]

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ سے اہل بیت اطہار، صحابہ کرام اور آج تک تمام اولیاء ان لطائف (روحانی صلاحیتوں اور برتنوں) کے ذریعے سے ہی انوارات وفیوضات وصال کررہے ہیں۔لطائف کی روحانی فری کونسی پر قائم اس نظام کو عام انسان جو مادیت اور کثافت سے بھرپور ہیں سمجھنے سے قاصر ہے۔

مزید سادہ الفاظ میں لطائف سے مراد انسانی جسم میں وہ جگہیں اور مقامات ہیں جو محل فیض ہیں۔لطائف فیوضات وانوارات کا انجذاب کرنے والی انسانی باطنی صلاحیتوں کا نام ہے۔

---

[1] (تفسیر مظہری جلداول)

تقسیم لطائف

مفسرین، محدثین اور اولیا عظام نے لطائف کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں جو یہ ہیں۔

۱۔ لطائف عالم امر ۲۔ لطائف عالم خلق

۱۔ عالم امر:

حضرت علامہ سید شریف جرجانی عالم امر کی تعریف ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

ما و جسد عن الحق بغیر سبب و یطلق بازاء الملکوت۔

یعنی جہاں پر سب کچھ اللہ تعالی سبحانہ کی طرف سے بغیر کسی سبب کے وجود میں آئے، اس پر عالم ملکوت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

عالم امر میں نظام اللہ تعالی کی قدرت کاملہ سے بغیر اسباب ظاہری کے چل رہا ہے۔ عالم امر کا سارا نظام کلمہ کُن سے وجود میں آیا جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:

اِنَّمَا اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ [۱]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالی جب کسی شے کو وجود عطا فرمانے کا ارادہ فرماتا ہے تو حکم صادر فرماتا ہے ہو جا تو وہ مخلوق ظہور پذیر ہو جاتی ہے۔

دوسرے الفاظ میں مادہ و مقدار اور ترکیب عناصر سے خالی ایسی مخلوق جو فقط امر کُن سے پیدا ہوتی ہے۔ اسے عالم امر کہا جاتا ہے ایسی ساری مخلوق پر مبنی نظام کو عالم امر کا نام دیا جاتا ہے۔ جیسے انسانی ارواح، ملائکہ اور لطائف مجردہ وغیرہ ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالی رب العزت کا فرمان ہے: اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ۔ [۲]

---

[۱] (سورۃ یٰس، پ۲۳، آیت نمبر۸۲)، [۲] (سورۃ اعراف، پ۸، آیت نمبر۵۴)

ترجمہ: خبردار اس اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خلق اور امر ہے۔

یعنی سارا عالم خلق اور عالم امر اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کے لیے ہی ہے۔ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ مجددی فرماتے ہیں کہ صوفیاء کے نزدیک الخلق سے مراد ہے عالم خلق یعنی عالم جسمانی، عرش، تمام آسمان اور زمینیں اور آسمان و زمین کی تمام مادی کائنات اور سارے عناصر اور ان عناصر سے بنائی ہوئی نباتی معدنی اور حیوانی مخلوق کے نفوس یعنی وہ لطیف اجسام جو کثیف اجسام میں جاری ساری ہیں۔ اور الامر سے مراد عالم امر یعنی عالم مجردات ہے۔ اس میں قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ ہیں یہ مجردات عرش سے بالاتر ہیں۔ مگر انسانی اور ملکی اور شیطانی نفوس میں اس طرح نیچے اتر کر سرایت کیے ہوئے جیسے آئینہ کے اندر سورج۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بغیر مادہ کے صرف لفظ کُن سے پیدا کیا اس لیے ان کو عالم امر کہا جاتا ہے۔ علامہ بغوی نے لکھا ہے کہ سفیان بن عنینہ نے فرمایا خلق اور امر میں فرق ہے جس نے دونوں کو ایک کہا وہ کافر ہو گیا۔ [1]

عالم امر کے مندرجہ ذیل پانچ لطائف ہیں۔

۱۔ لطیفہ قلب　　۲۔ لطیفہ روح　　۳۔ لطیفہ سر

۴۔ لطیفہ خفی　　۵۔ لطیفہ اخفیٰ

عالم امر کے ان پانچوں لطائف کی تفصیل اگلے صفحات میں بیان کی جائے گی۔ بعض لوگوں نے عالم امر کے لیے عالم غیب، عالم ارواح، عالم لاہوت اور عالم جبروت کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ صوفیائے محققین نے عالم امر کے پانچ لطائف کو جواہر خمسہ کا نام دیا ہے۔ عالم امر عرش سے اوپر ہے اس کے ساتھ انسان کا تعلق اس لیے قائم کیا گیا ہے تا کہ انسان تزکیہ کے ذریعے دائرہ وجوب کے فیضان و انوارات کی دولت عظمیٰ کو حاصل کرنے کے قابل ہو سکے۔

---

[1] (تفسیر مظہری)

۲۔عالم خلق

حضرت علامہ سید شریف جرجانی نے عالم خلق کی تعریف اسطرح بیان فرمائی ہے:

مَا وجد عن السبب و يطلق بازاء عالم الشهادة۔

یعنی وہ عالم جہاں سب کچھ سبب کے ذریعے وجود میں آئے اس پر عالم شہادت کا اطلاق ہوتا ہے۔

اللہ تعالی رب العزت نے عالم خلق کو پیدا فرمایا اور اس عالم کو اسباب اور قانون فطرت کے تابع کر دیا بعض علماء نے کہا کہ مادہ و مقدار اور ترکیب عناصر سے پیدا ہونے والی مخلوق کو عالم خلق کا نام دیا جاتا ہے۔جیسے عناصر اربعہ ہیں۔بعض لوگوں نے عالم خلق کو عالم اسباب، عالم اجسام اور عالم ناسوت بھی کہا ہے۔اوران سب کے مجموعہ کو عالم مادیات کا نام دیا۔اس کی مزید وضاحت کچھ اسطرح ہے کہ عالم خلق مادی کائنات پر مشتمل ہے جس میں ترتیب اور تدریج پائی جاتی ہے عالم خلق کی پیدائش مرحلہ وار ہوئی اور اس کی تخلیق پر وقت کے صرف ہونے کا ذکر بھی ملتا ہے۔

جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالی سبحانہ فرماتے ہیں: اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىُ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِىُ سِتَّةِ اَيَّامٍ۔[1]

ترجمہ: اللہ تعالی وہ عظیم ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔

عالم خلق کا مقام عرش معلیٰ سے نیچے ہے۔عالم خلق کے لطائف یا اجزاء مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔نفس ۲۔آگ ۳۔ہوا

۴۔پانی ۵۔مٹی

---

[1] (سورۃ الاعراف، پ۸، آیت نمبر۵۴)

صوفیائے کرام نے ان لطائف خمسہ کو جواہر خمسہ کا نام بھی دیا ہے۔سارا عالم خلق عرش معلیٰ سے نیچے ہے۔انسان کو اللہ تعالی نے اپنی ساری مخلوق میں سے مامع بنایا کیونکہ اس کو عالم امر اور عالم خلق عطا کر دیا گیا تاکہ عشق الٰہی تڑپ میں اپنے حقیقی مقصود و مطلوب تک رسائی کے لیے اہلیت حاصل کر سکے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُونَ اَیْ لِيَعْرِفُوْن۔

مفسرین کرام نے اس کی وضاحت اسطرح فرمائی کہ اللہ تعالی نے انسانوں اور جنوں کو اس لیے پیدا فرمایا کہ اس کی عبادت کریں۔یعنی اس کی ذات وصفات کی معرفت حاصل کریں۔

عالم امر کے لطائف کی وضاحت

عالم امر کے حقائق کے بارے میں جاننا دنیاوی اور ظاہری علم سے بالکل ممکن نہیں ہے۔مثلاً فلسفی لوگ نور نبوت سے محرومی کی وجہ سے صرف ظن وگمان کے مطابق اندازے اور تخمینے لگاتے ہیں کہ عرش کے اوپر نہ خلا ہے نہ ملا ہے اور اس بات کے بھی قائل ہیں کہ آسمانوں کے درمیان فرق نہیں ہے اسی بنیاد پر وہ واقعہ معراج کا بھی انکار کرتے ہیں کہ کسی انسان کا آسمانوں سے گزرنا محال ہے۔لیکن افسوس کہ وہ آسمانوں اور عرش سے اوپر کی باتیں کس بنیاد پر کرتے ہیں۔وہاں تک ان فلسفیوں کی رسائی خواب میں ہوئی یا بیداری میں۔یہ کیسی عجیب بات کہ خود آسمان اور عرش کے بارے میں بے بنیاد رائے قائم کر رہے ہیں۔

آسمانوں اور عالم امر کے حقائق کے لیے صرف بارگاہ رسالت مآب ﷺ ہی واحد ذریعہ

ہے اس لیے شریعت اسلامیہ اور نور نبوت پر کامل ایمان رکھنے والے حضرت صدیق اکبرؓ نے فوری کہہ دیا کہ اگر میرے محبوب مصطفےٰ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ آسمانوں سے اوپر بارگاہ قدس سبحانہ تک تشریف لے گئے تو یہ میرا ایمان ہے اور معراج کی تصدیق کرتا ہوں۔ آپ ﷺ کو معراج روح اور جسم اطہر کے ساتھ ہوئی اس لیے لوگوں کو تسلیم کرنے میں مشکل پیش آئی۔ اگر محض خواب کی حالت ہوتی تو ہر کوئی خواب کو تسلیم کر لیتا۔ خواب میں تو عام آدمی کہاں سے کہاں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح آج کے سائنسدان بھی وہاں تک اپنی علمی کوششوں سے قطعاً رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ وہاں تک رسائی صرف اور صرف سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کے سینہ اطہر سے انوارات حاصل کرنے والوں کے لیے ہی ممکن ہے۔

جیسا کہ مولائے علی شیر خداؓ سے سیدنا حضور پرنور ﷺ نے اس وقت دریافت فرمایا جبکہ آپ ﷺ کے مبارک کندھوں پر کھڑے ہو کر بیت اللہ شریف کو بتوں سے پاک کر رہے تھے۔ اے علیؓ اس وقت کیسے محسوس کرتے ہو؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا! یا رسول اللہ ﷺ اس وقت میری کیفیت یہ کہ اگر میں عرش معلے کے ستونوں کو ہاتھ سے پکڑ سکتا ہوں یہ کیسے ممکن ہوا۔ حضرت سیدنا مولائے علی شیر خداؓ کے باطنی لطائف سے حجابات اٹھ چکے تھے وہ بارگاہ قدس سبحانہ کے قرب کی کیفیت میں تھے جہاں پر زمان و مکان کی کوئی قید نہیں۔ نور باطن کی نعمت سے سرفراز خواص کے لیے اس کو سمجھنا معمولی بات ہے مگر صرف ظاہری مسلمانوں کے لیے یہ بات ناقابل فہم ہے کیونکہ وہ عام مسلمان علم رکھنے کے باوجود ستر ہزار حجابات باطنیہ میں ڈھانپے ہیں۔ وہ باطنی نور سے محروم ہیں جس کے بارے میں میرے حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بندہ مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نور باطن سے بہت ہی دور تک دیکھ سکتا ہے یہ آپ ﷺ کے مبارک زمانہ تک محدود نہیں بلکہ تا قیامت جہاں ایک طرف قرآن و حدیث کے علوم باقی رہیں گے وہاں دوسری طرف اس سراپا

نورِ محمدی ﷺ کے وجود پاک کے انوارات بھی اولیاء امت کے سینوں میں انوارات و فیوضات کی بارش کرتے رہیں گے۔ اگر بات حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ پر ختم ہو چکی ہوتی تو دنیا حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے روحانی کمالات نہ دیکھ سکتی۔ اگر بات صحابہ کرام کے دور تک ہی محدود ہوتی تو حضرت بہاؤالدین نقشبندی اور حضرت شہاب الدین سہروردی جیسے درخشاں ستاروں کا دنیا میں تذکرہ کہاں ملتا۔ ناعوذ باللہ من ذالک اگر انوارات باطنیہ کی دولت ختم ہو چکی ہوتی تو برصغیر میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری اور سلطان ہند سید معین الدین چشتی اجمیری کفر و الحاد کے صدیوں پر محیط اندھیروں سے اکیلے کیسے ٹکر لیتے۔ ان ہستیوں کے باطن میں نور نبوت کی روحانی طاقت تھی جس کے سامنے لاکھوں ہندوؤں اور سکھ بے بس ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہوتے نظر آئے۔ پھر جب کفر اکبر کے دور میں ظاہر ہوا کہ دنیائے کے تمام مذاہب کو ملا کر نیا مذہب تشکیل کر دیا گیا تو اس وقت عام مسلمان اور علماء تو بے شمار تھے مگر اس اتنے بڑے حکمران کے سامنے سیدنا حضرت باقی باللہ نقشبندی اور قیوم زمانی امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ تن تنہا ٹکر لیتے اور اس بدبخت کو للکارتے نظر آئے۔ معاذ اللہ اگر نور نبوت ختم ہو چکا ہوتا تو حضرت شیخ احمد سرہندی نقشبندی کو پوری دنیائے اسلام ہزار سال کے لیے مجدد تسلیم ہی نہ کرتی اور ان کے باطنی کمالات کا پوری دنیا میں آج چرچا نہ ہوتا۔ افسوس کچھ ناسمجھ کم فہم علماء بھی اسلام کے نورانی اور روحانی پہلو کا انکار کر کے بہت ہی بڑی واضح حقیقت کو چھپا رہے ہیں۔

۱۔ لطیفہ قلب:

لطیفہ قلب پر حسب توفیق بحث گذشتہ باب قلب میں گزر چکی ہے۔ یہاں عالم امر کے لطائف کے بیان میں دوبارہ مختصر ذکر کیا جا رہا ہے۔ لطیفہ قلب عالم امر کا پہلا لطیفہ ہے اس کی اصل تو

عرش سے اوپر ہے مگر انسان میں اللہ تعالی کی عطائے خاص یہ لطیفہ قلب رکھا گیا تو اس کا مقام جسم انسانی میں بائیں پستان کے نیچے دو انگشت کے فاصلے پر ہے۔ لطیفہ قلب کی ولایت حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ عام انسانوں میں یہ لطیفہ مردہ اور غیر فعال اور غفلت کا شکار ہوتا ہے۔ لطیفہ قلبیہ کو زندہ اور بیدار کرنے کا طریقہ کار موجود ہے تا کہ یہ دائمی طور ذاکر ہو جائے جب کوئی کامل ولی اللہ جس کے اپنے لطائف مشائخ کے سلاسل کے ذریعے سے بارگاہ رسالت مآب ﷺ کے نور سے منور ہو چکے۔ وہ کامل ولی اللہ جو مشکوۃ نبوت سے انوارات و فیوضات مسلسل حاصل کر رہا جب کسی مسلمان کے لطیفہ قلب کو مسنون طریقہ پر ہاتھ لگا کھولے گا اور اپنے قلب منور سے نور اس مسلمان کو توجہات باطنیہ کے ذریعے فراہم کرے گا تو اس وقت یہ لطیفہ قلب بیدار اور زندہ ہو جائے گا لہذا آقا علیہ الصلوۃ والسلام کے سینہ اطہر کے انوارات کی کرنٹ اس مردہ دل کو ذاکر بنا کر دائمی زندگی فراہم کر دے گی۔ جیسے بجلی کے آلات مثلاً فریج، کمپیوٹر وغیرہ بہت قیمتی ہونے کے باوجود کرنٹ کی عدم موجودگی میں فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتے۔ بالکل اسی طرح تاجدار عرب و عجم کے سینہ اطہر کے انوارات کے ساتھ کنکشن نہ ہونے کی صورت لطیفہ قلب یا دوسرے سارے لطائف بالکل بے کار اور بے فائدہ ہیں۔ لطائف باطنیہ کے ذاکر ہونے کے لیے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالی رب العزت کی اخلاص کے ساتھ بندگی کے قابل ہو جائے اس کے لیے صرف اور صرف نور نبوت ﷺ سے فیض یابی ہی ایک راستہ ہے۔ بذات خود کوئی ذاتی عبادات و اذکار سے اپنے باطنی لطائف کو زندہ نہیں کر سکتا ہاں ان چیزوں کا ثواب اسے مل سکتا ہے۔ اگر وہ بارگاہ خداوندی میں شرف قبولیت پا لیتی ہیں۔ محض عبادات و مجاہدات اللہ تعالی کے قرب اور حجابات باطنیہ کے اٹھنے کا سبب نہیں بن سکتے اللہ تعالی کے عشق میں آگے بڑھنے کے لیے ضروری کہ اہلسنت والجماعت کے مطابق عقائد درست ہوں اور پھر ولی کامل کی صحبت و تربیت سے یہ دولت ہاتھ آ سکتی ہے ورنہ دوسری صورت میں نفس اور شیطان کی عملی غلامی

میں غفلت کی زندگی بسر کرنا ہے۔اور صرف زبان سے توحید کی بات کرنے والی کہانی ہے۔جس کا حقیقت ایمان حقیقت اسلام اور حقیقت اخلاص سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔اللہ تعالی سے التجا ہے کہ ہمیں خود ساختہ تقوی کے خول سے باہر نکل کر قلبی تقوی کی دولت سے مشرف فرمائے جس تقوی کی طرف قرآن میں ارشاد ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ لِلتَّقۡوٰى۔ ؎۱

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالی نے تقوی کے لیے خالص کر دیا ہے۔

بارگاہ رسالت مآب ﷺ سے تعظیم وتوقیر کا تعلق بندگی استوار کرنے سے دولت صحابہ کرام کو عطا ہوئی کیونکہ انہوں نے بارگاہ رسالت کے آداب کو بجالاتے ہوئے اپنی آوازوں کو بالکل پست کر لیا تھا ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم کا اللہ تعالی کی طرف سے وعدہ ہے۔جب قلب مومن حالی ذکر کے اندر اتنی محویت حاصل کر لیتا ہے کہ اسے اللہ تعالی سبحانہ کے ماسوا کا نسیان حاصل ہو جاتا ہے یعنی مومن کے دل سے شیطانی خطرات نفس کے وسوسے بالکل ختم ہو جاتے ہیں اور وہ اس پاک ذات کے علاوہ ہر چیز کو دل کی دنیا سے نکال چکا ہوتا ہے تو اسے صوفیا کی زبان میں فنا قلبی کا نام دیا جاتا ہے۔ اس فنا سے مشرف دل پر اللہ تعالی کی تجلی فعل کا ظہور ہوتا ہے۔اس وقت دل غفلت، شہوت اور دوسری قلبی امراض سے سلامت ہو چکا ہوتا ہے۔سالکین طریقت پر قلب کا نور بھی ظاہر ہوتا ہے جس کا رنگ زرد ہوتا ہے۔قلب سے متعلق آیات قرآنیہ کا ذکر گذشتہ باب میں ہوا یہاں صرف ایک ہی آیت بیان کی جاتی ہے:اِنَّ فِيۡ ذٰلِكَ لَذِكۡرٰى لِمَنۡ كَانَ لَهٗ قَلۡبٌ"۔؎۲

ترجمہ: بے شک اس کے لیے نصیحت ہے جو صاحب دل ہو۔

؎۱ (سورۃ الحجرات، پ۲۶، آیت نمبر۳)، ؎۲ (سورۃ ق، پ۲۶، آیت نمبر۳۷)

لطیفہ قلب پر بھی دس ہزار پردے ہوتے ہیں جو اسم ذات اللہ اور نور نبوت کے انوارات سے ختم ہو جاتے ہیں اس ولایت کے اولیاء کو آدموی المشرف کہا جاتا ہے۔

۲۔لطیفہ روح:

لطیفہ روح عالم امر کا دوسرا لطیفہ ہے۔اس لطیفہ کی اصل بھی عرش سے اوپر ہے جسم انسانی میں سینہ کے پستان جو دائیں طرف ہے اس کے نیچے دو انگشت کے فاصلے پر مائل بہ پہلو اس کا مقام ہے جب یہ لطیفہ ذاکر ہو کر فنا سے مشرف ہوتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ سبحانہ کی تجلی صفات کا ظہور ہوتا ہے اور مختلف باطنی احوال منکشف ہوتے ہیں اس کیفیت میں انسانی غصہ و غضب اعتدال پر اسطرح آ جاتا ہے کہ شریعت اسلامیہ پر حرج غصہ و غضب کا سبب بنتی ہے یعنی ذاتی مفادات پر غصہ و غضب ختم ہو چکا ہوتا ہے۔سالکین طریقت پر لطیفہ روح کا نور سرخ رنگ میں ظاہر ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں لطیفہ روح کی طرف اس آیت میں ارشارہ ملتا ہے:

قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ۔[1]

ترجمہ: (اے پیارے حبیب ﷺ) آپ فرمادیں کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے۔

لطیفہ روح کی ولایت سیدنا حضرت نوح علیہ السلام اور سیدنا حضرت ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام کے زیر قدم ہے۔اس لطیفہ پر بھی دس ہزار حجابات اور پردے ہوتے ہیں جو اسم ذات اللہ اور نور نبوت کے انوارات سے ختم ہوتے ہیں۔

اس ولایت کے حامل اولیاء کو ابراہیمی المشرف کہا جاتا ہے۔لطیفہ روح کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔

---

[1] (سورۃ بنی اسرآئیل، پ۱۵، آیت نمبر ۸۵)

۳۔ لطیفہ سر

لطیفہ سر عالم امر کا تیسرا لطیفہ ہے جو انسان کو ودیعت کیا گیا ہے۔ اس لطیفہ کا مقام انسان کے سینے میں بائیں پستان سے اوپر دو انگشت کے فاصلے پر مائل بہ وسط سینہ ہے۔ جب کسی ولی کامل سے فیض یاب ہونے سے اور اللہ اللہ اللہ کے ذکر کی ضربیں بار بار لگانے سے لطیفہ سر کے اندر حالی ذکر جاری ہو جاتا ہے اور یہ لطیفہ سر کا ذکر دوامی شکل اختیار کر لیتا ہے یعنی سوتے ہوئے اور جاگتے ہوئے ہر وقت ذکر خود بخود جاری رہتا ہے اور ذکر لطیفہ سر کی فطرتی خوبی بن جاتی ہے تو اس وقت لطیفہ سر سے حجابات اور پردے اٹھنے شروع ہو جاتے ہیں جب اللہ تعالیٰ سبحانہ کے فضل و کرم سے لطیفہ سر کو فنا کو دولت عطا کی جاتی ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ سبحانہ کی صفات کے شیونات و اعتبارات کا ظہور اس لطیفہ پر ہوتا ہے۔ ان رحمانی فیوضات کی برکت سے انسان میں طمع و حرص کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ دین اسلام سے محبت بڑھنے کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ قبر اور آخرت کی طرف رجحان مزید زیادہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس لطیفہ کا رنگ سالکین پر سفیدی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

قرآن حکیم میں لطیفہ سر کا بیان آیا ہے: فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰی۔ [1]
ترجمہ: یعنی بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) سر اور اخفی کو خوب جانتا ہے۔

اس لطیفہ کی تاثیر سے محبت الٰہیہ کا بہت غلبہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات کے مشاہدہ کی طرف ذوق بڑھتا ہے دیدار الٰہی کا شوق بڑھتا ہے کیونکہ یہ لطیفہ سیدنا حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی ولایت کے زیر قدم ہے وہ بھی رب ذوالجلال کے دیدار کی بہت زیادہ تڑپ رکھتے تھے۔ اس لطیفہ

---

[1] (سورۃ طٰہٰ، پ ۱۶، آیت نمبر ۷)

پر دس ہزار پردے ہوتے ہیں جو لفظ اللہ اور نور نبوت کے انوارات سے ختم ہو جاتے ہیں۔اس ولایت کے حامل اولیاء کو موسوی المشرب کہا جاتا ہے۔

۴۔لطیفہ خفی:

یہ چوتھا لطیفہ ہے جو انسان کو ودیعت کیا گیا اس لطیفہ کی اصل بھی عالم امر میں ہے۔انسان کے سینہ میں اس لطیفہ کا مقام دائیں پستان کے اوپر دو انگشت کے فاصلے پر مائل بہ وسط سینہ ہے۔اللہ تعالیٰ کے کسی ولی سے فیض یاب ہونے سے جب لطیفہ خفی کو روحانی زندگی ملتی ہے اور اللہ اللہ کی ضرب لگانے سے یہ لطیفہ نورانی بن جاتا ہے اسم ذات (اللہ) اور نور نبوت کے انوارات لطیفہ خفی کو ملنے شروع ہوتے ہیں تو اس لطیفہ سے باطنی حجابات جو ہر لطیفہ دس ہزار کی مقدار پر ہوتے ہیں وہ پردے اٹھنے شروح ہو جاتے ہیں جب لطیفہ خفی بالکل منور ہو جاتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات سلبیہ تنزیہیہ کا ظہور ہوتا ہے اور اس لطیفہ کو بھی فناء کی دولت عطا کر دی جاتی ہے۔اس لطیفہ نورانیت سے انسان کے اندر موجود حسد و بخل، کینہ وغیبت اور بہتان تراشی جیسے امراض کا خاتمہ ہو جاتا ہے اس لطیفہ کا رنگ سیاہ نور کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔یہ لطیفہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہے اس لیے اس ولایت کے حامل اولیاء کرام سے عجیب وغریب احوال اور کرامات کا زیادہ ظہور ہوتا ہے۔

اس لطیفہ کا ذکر قرآن میں اس طرح ہے: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً۔ [۱]

ترجمہ: اپنے رب کو عاجزی اور خفی طور پر یاد کرو۔

اس ولایت کے حاصل کرنے والے اولیاء کو عیسوی المشرب کہا جاتا ہے۔

---

[۱] (سورۃ الاعراف، پ۸، آیت نمبر ۵۵)

۵۔لطیفہ اخفیٰ:

یہ لطیفہ انسانی جسم کے اندر سینہ کے وسط (درمیان) میں اپنا مقام رکھتا ہے۔جب اس لطیفہ کو کسی ولی اللہ کے سینہ سے فیضیابی حاصل ہوتی ہے اور ساتھ اللہ اللہ کے ذکر کی ضر اس پر جاری رہتی ہے تو اس کو حیات مل جاتی ہے اور لطیفہ بذات خود حالی ذکر کرنا شروع کر دیتا ہے رات دن ہر وقت یہ ذاکر رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ سبحانہ کے اسم ذاتی اور نور نبوت کے انوارات سے اس کے دس ہزار پردے اٹھنا شروح ہو جاتے ہیں۔بالکل آخر نورانیت اس کو بالکل صاف کر دیتی ہے۔اس لطیفہ اخفیٰ کی فنا مرتبہ تنزیہیہ اور مرتبہ احدیت مجردہ کے درمیان ایک برزخی مرتبے کے ظہور سے وابستہ ہے۔اس لطیفہ کو نورانیت کے اثرات سے انسان کے اندر سے تکبر وغرور اور فخر وخودنمائی جیسی باطنی امراض ختم ہو جاتی ہیں اور اطمینان وحضوری کی دولت میسر آجاتی ہے۔لطیفہ اخفیٰ کی ولایت سید المرسلین حضور نبی کریم ﷺ کے مبارک قدم کے نیچے ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ یہ ولایت سب ولائیتوں سے افضل ہے اور اس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔اس ولایت کو ولایت محمدی کہا جاتا ہے۔اس ولایت کو بڑا خاص مقام حاصل ہے اس میں عروج بہت تھوڑے اولیاء کو حاصل ہوتا ہے اس ولایت کی نعمت سے سرفراز ہونے والے اولیاء کو محمدی المشرب کہا جاتا ہے۔

اس لطیفہ کے انوارات کا رنگ سبز ہے۔

آپ ﷺ خاص ولایت کے انوارات کا رنگ سبز ہونے کی وجہ ہی سے اس گنبد حضری کا ظاہری رنگ بھی سبز رکھا گیا جو عاشقوں کو آنکھوں کی ٹھنڈک اور قلب وروح کا سکون واطمینان ہے۔

تمام درختوں اور نباتات کا سبز رنگ ہونا آپ ﷺ کے فیضان رحمت کا ایک نظارہ نظر آتا ہے۔

آپ ﷺ کے بارگاہ قدس سبحانہ میں مراتب اور قرب کی کیفیات کو اکابرین امت نے جس طرح

بیان کرنے کی سعادت حاصل کی ان معارف وکمالات کو الگ موضوعات سے انشاءاللہ کتاب کے اگلے ابواب میں بیان کرنے کی سعادت حاصل کی جائے گی۔

قرآن مجید میں فرمان ہے: فَاِنَّہٗ یَعۡلَمُ السِّرَّ وَ اَخۡفٰی۔ [1]

ترجمہ: یعنی بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) سر اور اخفی کو خوب جانتا ہے۔

لطائف انسانی پر ثبوت حدیث

لطائف انسانی کے ثبوت قرآن حکیم سے اور اکابرین مفسرین کی تفاسیر سے بیان کیا گیا عالم امر اور عالم خلق ان میں موجود لطائف کے نام قرآن سے ماخوذ ہوئے جسم انسانی میں لطائف کے مقامات پر حدیث پیش خدمت ہے:

ثم وضع یدہ علی ناصیۃ ابی مخدورۃ ثم امرھا علی وجھہ من بین یدیہ ثم علی کبدہ ثم بلغت ید رسول اللہ ﷺ سرۃ ابی محزورہ ثم قال رسول اللہ ﷺ بارک اللہ لک و علیک۔ [2]

ترجمہ حدیث: پھر سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے ابومحذورہ کی پیشانی پر ہاتھ مبارک رکھا پر اپنا ہاتھ ان کے چہرہ پر پھیرتے ہوئے سینے پر لے گئے پھر ان کے جگر پر لے گئے پھر آپ ﷺ کا ہاتھ ان کی ناف تک پہنچا۔ پھر آپ نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے اور تجھ پر برکت نازل فرمائے۔

---

[1] (سورۃ طٰہٰ، پ۱۶، آیت نمبر۷)، [2] (ابن ماجہ باب ترجیح فی الاذان ۵۲)

اس حدیث مبارکہ سے اولیاءِ کرام کے اس طریقہ کار کا عملی ثبوت سید الکونین ﷺ کے عمل سے سامنے آ گیا جس طرح وہ سالکین مریدین کے لطائف کو آپ ﷺ کی سنت کے عین مطابق کھولتے ہیں۔ لطائف اور توجہات کے ذریعے نور منتقل کرنے کے ثبوت میں ایک اور حدیث مبارکہ پیش خدمت ہے:

قال رسول اللہ ﷺ: مَا صَبَّ الله شَیْیءِ فِیْ صَدْرِیْ اِلَّا صَبَبْتُه‘ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرٍ۔

ترجمہ: سیدنا حضور سید الکونین ﷺ نے فرمایا جس کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں ڈالا تھا وہ میں نے ابوبکرؓ کے سینہ میں ڈال دیا۔

اس حدیث مبارکہ سے لطائف کی سینہ میں موجودگی ثابت ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انوارات وتجلیات کا نزول آپ ﷺ کے مبارک لطائف میں ثابت ہوتا ہے۔ تیسری اہم بات اس حدیث مبارکہ سے یہ ثابت ہوتی ہے حضور نبی کریم ﷺ نے انوارات وفیوضات کو صحابہ کرامؓ کے سینوں میں منتقل فرمایا جسے بعد میں صحابہ کرام نے اپنے روحانی شاگردوں میں منتقل فرمایا۔ وہ روحانی انوارات آج بھی سینہ دو سینہ اولیاء کرام کے پاس موجود ہیں بالکل اسی طرح یہ باطنی انوارات وکیفیات کا خزانہ محفوظ ہے جس طرح قرآن حکیم اور حدیث مبارکہ کے علوم کی ظاہری وراثت آج تک امت مسلمہ کے پاس محفوظ ہے۔ انشاء اللہ علوم شرعیہ اور علوم معرفت کی نعمت تا قیامت جاری وساری رہے گی۔

۶۔ لطیفہ نفس:

لطیفہ نفس عالم خلق کا پہلا لطیفہ ہے۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ نے لطیفہ نفس کا مقام وسط پیشانی بیان فرمایا ہے۔ یہ مشائخ نفس کے تمام سلوک اسی مقام سے طے کرواتے ہیں۔ بعض صوفیا کرام نے نفس کا مقام زیر ناف بیان فرمایا ہے۔ اگر چہ بظاہر اختلاف نظر آتا ہے در حقیقت اہل معرفت کے نزدیک صرف ابتداء اور انتہا کا فرق ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اس کی تطبیق اسطرح بیان فرمائی کہ نفس کا سر وسط پیشانی ہے جبکہ اس کا قدم زیر ناف ہے اس لیے مشائخ نقشبندیہ نفس کے سر پر اللہ اللہ کی ضربیں لگا کر اس کو فنا کر دیتے ہیں۔

بعض مشائخ کے نزدیک یہ زیر ناف پوشیدہ ہے۔ مگر اس کا مظہر وسط پیشانی پے۔ لطیفہ نفس کے نور کا رنگ سبز مائل بہ نیلگون ہے۔ جب انسان کو فنا نفس نصیب ہوتی ہے اس کے اندر موجود شریعت مطہرہ سے بغاوت و سرکشی ختم ہو جاتی ہے اس وقت بندہ مومن شریعت اسلامیہ میں لذت و حلاوت محسوس کرتا ہے اور شریعت اسلامیہ کے حسن و جمال کے مظاہر کا مشاہدہ کرتا ہے۔ انسان عجز و انکساری کا پیکر بن جاتا ہے۔

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر نفس کا ذکر موجود ہے صرف یہاں ایک آیت پیش خدمت ہے: وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا۔[1]

ترجمہ: یعنی نفس اور اس ذات کی قسم جس نے اس کی تخلیق متوازن فرمائی۔

لطیفہ نفس کی مکمل وضاحت نفس پر تحریر باب ۴ میں موجود ہے۔

---

[1] (سورۃ الشمس، پ ۳۰، آیت نمبر ۷)

۷۔لطیفہ قالب:

یہ عالم خلق کا دوسرا لطیفہ ہے لیکن درحقیقت یہ چاروں لطائف باد، آب، نار اور خاک پر مشتمل ہے۔اس لطیفہ کو اگر ایک تسلیم کیا جائے تو پھر لطائف کی کل تعداد سات تسلیم کی جائے گی۔ لطائف کی تعداد سات پر ہر دور کے مشائخ متفق ہیں۔عرب عجم کے مشائخ کی کتب میں سات لطائف کا تذکرہ ملتا ہے۔صرف علماء دیو بند میں سے اشرف علی تھانوی اور مولانا اللہ یار خان نے لطائف کی تعداد چھ بیان کی ہے۔اکثریت مشائخ کے نزدیک لطیفہ قالب کا مقام سر کے اوپر کا درمیانی حصہ ہے۔اگرچہ انسان کا سارا جسم ہی قالب پر مشتمل ہے پورے جسم میں مشائخ کی توجہات اور فیوضات داخل ہونا سر کے مقام سے ہوتا ہے جو لطیفہ قالب کا مقام ہے۔بعض لوگ اس کا مقام متصل ناف بھی بیان کرتے ہیں مگر یہ مقام حقیقت میں وہاں موجود نہیں کیونکہ اکابر مشائخ میں سے کسی نے اس مقام کی تائید بیان نہیں فرمائی۔لطیفہ قالب کے مقام سر پر جب کوئی ولی اللہ کامل ہاتھ رکھ کر اس کا منہ کھولتا ہے اور باطنی توجہات سے اللہ اللہ اللہ کے نور کو داخل کرتا ہے تو لطیفہ جاری ہو جاتا ہے اس لطیفہ کے جاری ہونے سے بندہ مومن کا ہر ہر جزو بدن اور بال بال ذاکر ہو جاتا ہے۔اس کی تاثیر رذائل بشریہ اور دنیاوی معاملات میں گرفتاری سے نجات کی صورت میں ظاہر ہرتی ہے۔اس کو سلطان الاذکار کا نام بھی دیا جاتا ہے اس لطیفہ قالب کے نور کا رنگ خوبصورت آگ کی طرح ہوتا ہے جس میں دھواں بالکل نظر نہیں آتا یا پھر اس کے نور کا رنگ سورج کی تیز روشنی کی طرح ہوتا ہے۔لطیفہ قالب کے چاروں عناصر میں سے ہر جزو کے لیے ایک صفت لازمہ ہے۔مثلاً جزو خاکی صفت لازمہ کثافت و کدورت ہے۔اس میں ظلمت و جہالت، سخت دلی اور کرنی کا اثر ہوتا ہے۔یہ جزو خاکی ہی فنا کے بعد انوارات ذاتیہ کی نعمت کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔جب سالک کی خاکی صفت

میں فنا پیدا ہوتی ہے تو اس وقت سالک کو بیابان وجنگل اور ویران مقامات عالم واقعہ میں نظر آتے ہیں۔ دوسرا اہم جز و پانی ہے۔اس جز وآبی کے اثرات لوگوں سے میل ملاب کی رغبت پیدا کرتے ہیں۔ بھولنا اور زیادہ نیند بھی اس کے اثرات سے ہے۔ سالک کے اندر جز و پانی کی فنا کے دوران نہروں، سمندوں، دریاؤں، جھیلوں اور سبزے نظر آنے سے ظاہری طور پر دکھائی دیتی ہے۔ جبکہ باطنی احوال اس وقت اپنی الگ حیثیت سے ظہور پزید ہوتے ہیں۔ تیسرا اہم جز و ہوا ہے اس صفت ہوائی کے اثرات میں شہوت وملال، خواہشات کی تغیر پزیدی، عدم استقامت، جلد بازی کی صورت میں ہوتے ہیں۔ جب اس صفت کی فنا ہوتی ہے تو انسان کے اندر خواہشات کی گرفت، استقامت، صبر وسکون اور مذاج کے ٹھہراؤ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ چوتھا اہم جز وآگ ہے۔اس جز و ناری کی صفات میں غصہ وتکبر، عظمت پسندی اور کودنمائی۔ طلب جاہ وریاست اور سب کچھ اپنے کنٹرول میں لینے کی خواہش ہیں۔ جب جز و ناری کی فنا ظاہر ہوتی ہے تو چراغ، بلب اس جز و کے فنا ہونے سے عاجز وانکساری اور غصہ سے نجات عہدہ وسرداری کی تمنا ختم ہو جاتی ہے۔

میرے آقا کریم ﷺ نے فرمایا یا صدیقین کے قلب سے سب کے بعد جاہ وریاست کی محبت نکال لی جاتی ہے۔ لطیفہ قالب کے چاروں اجزاء کی اصطلاح اکھٹی ہوتی کیونکہ یہ چاروں ترکیب معتدل میں موجود ہیں۔

لطائف کا چارٹ:

عالم امر کے لطائف

نمبر شمار	نام لطیفہ	مقام	زیر قدم	نور کا رنگ
۱	قلب	بائیں پستان سے دو انگل نیچے پہلو کی جانب	سیدنا حضرت آدم علیہ السلام	زرد
۲	روح	دائیں پستان سے دو انگل نیچے پہلو کی طرف	سیدنا حضرت نوح علیہ السلام	سرخ
۳	سر	بائیں پستان سے دو انگل اوپر سینہ کی جانب	سیدنا حضرت ابراھیم علیہ السلام	سفید
۴	خفی	دائیں پستان سے دو انگل اوپر سینہ کی جانب	سیدنا حضرت موسی علیہ السلام	سیاہ
۵	اخفی	سینہ کے عین وسط میں	سیدنا الکونین محمد مصطفےٰ ﷺ	سبز

عالم خلق کے لطائف

نمبر شمار	نام لطیفہ	مقام	نور کا رنگ
۱	نفس	وسط پیشانی	سبز مائل بہ نیلگون
۲	قالب (مٹی، پانی، ہوا، آگ)	سر کی چوٹی (تمام بدن اس کا محل ہے)	خوبصورت آتش

لطائف کی سیر روحانی

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے سلوک میں ابتداء لطائف میں قلب سے ہوتی ہے۔جبکہ بعض دوسرے سلاسل میں سلوک کی ابتداءنفس سے شروع ہوتی ہے۔

لطیفہ قلب سے روحانی احوال کی سیر شروع ہوتی ہے۔قلب سے گزر کر سیر لطیفہ روح میں داخل ہوتی ہے۔اس کے بعد لطیفہ سر اور لطیفہ خفی کی روحانی سیر ہوتی ہے۔پھر لطیفہ اخفیٰ کی سیر نصیب ہوتی ہے۔ان پانچوں لطائف کی سیر کے اپنے اپنے احوال اور معارف ہیں۔اس سیر کے مکمل ہونے کے بعد ان لطائف کے اصول میں سیر کی ابتداء ہوتی ہے۔ان لطائف کے اصول عالم کبیر میں عرش سے اوپر ہیں کیونکہ جو کچھ عالم صغیر میں اس کا اصل عالم کبیر میں ہے۔عالم صغیر سے مراد انسان ہے۔ جو پوری کائنات کے خواص سے متصف ہے اور عالم کبیر سے مراد پوری کائنات ہے۔اب جب روحانی سالک عالم صغیر میں سیر کر چکا ہوتا ہے تو اسے عالم کبیر کی سیر قدرت الٰہی سے کروائی جاتی ہے۔جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت ہی سے وقوع پزیر ہوتی ہے ورنہ انسان بہت عاجز چیز ہے۔پس عالم کبیر میں سیر کا آغاز عرش مجید سے جو انسان کے قلب کا اصل ہے سے شروع ہوتا ہے۔اس سے آگے سیر روح انسانی کے اصل کی سیر ہوتی ہے۔پھر سر کے اصل کی سیر ہوتی ہے سر کے اوپر خفی کے اصل کی سیر آتی ہے اس کی تکمیل کے بعد اوپر اخفیٰ کے اصل کی سیر کرائی جاتی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت سے ان پنجگانہ مراتب کو مفصل طور پر طے کر کے اس کے اخیر نقطہ تک پہنچتے ہیں اس وقت دائرہ امکان تمام طے ہو کر فنا کی منزلوں میں سے اول منزل میں قدم رکا جاتا ہے۔

بعدازاں اگر اللہ تعالیٰ سبحانہ کی عطا مزید کرم نوازی فرمائے تو بندہ مومن کو اللہ تعالیٰ کے اسماء

وصفات کے ظلال کی سیر میں داخل کر دیا جاتا ہے۔

یہ ظلال حضرت مجدد الف ثانی کے فرمان کے مطابق وجوب اور امکان کے درمیان برزخ کی طرح ہیں۔ یہ ظلال عالم کبیر کے پنجگانہ مراتب کے لیے اصول کی مانند ہیں۔ ان ظلال میں سیر ترتیب وار ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ جل سانہٗ کے عظیم فضل سے ان ظلال کی بہت سی منزلوں کو خواص اولیاء طے کر کے ان کے اخیر نقطہ تک پہنچ جائیں تو پھر اگلی منزل اخص الخواص اولیاء یہ ہوتی ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ سبحانہ کے اسماء وصفات میں سیر کی دولت سے مشرف کروایا جاتا ہے۔ ان بہت ہی خاص اولیاء پر اس سیر کے دوران اسماء وصفات کی تجلیات ہوتی ہیں اور شیون واعتبارات کا ظہور جلوہ فرمائے گا۔ اس مقام پر عالم امر کے پانچوں لطائف مکمل طور پر طے ہو جائے گا اور ان کا حق ادا ہو جائے گا اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی بے حد رحمتوں کے مزید دروازے کھولنا پسند فرمائیں تو پھر نفس کے اطمینان سے معاملہ پڑے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ کے کرم کی بارش سے نفس کے اطمینان سے متعلق احوال ومعارف عطا کر دے جائیں تو وہ ولی کامل جس پر اتنی نوازشیں اور عطائیں ہوئی اس کو مقام رضا میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ یہ مقام رضا روحانی سلوک کے مقامات میں نہایت کا مقام اور درجہ ہے۔ انشراح صدر یعنی سینہ پر احوال کا مکمل کھلنا نصیب ہوتا ہے۔ شرح صدر کا مقام بہت ہی خواص اولیاء دکرام کو نصیب ہوتا ہے۔ کیونکہ محبوب رب العلمین حضور نبی کریم ﷺ پر اس احسان عظیم کو خود اللہ تعالیٰ رب العزت نے قرآن میں اس طرح جتلایا ہے: اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ۔[1]

ترجمہ: اے میرے پیارے محبوب تیری خاطر کیا ہم نے تیرے سینہ کو بے انتہا کشادہ نہیں کیا۔

---

[1] (سورۃ الشرح، پ ۳۰، آیت نمبر ۱)

انشراح صدر کے معاملات عام علماء کی سمجھ سے بالاتر ہیں انشراح صدر کے معارف صرف عارفین کاملین ہی پر عیاں ہوتے ہیں اس شرح صدر کے سامنے عرش کی وسعتیں کم پڑ جاتی ہیں۔

لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن۔

ولی خاص شرح صدر حاصل کر لینے کے بعد اسلام حقیقی سے مشرف ہوتا ہے۔ اسلام کے تمام حقائق کلی طور پر اس پر آشکارا ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس مقام پر جو کمالات ادا ہوئے وہ ان عالم امر سے متعلق کملات سے بہت ہی زیادہ ہوتے ہیں اتنے زیادہ کمالات جیسے دریائے محیط کے مقابلے میں قطرہ کی حیثیت ہے۔

مذکورہ بالا کمالات جن کا ذکر ہوا ہے یہ سب اسم ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ کمالات جو اسم باطن سے متعلق ہیں وہ بہت ہی مختلف ہونے کی وجہ سے تحریر و بیان سے باہر ہوتے ہیں۔ اگر کسی خوش قسمت ولی اللہ کو اسم ظاہر اور اسم باطن دونوں مبارک اسموں کے کمالات عطا کر دیئے جائیں اس بے مثل ولی روحانی پرواز کے ایسے دو پر مل جاتے ہیں جن کی لامحدود عطائی قوت سے وہ عالم قدس میں پرواز کرتا ہے اور بے انتہا باطنی ترقیاں حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔

نوٹ: ان روحانی احوال کی فہم کے لیے ولی کامل سے تربیت ضروری ہے اور ان احوال کی تصدیق کے لیے کتب تصوف کا مطالعہ از حد ضروری ہے مثلاً مکتوبات امام ربانی، مکتوبات معصومیہ۔

لطیفہ کا ذاکر ہونا

جب کسی لطیفہ کو ولی اللہ اپنے ہاتھ سے کھولتا اور باطنی توجہ سے اس میں نور داخل کرتا ہے تو اس کو زندگی مل جاتی ہے اس کے بعد اللہ اللہ کے ذکر کی ضرب اس لطیفہ کے مقام پر لگائی جاتی ہے۔ اس طرح لطیفہ ذاکر ہو جاتا ہے۔ لطیفہ کے جاری ہونے کا مطلب یہ کہ اس کے اندر دائمی ذکر

شروع ہو گیا یہ ذکر قال نہیں ہوتا بلکہ یہ ذکر حالی ہوتا ہے اس کی کیفیت کو محسوس کیا جاتا ہے بعض انتہائی گم لوگوں میں لطیفہ کا ذکر انتہا کو پہنچ جاتا ہے کبھی کبھار آواز بھی پیدا کر لیتا ہے۔قرآن میں کثرت ذکر کے حکم کے تحت مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد لطائف کا باطنی ذکر جو ہمیشہ جاری رہتا۔ صرف زبانی ذکر ہمیشہ نہیں ہو سکتا بعض نے کہا کہ دل سے ذکر کی حرکت خیال کے کانوں تک پہنچتی ہے اور خیال کے کان دل کا ذکر یعنی اللہ اللہ کا تکرار سنتے ہیں حقیقت پر مبنی تحقیق یہ ہے کہ لطائف کا ذکر حالی اور کیفیاتی ہوتا ہے جیسے نباتات و جمادات ہمہ وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔

جیسے کہ قرآن حکیم میں آتا ہے کوئی کائنات کی چیز ایسی نہیں جو اس رب تعالیٰ کی تسبیح نہ کرتی ہو۔اس ذکر کی وجہ سے لطائف میں حرارت ذوق اور کیف کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے بعض اولیاء کے لطائف ایسی ذکر کی صلاحیت سے حرکت بھی کرتے ہیں جن کو عام آدمی بھی آسانی سے دیکھ لیتا ہے ایسے لطائف کو باہر والے لطائف سے تعبیر کرتے ہیں۔البتہ یہ بات اہم ہے کہ لطیفہ کے جاری ہونے کے لیے حرکت شرط لازم نہیں ہے۔ذکر کی اصل حقیقت غفلت کا نہ رہنا ہے۔مشائخ کے نزدیک۔لطائف کا ذاکر ہونا یہ کمالات انبیاء علیھم السلام کی حقیقی وراثت کا فیض ہے یہ کوئی معمولی نعمت نہیں اسی وجہ سے شیخ سعدیؒ نے فرمایا تھا کہ سو سال چھپ کر بے ریا مقبول عبادت سے ایک لمحہ کی کسی ولی کامل کی صحبت بہتر ہے وہ اس لیے کہ سو سال بلکہ ہزار سال کی عبادت بھی مردہ لطائف کو زندہ کرنے کی تاثیر نہیں رکھتی جبکہ مشکوۃ نبوت سے نور چھینی کرنے والے اولیاء سے نورانی توجہات کا انعکاس ایک لمحہ میں مردہ دل کو حیات جاویدانی بخش دیتا ہے۔ایک لمحہ کی صحبت نے شخص کو ہمیشہ کثرت ذکر والا انسان بنا دیا جو اللہ تعالیٰ کی عظیم بارگاہ میں ذاکر ہونے کی وجہ سے زندہ شمار ہوگا۔

لطائف کا روحانی سفر سات قدم ہے

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کے قرب تک پہنچنے کا راستہ پچاس ہزار سال کی مدت کا بیان ہوا ہے: كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ۔ [1]

ترجمہ: اس (سفر قرب) کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

اللہ تعالیٰ سبحانہ نے اتنے طویل سفر کو اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے آسانی میں بدل دیا تاکہ معرفت ربانی انسان کی عمر اور ہمت کے مطابق میسر آ سکے اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے شدت کی محبت کرنے والے عاشقین کی امیدیں حقیقت کا رنگ اپنا سکیں: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ [2]

ترجمہ: اور صاحب ایمان اللہ تعالیٰ سے شدید ترین عشق کرنے والے ہوتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ فرماتے ہیں کہ جس راستے کو ہم طے کرنے کے در پے ہیں وہ سارا سات قدم ہے جس طرح انسان کے سات لطیفے ہیں یہ سفر پانچ قدم عالم امر میں ہیں جو قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ سے تعلق رکھتے ہیں اور دو قدم عالم خلق میں ہیں جو نفس اور قالب (بدن) سے تعلق رکھتے ہیں اور ان سات قدموں میں سے ہر قدم پر دس ہزار حجابات (پردے) اٹھائے جاتے ہیں یہ پردے نورانی یا ظلمانی (سیاہ) ہوتے ہیں۔

جیسے حدیث قدسی میں ارشاد ہے: اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ وَّ ظُلْمَتِهٖ۔ [3]

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ستر ہزار پردے ہیں نور اور ظلمت کے۔

اول قدم میں جو عالم امر میں رکھتے ہیں تجلی افعال ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرے قدم میں

---

[1] (سورۃ المعارج، پ۲۹، آیت نمبر۴)، [2] (سورۃ البقرۃ، پ۲، آیت نمبر ۱۶۵)، [3] (مشکوۃ شریف)

تجلیات ذاتیہ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ پھر بندہ مومن تجلیات کے فرق کے مطابق بندہ مومن ترقی کرتا چلا جاتا ہے جیسا کہ اہل معرفت سے یہ روحانی سفر پوشیدہ نہیں ایک لطیفہ طے ہونے سے دس ہزار پردے بندے کے باطن سے اٹھا دیئے جاتے ہیں اس طرح سات لطائف طے ہونے سے ستر ہزار پردے اللہ تعالیٰ کی عنایت خاص سے اٹھ جاتے ہیں۔ یہ سات قدم سفر سے مراد سات لطائف کا مکمل طور پر طے کرنا ہے۔ ہر قدم طے کرنے سے بندہ مومن اپنے آپ سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اور حق سبحانہ وتعالیٰ کے نزدیک خود کو محسوس کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ ان سات قدموں کے مکمل ہونے کے ساتھ قرب الٰہی میں مکمل ہو جاتا ہے اس وقت بندہ مومن:

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْد۔[1]

ترجمہ کنزالایمان: اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں۔

اس کیفیت میں ہوتا ہے ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔ بندہ مومن اللہ تعالیٰ کے قرب کو روحانی طور پر محسوس کرتا ہے جبکہ سات قدم روحانی سفر طے کرنے سے پہلے انسان اللہ کے شہ رگ سے نزدیک قرب کی کیفیت محسوس نہیں کر رہا ہوتا عام انسان لوگوں کے سامنے گناہ کرنے سے شرماتا ہے اور اگر کوئی دیکھ لے تو گناہ سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ رب العزت کی ذات کو سامنے محسوس نہیں کرتا اور اس کے قرب کو باطنی پردوں کی وجہ سے محسوس نہیں کرتا اور انسان علیحدگی میں گناہ کرتا ہے اگرچہ وہ زبان سے انکار نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات شہ رگ سے بھی نزدیک ہے مگر انسان کا باطن اور حال اس کی زبان کے متضاد ہوتا ہے جب سات قدم کا سفر سات لطائف مکمل طور پر طے کر لیے جائیں تو اس وقت وہ فنا و بقا سے مشرف کر دیا جاتا ہے اور ولایت خاصہ

---

[1] (سورۃ ق، پ ۲۶، آیت نمبر ۱۶)

کے درجے پر فائز ہو جاتا ہے طریقہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ نے اس روحانی سفر کی ابتداء عالم امر سے اختیار فرمائی اور بعد میں عالم خلق کی سیر کو ضمن میں طے کرتے ہیں جبکہ دوسرے سلاسل کے مشائخ عالم خلق سے روحانی سفر کی ابتداء کرتے ہیں لہذا طریقہ نقشبندیہ وصول کے لیے دوسرے سب طریقوں سے زیادہ قریب ہے۔تو ضروری طور پر دوسروں کی انتہا اس سلسلہ کی ابتداء میں درج ہے۔

قیاس کن زگلستا من بہارمرا   میرے گلستان سے میرے بہار کا اندازہ کرلو۔

ان نقشبندیہ مشائخ کا طریقہ بعینہ حضرات صحابہ کرامؓ کا طریقہ ہے کیونکہ حضرات صحابہ کرام کو سید البشر ﷺ کی پہلی صحبت میں وہ کمالات میسر آ گئے جوامت کے کاملین اولیاء کو انتہا میں میسر نہیں آ سکتے۔[1] یہ روحانی سفر جس کو سات قدم بیان کیا گیا ہے اولیاء عظام کی روحانی توجہات سے بعض لوگ سالوں اور کچھ لوگ مہینوں بلکہ بعض دنوں میں طے کر لیتے ہیں یہ سفر شیخ کی تربیت کی روحانی قوت اور سیکھنے والے مرید کی باطنی پاکیزگی پر انحصار کرتا ہے۔ جہاں تک حجابات کا تعلق ہے تو ظلماتی حجابات سے مراد انسان کے باطن پر غفلت اور گناہوں کے پردے اور نورانی حجابات سے مراد حق تعالی سبحانہ کی عظمت و کبریائی کے انوارات کے پردے ہیں۔ پردوں کے اٹھائے جانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بندہ مومن ہر قدم میں بشری کثافتوں اور لطائف کی کدورتوں سے نکلتا چلا جاتا ہے۔یعنی اس کی کثافت لطائف میں بدلتی ہے اور لطائف کی کدورت چمک ونورانیت میں بدل جاتی ہے اس طرح لطائف مزید صاف وشفاف ہو کر فیوضات الھیہ کے نزول کے قابل ہو جاتے ہیں۔علامہ محمد اقبال نے خوب فرمایا:

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام   اس زمین و آسمان کو بیکراں سمجھا تھا میں

---

[1] (مکتوبات امام ربانی: مکتوب نمبر ۵۸)

لطائف کا الحاق وفنا

عالم امر کے لطائف سے فنا کی ابتداء شروع ہوتی ہے جب تجلی فعل کے ظہور سے قلب فانی ہوجاتا ہے اوراس فنا میں سالک کے فعل کی نفی ہوجاتی ہے۔ اوروہ اپنے آپ کو مسلوب الفعل پاتا ہے اوراس پر فضل رحمانی اسطرح ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالی کے فعل کے ساتھ باقی ہوجاتا ہے اوروہ اپنے فعل کو حق سبحانہ کا فعل پاتا ہے۔

اس کے بعد فنا روح ہے۔ روح کی فنا اللہ تعالی کی تجلی صفات کے ظہور سے حاصل ہوتی ہے اور سالک کو بقا بھی ان ہی صفات قدس کے ساتھ ہوتی ہے۔

اس کے بعد فنائے سر ہے لطیفہ سر کو فنا کرنے والے شیونات واعتبارات صفات ہیں۔ سر کو بقا کی نعمت بھی ان شیونات واعتبارات کے ساتھ حاصل ہوتی ہے۔

اس کے بعد فنائے خفی شروع ہوتی ہے فنا خفی صفات سلبیہ تنزیہیہ کے ساتھ ہوتی ہے اور خفی کو بقا صفات سلبیہ کے ساتھ ہی نصیب ہوتی ہے۔

اس کے بعد فنائے اخفیٰ ہے اوراس کو فنا کرنے والا وہ مرتبہ ہے جو کہ مرتبہ تنزیہی ومرتبہ احدیت مجردہ کے درمیان برزخ (حد فاصل۔ واسطہ) کی مانند ہے اور بقائے اخفیٰ اس مرتبہ مقدسہ میں فنا کے بعد ہے جو اسی مرتبہ کے ساتھ ہوتی ہے جب سالک کی روحانی سیر فنا کے درجات اپنے کمال کو پہنچ جاتے ہیں کیونکہ یہ لطائف خمسہ مرتبہ ولایت میں ہیں اس کے بعد اللہ تعالی سبحانہ کا فضل و کرم مدد فرمائے تو عالم خلق کے لطائف خمسہ کے کمالات میں سیر شروع ہوجائے گی۔

عالم خلق کے لطائف نفس انسانی اور عناصر اربعہ ہیں۔ بڑی اہم بات یہ ہے کہ عالم خلق کے لطائف عالم امر کے لطائف کی اصل ہیں۔ اب لطائف عالم امر لطائف عالم خلق کے ساتھ ملحق ہونا

شروح کرتے ہیں لطائف باہمی مناسبت سے آپس میں نسبت اختیار کر لیتے ہیں یا سادہ الفاظ میں آپس میں جوڑ اور ملاپ کی صورت اپناتے ہیں۔ لطائف عالم امر اور عالم خلق کی باہمی مناسبت اسطرح ظاہر ہونا شروع ہوتی ہے۔

لطیفہ نفس کا معاملہ قلب کے معاملہ کی اصل ہے۔ لطیفہ باد (ہوا) کا معاملہ لطیفہ روح کے معاملا کی اصل ہے۔ اور لطیفہ آب (پانی) کا معاملہ لطیفہ سر کے معاملہ کی اصل ہے اور لطیفہ نار (آگ) کا معاملہ لطیفہ خفی کے معاملہ کی اصل ہے اور لطیفہ خاک (مٹی) کا معاملہ لطیفہ اخفٰی کے معاملہ کی اصل ہے اس کو سمجھنے میں آسانی پیدا کرنے کے لیے اسطرح مختصرً ا بیان کیا جاسکتا ہے کہ لطیفہ نفس کی مناسبت قلب سے پیدا ہو جاتی ہے۔ لطیفہ باد کی مناسبت لطیفہ روح سے ہوتی ہے۔ لطیفہ آب کی مناسبت لطیفہ سر سے قائم ہوتی ہے۔ لطیفہ نار کی مناسبت لطیفہ خفی سے ہو جاتی ہے اور لطیفہ خاک کی مناسبت لطیفہ اخفٰی سے قائم ہو جاتی ہے یہ بات بہت ہی قابل غور ہے کہ فنا کا فائدہ صفات بشریہ کا زائل ہونا اور شرک خفی کا دور ہونا ہے۔ اگر چہ سر، خفی اور اخفٰی شرعی احکام کے ساتھ مکلّف نہیں ہیں۔ اور ان کے شرک کا اسلام میں کوئی اعتبار نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن ولایت خاصہ کے مرتبہ میں اس پوشیدہ شرک کے دور کرنے سے چارہ نہیں ہے یعنی اس شرک خفی کو دور کرنا ضروری ہے کیونکہ جس طرح یہ لطائف زیادہ لطیف و نورانی ہو گئے ان کا شرک بھی اسی قدر زیادہ پوشیدہ ہوگا اس لیے اس شرک کا دور کرنا زیادہ رقیق ہوگا۔ اصل طرح کی صورت حال بھی ہوسکتی کہ بعض اشخاص کو فنائے قلب وروح تو حاصل ہو جئے مگر فنائے سر حاصل نہ وہ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کسی ولی کو فنائے سر بھی حاصل ہو جائے مگر باقی دو لطیفوں خفی اور اخفٰی کی فنا حاصل نہ ہو۔ اس کا کام یہاں تک ہی رک جائے۔ ابتدائی تین لطائف کی فنا کی برکت سے وہ شخص یقینی طور پر اولیاء اللہ میں سے ہے لیکن جب کل قیامت کے روز ان لطائف میں سے ہر ایک لطیفے کے حقائق جلوہ گر ہوں گے تو جو لطائف اس دنیا میں فنا و بقا کی

دولت سے مشرف نہیں ہوئے ہونگے وہ لطائف بروز قیامت وہاں پر اس فنا و بقا کے مناسب ثمرات و نتائج سے کامل فائدہ حاصل نہیں کر سکیں گے کیونکہ قرآن حکیم میں آتا ہے:

وَمَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سبيلاً۔[۱]

ترجمہ: جو شخص اس دنیا میں اندھا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا اور راستہ سے بہت بھٹکا ہوا ہوگا۔ [۲]

جب عالم امر کی سیر عالم امر کے اصول اور اصول اصول میں پہنچ جاتی ہے۔ تو اس کے بعد عالم خلق کے کمالات اور ان کے اصول میں سیر پیش آتی ہے۔ لطائف عالم امر کو کمالات ولایت کے ساتھ مناسبت ہے جبکہ لطائف عالم خلق کو کمالات نبوت کے ساتھ مناسبت ہے۔

برزخیت عرش وقلب

محققین و عارفین کے فرمان کے مطابق عرش سے اوپر عالم امر ہے اور اس کے نیچے عالم خلق ہے لہذا عرش کو برزخیت مکانی حاصل ہے جبکہ دوسری طرف قلب انسانی کو برزخیتت مکانی حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ قلب انسانی عالم خلق اور عالم امر کے درمیان مکانی طور پر واقع نہیں ہے وہ اس لیے کہ انسان کے وجود میں عالم امر اور عالم خلق دونوں آپس میں ملے جلے ہوئے ہیں لہذا جسم انسانی میں قلب کے برزخ ہونے کے معنی اسطرح ہیں کہ قلب وصول و اتصال فیوضات کا واسطہ ہے قلب کا فیوضات کا واسطہ اور ذریعہ ہونا اسطرح ہوتا ہے کہ عالم قدس کے فیوضات و انوارات سب سے روح کو پہنچنے جو کہ عالم امر میں سے ہے اور قلب بھی بنیادی طور پر عالم امر ہی کا حصہ ہے لہذا

---

[۱] (سورۃ بنی اسرائیل، پ ۱۵، آیت نمبر ۷۲)، [۲] (مکتوبات معصومیہ)

روح کو پہنچنے والے انوارات وہاں سے قلب تک پہنچ جاتے ہیں۔قلب صنوبری مضغہ گوشت کے برتن میں رکھا گیا ہے۔لہذا عالم قدس کا فیض قلب نوری سے بواسطہ ظرفیت قلب صنوبری کو پہنچ جاتا ہے۔قلب صنوبری عالم خلق سے ہے اور نفس بھی عالم خلق سے ہے۔اسطرح قلب صنوبری سے فیض نفس تک پہنچ جاتا ہے۔نفس کل کی حیثیت رکھتا ہے جبکہ خواص اور جوارح اس کے اجزاء کی حیثیت رکھتے ہیں اس طرح نفس سے فیض اعضاء اور اجزائے انسانی کی پہنچ جاتا ہے لہذا قلب کی برزخیت فیوضات وانوارات کے پہنچانے کے اعتبار سے پہچانی جاتی ہے۔

باب نمبر۹

(مریدین)

مرید:۔

وہ سالکین جو اپنے ارادہ کو اللہ تعالی کے ارادہ میں محو وفنا کر کے راضی برضا ہو جائیں مرید کہلاتے ہیں۔مشائخ کرام کے مطابق مرید کی تعریف اس طرح بھی ہے:

اَلۡمُرِیۡدُ مَنۡ لَا یُرِیۡدُ اِلَّا اللّٰہ۔

ترجمہ: یعنی مرید وہ شخص ہوتا ہے جو اللہ تعالی کے سوا کوئی ارادہ نہ رکھتا ہو۔

وہ لوگ جو اولیاء کرام سے بیعت کر کے توبہ وانابت اور سلوک وریاضت کے راستے اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ مرید کہلاتے ہیں۔ان کو محبّ یعنی اللہ تعالی سے محبت وعشق کرنے والے بھی کہا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں آپ ﷺ کو ارشاد ہے کہ آپ فردیں کہ اگر تم اللہ تعالی سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو تم کو اللہ تعالی اپنے پیارے لوگوں میں شامل کر دے گا۔

دوسری آیت مبارکہ میں اسطرح ہے: وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔[۱]

ترجمہ: اور (حقیقی) ایمان والے تو اللہ تعالی سے شدید محبت کرنے والے ہیں۔

اس لیے محبت ربانی کی شدت میں مومن لوگ اللہ تعالی کی ذات اور صفات کے قرب و معارف کے حصول کے لیے روحانی سلوک اختیار کرتے ہیں تا کہ ان پر سے حجابات باطنیہ اٹھ جائیں

---

[۱] (سورۃ البقرۃ، پ۲، آیت نمبر ۱۶۵)

اور وہ قرب کے احوال و معارف کی لذات سے سکون قلبی حاصل کر سکیں اور اپنے ایمان غیبی کو ایمان شہودی کے کمال تک لے جائیں۔

مراد:

وہ پیارے لوگ ہوتے ہیں جن کو جذبہ الٰہی نے اپنی طرف کھینچ لیا ہو اور وہ بلا کسب و ریاضت محض فضل کے راستے اللہ تعالیٰ تک قرب عطا کر دے جائیں ان کو مراد کہا جاتا ہے ان کو محبوب کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

ان کا ذکر اس آیت میں ہے: اَللّٰهُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ۔[1]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جسے چاہتے اپنی طرف چن لیتے ہیں۔

مراد لوگ ازل سے منتخب کیے ہوئے پسندیدہ لوگ ہوتے ہیں جن کو کمالات سے غیبی طور پر نوازا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ان پر باطنی اسرار منکشف کر دیئے جاتے ہیں۔

حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں مرید کو اس کا علم چلاتا ہے وہ پیدل چلتا ہے جبکہ مراد کی حفاظت اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور وہ اڑ کر منازل طے کرتا ہے اس لیے جسطرح پیدل اور اڑنے والا برابر نہیں اسی طرح مرید مراد کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔[2]

مرید کی ارادت مندی

اللہ تعالیٰ کے عشق کے جذبہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کسی شخص کے ولی اللہ کی طرف رجحان و عقیدت کو ارادت مندی کہا جاتا ہے۔ طالبین حق کا صدیوں سے یہی طریقہ کار رہا ہے کہ وہ

---

[1] (سورۃ الشوریٰ، پ۲۵، آیت نمبر۱۳)، [2] (رسالہ قشیریہ)

کاملین اولیاء سے عقیدت ومحبت سے وابستہ ہوئے اور معرفت وحقیقت کے پیچیدہ سفر میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔

حدیث مبارکہ میں اولیاء کے بارے میں یہ نشانی ملتی ہے: اِذا رُءُوا ذُکِرَاللّٰہ.

ترجمہ: جب انہیں دیکھیں تو اللہ تعالی یاد آئے۔

اولیاءکرام کا دیدار اللہ تعالی کے عاشقوں کی کیفیت کو بدل ڈالتا ہے مریدین کی قلبی و باطنی کیفیات میں سمندر کی موجوں کرطرح کیف وسرور کے احوال وقوع پذیر ہوتے ہیں۔اولیاءکرام کے سینہ میں کے اندر موجود نور معرفت کا انکاس مرید کے سینہ کے اندر موجود برقی کرٹ کی باطنی حرکت پیدا کرتا ہے۔ایمان کا تعلق بندہ مومن کے قلب سے ہوتا ہے۔ولی اللہ کا دیدار قلبی ذکر کی کیفیت میں مستی وسرور کا باعث بنتا ہے اور یاد ربانی کی طرف رجحان میں اضافہ ہوتا ہے جس طرح کہ حدیث میں ارشاد ہے کہ ان کا دیدار اللہ تعالی کی یاد کا سبب ہوتا ہے:

وَلَاتُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَہٗ عَنْ ذِکْرِنَاوَاتَّبَعَ ھَوَاہُ۔[1]

ترجمہ: پس اس کی اتباع نہ کرو جس کا قلب یادالٰہی سے غافل ہے اور وہ خواہش کا پیروکار ہے۔

تولہذا قرآن سے ثابت ہوا کہ اولیاءاللہ قلبی ذکر والے لوگ ہوتے ہیں جو اللہ تعالی اور اس کے پیارے رسول نبی کریم ﷺ کی طرف سے ہدایت کے نور سے منور ہوتے ہیں اور جو لوگ قلبی طور پر غافل ہیں قرآن ان کو خواہشات کا پیروکار قرار دیا ہے۔ان کی عقیدت اور اتباع سے روک دیا گیا ہے: فَسْئَلُوْآ اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔[2]

ترجمہ: اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر (علم) سے پوچھ لو۔

---

[1] (سورۃ الکھف، پ۱۵، آیت نمبر ۲۸) [2] (سورۃ النحل، پ۱۴، آیت نمبر۴۳)

اسی طرح حدیث مبارکہ کے اندر آتا ہے کہ: اِنَّمَا شِفَآءُ الْعِیِ السّوال۔

ترجمہ: جہل کی شفا اور دوا دوسروں سے دریافت کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے عارفوں سے سوال کرنا اور ان سے باطنی امور کی رہنمائی حاصل کرنا قرآن و حدیث اور اکابرین امت سے ثابت ہے اس لیے ہمیشہ مریدین روحانی پیاس بجھانے کے لیے اولیاء کے دامن عقیدت سے وابستہ ہوئے ہیں۔ اولیاء اور مریدین کی عقیدت و محبت جو اس روحانی و عرفانی سفر کی بنیاد ہوتی ہے۔ حدیث مبارکہ سے ثابت شدہ ہے:

عَنْ اَبِیْ هريرة قال قال رسول الله ﷺ اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدُ مُّجَنَّدَۃٌ، مَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائتلف وَ مَا تَنَاکَرَ مِنْهَا اَخْتَلَفَ۔[1]

حضرت ابوھریدہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ارواح لشکر ہیں جو عالم ارواح میں مجتمع تھیں جن میں وہاں باہمی جان پہچان ہوئی ان میں یہاں بھی باہمی الفت ہے اور جن میں وہاں جان پہچان نہیں ہوئی ان میں اختلاف مزاج ہے۔

اولیاء کرام اور مریدین کی فطرتی مناسبت ثابت ہوتی ہے۔ فطرتی مناسبت کی عدم موجودگی میں مجاہدات و ریاضت سب بے کار ہوتے ہیں۔ اسی لیے اولیاء بیعت سے پہلے استخارہ کا حکم کرتے ہیں تاکہ فطرتی مناسبت ظاہر ہو جائے۔

لہذا اولیاء سے ارادت و محبت وہ اس روحانی سفر کے بہت لازمی چیز ہے یہی ارادت مرید کے لیے فیض کا دروازہ ہوتی ہے مرید کی ارادت و محبت ہی اس کو راستہ کے خطرات سے حفاظت کا سبب بنتی ہے۔

---

[1] (مسلم۔ ابوداؤد)

آداب مریدین

اللہ تعالی سبحانہ کی معرفت اور قرب کی تمنا کرنے والے مریدین کے لیے سب سے پہلا اور لازمی کام عقائد کی اصلاح ہے۔ مریدین کے لیے اہل سنت والجماعت کے عقائد کے مطابق اپنے عقائد کو ڈھالنا بہت ہی ضروری ہے۔ کیونکہ کلمہ طیبہ کے اقرار کرنے والے تیہتر (۷۳) فرقوں میں صرف ایک جماعت ہی صراط مستقیم پر ہونے کی وجہ سے جنتی ہے۔ باقی بہتر (۷۲) فرقے عقائد کی خرابی کی وجہ سے حدیث مبارکہ کی روشنی میں دوزخ کے مستحق ہیں۔ مگر یہ فرقے کفار کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں نہیں رہیں گے بلکہ اپنے عقائد کی خرابی کے مطابق ان فرقوں کے تمام افراد کا دوزخ میں داخل ہونا ہے۔ عقائد کی خرابی کی سزا کے بعد ان کی بخشش کی امید ہے۔ مگر اہلسنت والجماعت جو کہ حدیث مبارکہ میں سوادِ اعظم (بڑی جماعت) میں سے کوئی شخص بھی عقائد کی وجہ سے دوزخ نہیں جائے گا ہاں اگر ان کے اعمال میں کمی ہوئی تو دوزخ میں جانے کا سبب بن سکتی ہے۔

دوسری اہم بات سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ پر مکمل عمل کرنا ہے۔ بدعات و خرافات سے خود کو بچانا ہے اور سلف صالحین کے طریقہ کے مطابق اعمال اپنائے۔

شیخ کامل مرید کے لیے نائب رسول کریم ﷺ کی حیثیت سے ہوتا ہے اس لیے شیخ کی محبت، صحبت بنیادی اہمیت رکھتی ہے اس لیے حضرت مجدد الف ثانی قیوم ربانی کے مکتوب نمبر **(۲۹۲)** کا ترجمہ آداب مریدین کی وضاحت کے لیے پیش خدمت ہے:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

تمام تعریفیں اللہ تعالی سبحانہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں آداب نبوی ﷺ سکھائے اور ہمیں اخلاق وحدانیہ کی ہدایت عطا فرمائی۔

اے عزیز۔ جان لے اس راہ فقر پر چلنے والے دو حال سے خالی نہیں وہ مرید ہیں یا مراد۔

اگر مراد ہوں تو انہیں مبارک کیونکہ انہیں انجذاب ومحبت کے راستے سے کشاں کشاں لے جائیں گے اور مطلب اعلیٰ تک پہنچا دیں گے۔ اور ہر ادب جو درکار ہو بالواسطہ یا بلاواسطہ انہیں سکھا دیں گے۔ اگر ان سے کوئی لغزش واقع ہوگئی تو اس پر انہیں جلدی اطلاع فرما دیں گے اور ان پر گرفت نہیں کریں گے اگر انہیں ظاہری پیر کی ضرورت ہوگی تو ان کی کوشش کے بغیر اس دولت تک پہنچا دیں گے۔ مختصر یہ کہ عنایت ازلی جل شانہ ان بزرگوں کے حال کی کفیل ہے۔ بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے کام کے لیے اللہ تعالیٰ کفیل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں جسے چاہتا ہے برگزیدہ بنالیتا ہے۔

اگر مرید ہونگے تو ان کا کام کامل اور کامل کرنے والے پیر کے واسطہ کے بغیر دشوار ہے۔ بلکہ ایسا پیر چاہیے جو جذبہ اور سلوک کی دولت سے مشرف ہو چکا ہو اور فنا و بقا کی سعادت سے بہرہ ور ہو چکا ہو۔ سیر الی اللہ، سیر فی اللہ سیر عن اللہ باللہ اور سیر فی الاشیاء باللہ کو مکمل طور پر طے کر چکا ہو۔ اگر اس کا جذبہ اس کے سلوک پر مقدم ہو اور مرادوں کی تربیت کا پروردہ ہو تو نہایت ہی اکسیر ہے۔ اس کا کلام دوا ہے اور اس کی نظر شفا ہے۔ مردہ دلوں کی زندگی اس کی توجہ شریف سے وابستہ ہے۔ اور پژمردہ جانوں کی تازگی اس کے التفات لطیف کے ساتھ مربوط ہے اگر اس طرح کا صاحب دولت باطنیہ پیر میسر نہ آئے تو سالک مجذوب ہی غنیمت ہے۔ ناقصوں کی تربیت اس سے بھی ہو جائے گی۔ اور اس کے ذریعے سے فنا اور بقا کی دولت تک پہنچ جائیں گے۔

عرش سے نیچے ہے گرچہ آسماں　　　لیکن اونچا ہے زمین سے اے جواں

اور اگر عنایت خداوندی جل سلطانہ سے کسی طالب کو اس طرح کے کامل کرنے والے پیر تک پہنچا دیں تو چاہیے کہ اس کے وجود شریف کو غنیمت جانے اور اپنے آپ کو مکمل طور پر اس کے سپرد کردے۔ اور اپنی نیک بختی کو اس کی رضامندی کے کاموں میں جانے اور اپنی بدبختی کو اس کی

ناراضگی میں خیال کرے مختصر یہ کہ اپنی ہر خواہش کو اس کے تابع کر دے حدیث پاک میں ارشاد ہے:

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنی خواہش نفس کو اس چیز کے تابع نہ کر دے جسے میں لے کر آیا ہوں۔ [1]

یہ بات بھی مرید کے ذہن میں رہنی چاہیے کہ آداب صحبت اور شرائط کا لحاظ بھی اس راستہ کی ضروریات میں سے ہے۔ تاکہ فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کا راستہ کھلے۔ اس کے بغیر صحبت کا کوئی نتیجہ نہیں اور نہ ہی مجلس کا کوئی فائدہ ہے۔ اس لیے بعض آداب اور ضروری شرائط بیان کی جاتی ہیں۔ گوش ہوش سے سنیں۔

۱۔ طالب کو چاہیے کہ اپنے دل کے چہرے کو تمام اطراف سے موڑ کر اپنے پیر کی طرف متوجہ کرے۔

۲۔ مرید کو چاہیے کہ پیر کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نوافل اور اذکار میں مشغول نہ ہو اور اس کے غیر کی طرف التفات نہ کرے اور اپنے آپ کو پوری طرح اس کی طرف متوجہ کر کے بیٹھے۔ یہاں تک کہ اس کے حکم کے بغیر ذکر میں بھی مشغول نہ وہ۔ فرض وسنت کے علاوہ کوئی نماز اسکی مجلس میں ادا نہ کرے۔

۳۔ مرید کے لیے لازمی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ایسی جگہ کھڑا نہ ہو کہ اس کا سایہ پیر کے کپڑوں پر یا پیر کے سایہ پر پڑتا ہو۔

۴۔ مرید کے لیے ضروری ہے کہ پیر کی جائے نماز پر پاؤں نہ رکھے۔

۵۔ پیر کے وضوخانہ میں بغیر اجازت وضو نہ کرے۔

۶۔ مرید شیخ کے خاص برتنوں کو اپنے استعمال میں نہ لائے۔

۷۔ شیخ کی اجازت کے بغیر مرید اس کے سامنے پانی نہ پیئے اور نہ کھانا کھائے۔

---

[1] (مشکوۃ شریف)

۸۔مرید شیخ کی موجودگی میں کسی سے بات نہ کرے اور نہ ہی کسی کی طرف متوجہ ہو۔

۹۔مرید شیخ کی عدم موجودگی میں اس کی طرف پاؤں نہ کرے اور نہ اس طرف تھوکے۔

۱۰۔جو کچھ پیر سے صادر ہوا سے درست جانے اگر چہ بظاہر درست نظر نہ آئے کیونکہ پیر جو کچھ کرتا ہے الہام اوراذن سے کرتا ہے لہذا ایسی صورت میں اعتراض کی گنجائش نہیں اور اگر اس کی بعض الہامی صورتوں میں خطا بھی ہو جائے تو مرید یہ جانے کہ خطائے الہامی خطائے اجتہادی کی طرح ہے کہ اس میں ملامت یا اعتراض جائز نہیں۔(جیسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور حضرت حضر علیہ السلام کے قرآن میں بیان کردہ واقعے سے آداب ظاہر ہوئے ہیں) نیز یہ کہ اس مرید کو اپنے شیخ سے محبت ہو چکی ہے اس لیے محبوب سے جو کچھ صادر ہو۔محبّ کو اچھا ہی نظر آتا ہے۔لہذا اعتراض کی گنجائش نہیں۔

۱۱۔مرید کلی وجزوی امور میں اپنے پیر کی اقتداء کرے، کیا کھانے میں، کیا پینے میں، کیا سونے میں یعنی ہر کام میں۔نماز کو اپنے پیر کی طرح ادا کرنا چاہیے اور فقہ کے مسائل کو اس کے عمل سے اخذ کرنا چاہیے۔

۱۲۔پیر کی حرکات وسکنات میں اعتراض کو قطعاً گنجائش نہ دے۔چاہے رائی کے برابر اعتراض ہو۔ کیونکہ اعتراض کا نتیجہ محرومی کے سوا کچھ نہیں۔اور تمام مخلوق میں زیادہ بے سعادت وہ شخص ہے جو اس گروہ اولیاء میں عیب نکالے اللہ تعالی ہم سب کو اس بلائے عظیم سے بچائے۔آمین

۱۳۔مرید اپنے شیخ سے خوارق وکرامات کا مطالبہ نہ کرے اگر چہ یہ طلب دل میں وسوسے اور خطرے کی شکل میں کیا۔تم نے کبھی سنا ہے کہ کسی مومن نے اپنے نبی سے معجزہ طلب کیا ہو؟ معجزے طلب کرنے والے کفار اور منکر لوگ تھے۔

۱۴۔اگر مرید کے دل میں کسی قسم کا شبہ آجائے تو بلاتوقف پیر کی خدمت میں عرض کرے اگر حل نہ ہو تو اپنی کوتاہی تصور کرے۔پیر پر عیب نہ لگائے۔

۱۵۔جو بھی خواب یا واقعہ مرید پر ظاہر ہو اسے پیر سے پوشیدہ نہ رکھے اور واقعات کی تعبیر اس سے طلب کرے اور جو تعبیر طالب پر ظاہر ہو وہ بھی عرض کر دے پھر درستی اور خطا کو اس میں تلاش کرے کیونکہ اس دنیا میں حق باطل کے ساتھ ملا ہوا ہے اور درستی خطا کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

۱۶۔مرید بلا ضرورت اور بلا اجازت شیخ سے الگ نہ ہو کیونکہ اپنے لیے اپنے پیر کے غیر کو اختیار کرنا عقیدت کے منافی ہے۔

۱۷۔مرید اپنی آواز کو پیر کی آواز سے بلند نہ کرے بلکہ اونچی آواز سے شیخ کے ساتھ گفتگو بھی نہ کرے کہ یہ بے ادبی ہے۔

۱۸۔اگر ظاہر و باطن میں فتوح اور کشائش حاصل ہو۔(یعنی مال و دولت آنے لگے یا فیوضات کی آمد ہو) تو اسے اپنے پیر کے طفیل جانے۔اور اگر واقعہ میں دیکھے کہ دوسرے مشائخ سے فیض پہنچا ہے تو اسے اپنے شیخ کی جانب سے جانے اور یہ اعتقاد کرے کہ چونکہ میرا شیخ کمالات و فیوضات کا جامع ہے لہذا میرے شیخ کے لطائف میں سے ایک لطیفہ جو اس فیض سے مناسبت رکھتا ہے میرے آزمائش بن کر دوسرے شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے لہذا مغالطے سے بچے اور اپنے پیر کے ساتھ حسن اعتقاد اور اس کی محبت پر قائم رہے۔

مختصر یہ کہ طریقت سب ادب ہے۔مثل مشہور ہے کہ کوئی بے ادب اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتا۔اگر کوئی مرید بعض آداب کی بجا آوری میں اپنی مجبوری جانے اور کوشش کے باوجود ان آداب کی مناسب ادائیگی تک نہ پہنچ سکے تو اس کے لیے معافی ہے۔مگر اس کوتاہی کا اعتراف ضروری ہے اگر خدانخواستہ آداب کی رعایت نہ کرے اور اپنی کوتاہی کا اعتراف بھی نہ کرے تو ایسا مرید ان بزرگوں کی برکات سے محروم رہتا ہے۔

ہاں وہ مرید جو شیخ کی توجہ سے فنا و بقا کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔ الہام اور فراست کا راستہ اس پر ظاہر ہو جاتا ہے تو شیخ بھی اسے مسلم رکھے اور اس کے کمال کی گواہی دے تو ایسے مرید کے لیے گنجائش ہے کہ بعض الہامی امور میں اپنے الہام پر عمل کرے اگرچہ اس کے شیخ کے نزدیک اسکے خلاف ہی بات ثابت ہو چکی ہو کیونکہ ایسا مرید شیخ کے حلقہ تقلید سے باہر ہو چکا ہوتا ہے اب اس کے لیے تقلید کرنا خطا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اصحاب کبار رضوان اللہ علیھم نے امور اجتہادیہ اور احکام غیر منزلہ میں سیدنا حضور نبی کریم ﷺ سے اختلاف کیا ہے اور بعض اوقات میں ثواب جانب اصحاب ظاہر ہوا ہے جیسا کہ ارباب علم پر مخفی نہیں ہے۔ ثابت ہو گیا کہ مرتبہ کمال تک پہنچنے کے بعد مرید کو شیخ کے برخلاف کرنا جائز ہے۔ اور بے ادبی سے مبراء ہے بلکہ یہاں اپنے اجتہاد سے عمل کرنا ہی ادب ہے ورنہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ جو پورے آداب سیکھ چکے تھے وہ آپ ﷺ کی تقلید کے سوا بالکل کچھ نہ کرتے تھے۔

حضرت امام ابوحنیفہ کے شاگرد حضرت امام یوسف کے لیے مرتبہ اجتہاد پر پہنچنے کے بعد امام ابوحنیفہ کی تقلید کرنا خطا ہے درستی اپنی رائے کی متابعت میں ہے نہ کہ حضرت امام ابوحنیفہ کی رائے کی متابعت میں۔ حضرت امام یوسف کے متعلق یہ قول مشہور ہے کہ میں حضرت امام آئمہ محدثین وفقہا امام ابوحنیفہ کے ساتھ مسئلہ خلق قرآن کے مسئلہ میں چھ مہینے تک جھگڑتا رہا تم نے یہ ضرور سنا ہوگا کہ فن کی تکمیل بہت سے افکار کے ملنے سے ہوتی ہے۔ اگر فن اور علم ایک ہی فکر میں رہتا تو اس میں اضافہ نہ ہوتا مثلاً علم نحو، جو سیبویہ کے زمانے میں تھا۔ آج نحویوں کے اختلاف آراء اور بہت سے افکار کے ملنے سے سوگنا زیادہ ہوا اور کامل ہو چکا ہے۔ لیکن چونکہ اس علم کی بنیاد امام سیبویہ نے رکھی تھی اس لیے بزرگی اور فضیلت اسی کے لیے مسلم ہے۔

لہذا افضیلت تو متقدمین کے لیے ہی ہے البتہ کمال متاخرین کے حصے میں آیا جیسا کی حدیث پاک میں ہے: میری امت کی مثال بارش کی سی ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ اس کا پہلا حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ۔

تتمہ

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ اے عزیز جان لے کہ صوفیائے کرام نے کہا ہے کہ:

اَلشَّیُخُ یُحُیِیُ وَ یُمِیتُ۔

یعنی شیخ زندہ بھی کر سکتا ہے اور مار بھی سکتا ہے۔

زندہ کرنا اور مارنا پیری کے لوازمات میں سے ہے۔ لیکن اس زندگی سے مراد روحانی زندگی ہے نہ کہ جسمانی زندگی۔ اسی طرح موت سے بھی نفس کا مارنا ہے نہ کہ جسم کا۔ اس حیات اور موت سے مراد فنا و بقا ہے جو مقام ولایت اور کمال تک پہنچاتا ہے اور شیخ کامل مقتداء بحکم الٰہی ان دونوں کا کفیل اور ضامن ہے۔ پس شیخ میں روحانی طور پر زندہ کرنے اور مارنے کی قوت کا ہونا ضروری ہے

لہذا: یَحُیِیُ وَ یُمِیُت کے معنی ہیں یُبُقِیُ وَ یُفنِیُ۔

یعنی شیخ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت سے بقا بھی عطا کرتا ہے اور فنا بھی جسم کو زندہ کرنے اور مارنے کا منصب شیخ سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔

شیخ مقتداء کہربا کی طرح ہے جس شخص کو اس سے مناسبت ہوگئی وہ حس و خاشاک کی طرح اس کے پیچھے دوڑتا آئے گا اور اپنا حصہ اس سے پائے گا۔ خوارق و کرامات مریدوں کو کھینچنے کے لیے نہیں ہیں۔ مرید معنوی مناسبت سے کھینچ کر آتے ہیں۔ اور جو شخص ان بزرگوں سے معنوی نسبت نہیں رکھتا وہ ان کے کمالات کی دولت سے محروم رہتا ہے اگر چہ ہزار معجزے یا خوارق و کمالات

دیکھے۔ابوجہل اور ابولہب کی اس معنی کی دلیل بنانا چاہیے۔اللہ تعالیٰ سبحانہ نے کفار کے بارے میں فرمایا:

ترجمہ: اگر یہ لوگ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تو پھر بھی ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ جب یہ لوگ آپ ﷺ کے پاس آئیں گے تو آپ ﷺ سے جھگڑیں گے۔منکریوں ہی کہیں گے یہ قرآن تو پہلے لوگوں کے اصل قصے کہانیاں ہیں۔

والسلام

(مکتوب امام ربانیؒ)

مریدین پر شیخ کے حقوق

حضرت امام ربانی قیوم زمانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ پیر کے حقوق مرید کے لیے تمام حقداروں سے بڑھ کر ہیں۔اللہ تعالیٰ سبحانہ کے فضل وکرم اور سیدنا حضور سید المرسلین ﷺ کے احسانات کے بعد شیخ کامل کا احسان ہوتا ہے۔ولایت جسمانی اگرچہ والدین سے ہے لیکن ولادت روحانی شیخ کی ذات سے وابستہ ہے اس چندروزہ زندگی کا باعث بننے والے والدین کا حق قرآن و حدیث میں کتنا واضح ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: آپ ﷺ کے رب نے فیصلہ فرمادیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے اور والدین کے ساتھ احسان کا رویہ اپنایا جائے۔

اسی طرح سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔

شیخ طریقت جو مرید کو روحانی زندگی عطا کر کے اس حیات ابدی سے مشرف کرتا ہے۔شیخ طریقت ہی کہ وہ ذات باکمال ہوتی ہے جو مرید کی باطنی نجاستوں کو اپنے قلب وروح کی توجہات سے دور کر کے اس کے باطن کو اس قدر صاف شفاف بنا دیتا ہے کہ وہ انوارات وفیوضات کے حصول کے قابل ہو جاتا ہے وہ مرشد ہی کی ذات ہوتی ہے جو مرید کے قلب کو عرش الٰہی کی مانند اسرار وحقائق کا محل بنا دیتی ہے وہ شیخ کامل ہی کی ذات ہوتی ہے جو مرید کو غفلت کی بے انتہا گہرائیوں سے اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی اقربیت ومحبوبیت کے عروج سے سرفراز کرتا ہے۔جو تمام دنیاوی سعادتوں سے اعلیٰ وارفع نعمت ہے۔اس شیخ کامل کے حقوق کس قدر عظیم ہیں جس نے مرید کو اسلام کی حقیقی لذات سے آشنائی بخشی۔اس لیے اللہ تعالیٰ کی رضا شیخ کامل کی رضا میں پوشیدہ ہے۔جب تک مرید اپنے آپ کو پیر کی رضامندی میں گم نہ کر دے اللہ تعالیٰ کی رضا تک نہیں پہنچ سکتا۔پیر کو ستانا مرید کی بدبختی کی جڑ ہے۔اس کا نتیجہ مرید کے عقائد واعمال میں خرابی کی صورت میں برآمد ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ شیخ کی نافرمانی کے بعد مرید میں ظاہر ہونے والی احوال استدراج ہوتے ہیں۔مشائخ کا ظاہری ادب باطنی عطاؤں کا سبب ہوتا ہے۔

جیسا کہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: لَوْ خَشَعَ قَلْبُه‘ لَخَشَعَ جَوَارِحُه‘ ۔ [1]

ترجمہ: اگر اس کا دل جھکتا تو اس کے اعضاء بھی جھکتے۔

حضرت ابو حفص حداد ایک مرتبہ حج کو جا رہے تھے۔آپ جب بغداد پہنچے تو شیخ جنید بغدادی نے استقبال کیا۔حضرت ابو حفص کے مریدان کے سامنے پاؤں کے بل کھڑے رہتے اور بہت اچھا ادب بجالاتے تھے۔حضرت جنید بغدادی نے فرمایا آپ نے یاروں کو شاہی آداب

---

[1] (مشکوۃ شریف)

سکھائے ہیں حضرت ابو حفص نے فرمایا دوستوں کے ظاہری آداب کو نگاہ رکھنا حق تعالی کے باطنی آداب کو نگاہ رکھنے کی علامت ہے۔ [۱]

حضرت محمد بن فضیل فرماتے ہیں کہ بدبختی کی تین علامات ہیں ایک یہ کہ کسی صالحین کی صحبت نصیب ہو جائے مگر وہ ان کی عزت و حرمت سے محروم رہے۔ دوسرے یہ کہ علم ہو مگر عمل نہ وہ۔ تیسرے یہ کہ عمل ہو لیکن اخلاص نہ ہو۔

حضرت ابو عمر ذغانی فرماتے ہیں کہ میں تیس سال تک حضرت شیخ جنید بغدادی کی نجاست کو اپنے ہاتھ سے صاف کرتا رہا اور میں اس پر فخر کرتا ہوں۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں وہ مرید جس کو شیخ سے محبت زیادہ ہو لیکن نفلی عبادت کم کرتا ہو اس مرید سے بہتر ہے جو نفل بہت پڑھتا ہو لیکن شیخ کی محبت اس میں کم ہو۔

قرآن وحدیث سے ادب و تعظیم کا ثبوت

اللہ تعالی رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کی شان وعظمت کے مطابق آداب و تعظیمات بروکار لانے کے قرآن حکیم میں واضح حکم فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ [۲]

اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ہی ان سے ایسے کھل کر بات کرو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بات کرتے ہو (اگر تم نے ایسا کیا) تو تمہارے

---

[۱] (عوارف المعارف) [۲] (سورۃ الحجرات، پ ۲۶، آیت نمبر ۲)

اعمال بر باد ہو جائیں گے اور تم کو خبر بھی نہ ہو گی۔

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددی فرماتے ہیں کہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کے ادب کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے آپ کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا کرنا توہین نبی پر دلالت کرتا ہے اور توہین نبی کفر ہے اس لیے خبط اعمال کا لفظ آیا جو کافرین اور مشرکین کے لیے استعمال ہوا وہ بارگاہ نبوت کی بے ادبی کرنے والوں کے لیے استعمال ہوا۔ اور یہی کفر خبط اعمال کا موجب ہے۔ [1]

بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ حضور نبی کریم ﷺ بہت چپکے سے بات کرتے تھے۔

حضرت ابن زبیر نے نزول آیت کا جو سبب بیان کیا ہے جس کو بخاری نے نقل کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اس کے بعد حضرت عمرؓ رسول کریم ﷺ سے اتنی پست آواز سے بات کرتے تھے کہ آپ ﷺ سن بھی نہ پاتے تھے اور دوبارہ دریافت فرماتے تھے۔

مسلم نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ثابتؓ نے خود کو گھر میں قید کر لیا کیونکہ وہ بلند آواز سے گفتگو کرنے کے عادی تھے وہ آپ کی خدمت میں حاضری سے ڈر گئے مگر جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ ثابت کو شہادت اور جنت نصیب ہو گی تو اس وقت گھر سے باہر آئے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کس قدر بے ادبی سے ڈر گئے کیونکہ بارگاہ رسالت کی بے ادبی اس کو مرتد کر دیتی ہے اور بارگاہ رسالت کا بے ادب مرتد ہونے کی وجہ سے واجب القتل ہو جاتا ہے جیسا کی احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصحابہ کرام نے بارگاہ رسالت کی گستاخی کے مرتکب افراد کو فوری طور قتل کیا۔

---

[1] (تفسیر مظہری)

بارگاہ رسالت کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھنے والوں کے بارے میں فرمایا: بے شک وہ لوگ جو اپنی آوازیں رسول اللہ ﷺ کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالی نے تقوی کے لیے خالص کر دیا ہے۔ ان لوگوں کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔[1]

صحابی وہ ہستی ہوتی ہے جو حالت ایمان میں سید الکونین ﷺ کے چہرہ انور کے دیدار سے مشرف ہوئی ہو۔ اجماع امت کے مطابق ہر صحابی کا درجہ اس قدر بلند و بالا ہے کہ امت کے تمام اولیاء کرام جمع ہو جائیں تب بھی کسی صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے بلکہ اس مٹی کو بھی نہیں پہنچ سکتے جو دیدار نبی ﷺ کے وقت کسی صحابی کے پاؤں کے نیچے تھی۔ ایک طرف صحابہ کرام کے درجات کی بلندی کی وجہ سے یہ مقام مگر دوسری طرف بارگاہ الہی سے اتنی سخت وارنگ اور گرفت کہ میرے محبوب ﷺ کی بے ادبی تمھارے تمام ہی اعمال کو ختم کر دے گی اور تمھیں علم ہی نہ ہو گا۔

صحابہ کرام نے کس طرح مشکل حالات میں ہجرت فرمائی، کفار سے جنگیں کیں، کفار کے مظالم برداشت کیے اور مال و عیال سب کچھ قربان کیا مگر اس سب کچھ کی اللہ تعالی کی بارگاہ میں کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی جب محبوب خدا ﷺ کی بے ادبی سرزد ہو جائے۔ ایک قابل غور بات جو مفسرین کرام نے آیت مذکورہ سے اخذ فرمائی وہ یہ ہے کہ کافر اور مشرک کے شعور کو اللہ تعالی سلب نہیں فرماتے ان کے لیے مرنے سے پہلے ایمان کا راستہ کھل سکتا ہے مگر بارگاہ رسالت کے بے ادب کو اضافی سزا یہ بھی اللہ تعالی کی طرف سے دی جاتی ہے کہ اس کا شعور واپس لے لیا جاتا ہے اس کے لیے گناہ عظیم کا احساس کرنا ممکن نہیں رہتا اس ارتداد اور کفر کے بوجھ کے ساتھ اس کو دوزخ تک لے جانا مقصود ہوتا ہے۔ شعور کے سلب کرنے کا مقصد مدعا اس مرتد کے لیے توبہ کے دروازے بند کرنے

---

[1] (سورۃ الحجرات)

کے مترادف ہوتا ہے۔ قرآن کی نص قطعی سے ثابت ہوا کے اعمال سے زیادہ وزن واہمیت ادب و تعظیم کی ہے۔

اللہ تعالی رب العزت کی طرف اپنے حبیب مکرم ﷺ کی عزت وتوقیر کا واضح حکم ہے:

وَتُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ۔ [1]

ترجمہ: اور (رسول اکرم ﷺ) کی تعظیم وتوقیر کرو۔

سید الکونین ﷺ کی صحابہ بہت ہی تعظیم اور توقیر کرتے جیسا کہ حضرت عروہؓ بن مسعود نے روایت کیا کہ انہوں نے مدینہ منورہ میں دیکھا کہ جب نبی کریم ﷺ تشریف فرماتے ہیں تو صحابہ کرام نہایت ہی باادب انداز میں آپ ﷺ کی گفتگو سنتے جب آپ ﷺ وضو کا ارادہ فرماتے تو ہر صحابی کی کوشش ہوتی کہ یہ سعادت اس کو حاصل ہو اور اصحابہ کرام آپ ﷺ کے وضو کے اس پانی کو آپ ﷺ کے جسد اطہر لگ چکا ہوتا اس کو زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے اور آپ ﷺ کے لعاب مبارک اور ناک مبارک کی رطوبت کو بھی اپنے ہاتھوں پر لے کر محبت سے اپنے چہروں اور اعضاء پر مل لیتے تھے میں عزت و تعظیم کا ایسا کوئی منظر کسی بادشاہ کے دربار میں نہیں دیکھا۔ [2]

اسی طرح امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ وفد مسجد نبوی میں آیا اور انہوں نے حضور سید الکونین ﷺ کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا۔ [3]

آداب کا تذکرہ حبیب مکرم ﷺ کی عظیم بارگاہ سے شروع کرنے کا مقصد یہ کہ فیض کے اصل مرکز کے آداب سے شناسائی ضروری ہے۔

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے ایک مجلس میں نبی کریم ﷺ قبلہ رخ بیٹھ گئے اور

---

[1] (سورۃ الفتح، پ ۲۶، آیت نمبر ۹)، [2] (بخاری)، [3] (ادب المفرد)

ہم بھی آپکے پاس بیٹھ گئے مگر کیفیت یہ تھی جیسے ہمارے سروں پر پرندوے بیٹھے ہوں۔ حضور نبی مکرم ﷺ کی مجلس میں صحابہ کرام کی یہ صورت بہت سی حدیثوں میں آچکی ہے۔[1]

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ خطبہ کے لیے ممبر پر تشریف فرما ہوئے تو فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ ابن مسعودؓ نے جب آپ ﷺ کی آواز سنی تو مسجد کے دروازے پر ہی بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ کی نگاہ پڑی تو فرمایا آگے آجاؤ۔

حضرت سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن حضور نبی کریم ﷺ ممبر پر تشریف فرما ہوئے تو حکم فرمایا بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری کے کان میں جونہی آواز پڑی تو آپ قبیلہ بنی غنم میں تھے تو آپ وہیں بیٹھ گئے۔[2]

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام آداب کی بجا آوری میں ایک لمحہ کی بھی دیر گوارا نہیں کرتے تھے۔

حضرت امیر معاویہ (۴۰ ہجری) میں شام میں فوت ہوئے جبکہ آپ وہاں کے حاکم تھے ان کے پاس نبی مکرم ﷺ کی دو چادریں کچھ مال مبارک اور ناخن مبارک تھے ان چادروں میں ان کو کفن دیا گیا اور ناخن مبارک اور بال مبارک ان کے منہ اور ناک میں رکھ دیئے گئے یہ سب کچھ ان کی وصیت کے مطابق کیا گیا۔ [3]

ہرقل روم نے سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کے نامہ مبارک کو بڑے احترام و تعظیم سے سونے کی ایک نلکی میں محفوظ رکھا ہوا تھا اور رومی بادشاہوں کے پاس یہ خط یکے بعد دیگرے ورثے میں آتا رہا۔ [4]

---

[1] (لمعات شرح مشکوۃ)، [2] (حصائص لکبرای)، [3] (نسیم الریاض شرح شفا)، [4] (دلائل السلوک)

اسی طرح قرآن حکیم کے اندر جس تابوت کا ذکر ہے وہ جو آدم علیہ السلام سے لیکر سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا اس تابوت میں انبیاء علیہم السلام کی تصاویر، کپڑے اور عمامے محفوظ تھے اور اس تابوت کو طالوت کی بادشاہی کی نشانی قرار دیا گیا اسی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نعلین اور عصا اور من بھی تھا۔ بنی اسرائیل اسی تابوت کو مشکل اوقات میں سامنے رکھ کر دعا کرتے تو اس کی برکت سے دشمنوں پر فتح پاتے تھے۔ ۱

حضرت شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں کہ شیخ کا کام بہ نیابت نبوت اپنے مریدوں کی روحانی تربیت اور تزکیہ کرنا ہوتا ہے اور شاگردوں کا کام صحابہ کرام کے اتباع میں حصول فیض ہوتا ہے اس لیے تصوف وسلوک میں یہی آداب اصل اور سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور ہم صوفیائے کرام اس مسئلہ میں رسول مکرم ﷺ اور صحابہ کرام کی اتباع کرتے ہیں اور جس شخص نے صحیح طور پر آپ ﷺ کی اتباع کی وہ خدا کا محبوب بندہ بن گیا۔ ۲

حضرت امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں: شیخ کا مرتبہ ماں باپ سے اونچا ہے کیونکہ ماں باپ دنیا کی آگ اور اس کی آفتوں سے بچاتے ہیں اور شیخ اسے دوزخ کی آگ اور اس کی سختی سے بچاتے ہیں۔ ۳

علامہ ابراہیم عبیدی مالکی فرماتے ہیں: اولاد دو قسم کی ہوتی ہے۔ نسبی اور قلبی۔ صوفیائے عارفین کے نزدیک قلبی اولاد نسبی سے مقدم ہے۔

روحانی اولاد اس برتری کی وجہ یہ ہے کہ والد اپنی نسبی اولاد کی جسمانی زندگی اور بدن کی غذا مادی کا سبب ہوتا ہے یہ جسمانی زندگی اور مادی غذا فانی ہے اور شیخ کامل قلبی اولاد کو حیات باطنی فراہم

---

۱ (تفسیر منہاج القرآن، تفسیر خزائن العرفان، تفسیر ماجدی، تفسیر خازن، مدارک روح البیان، جلالین)، ۲ (عوارف المعارف)، ۳ (تفسیر کبیر جلد ا)

کرتا اور اور اپنے سینہ کے انوارات اور انوارات ذکر سے اسے روحانی غذا دائمی طور پر فراہم کرتا ہے یہ قلبی حیات اور انوارات کی غذا دائمی اور باقی رہنے والی ہے۔ اس لیے باقی رہنے والی چیز فنا ہونے والی چیز سے مقدم ہے۔

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددی صاحب تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں کہ باطنی کمالات کے حصول کے لیے طریقت کی طلب کی کوشش کرنا واجب ہے اور کمالات ولایت کا حاصل کرنا فرائض میں سے ہے اور شیخ کے آداب میں کوتاہی کرنا حرام ہے کیونکہ اس سے روحانی ترقی رک جاتی ہے۔ ؎۱

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ قَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسٰنًا ہ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو۔ ؎۲

والدین کے ساتھ احسان یہ ہے کہ ان کے حقوق سے زیادہ ان کی خدمت کی جائے اور ان کی شکرگزاری کی جائے ظاہری والدین کے ساتھ روحانی والدین کے ساتھ بھی احسان اور شکرگزاری کا سلوک کرنا لازمی ہے۔ حضرت شیخ شہاالدین سہروردی فرماتے ہیں: جس شخص نے شیخ کے جواب کا احترام ملحوظ نہ رکھا وہ شیخ کے فیض سے محروم ہوگیا اور جس نے شیخ کی بات کے جواب میں نہیں کہہ دیا وہ کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔ ؎۳

حضرت علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں ایک روز حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا عبداللہ بن

؎۱ (بستان السالکین)، ؎۲ (سورۂ بنی اسرآئیل، پ۱۵، آیت نمبر۲۳)، ؎۳ (عوارف المعارف)

عباسؓ دروازہ کھٹکھٹا دیا کرو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک عالم اپنی قوم میں وہی مقام رکھتا ہے جو نبی اپنی امت میں اور اللہ تعالی نے اپنے نبی کے حق میں فرمایا: اگر وہ انتظار کریں سیدنا حضورﷺ خود ان کی خاطر گھر سے نکلیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہوگا۔

میں نے یہ قصہ بچپن میں دیکھا اور اپنے مشائخ کے ساتھ میں نے اسی کے مطابق ادب اختیار کیا۔[1]

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس حضرت ابی بن کعب کے گھر جا کر قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور حضرت ابن عباسؓ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ حضرت ابی بن کعبؓ کا دروازہ نہ کھٹکھٹاتے تھے بلکہ دروازہ کے پاس بغیر اطلاع دیے انتظار میں کھڑے رہتے تھے اس لیے حضرت ابی بن کعبؓ پر یہ بات گراں گذری اور فرمایا دستک دیا کرو۔

صحابہ کرام کا باہمی ادب واحترام ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ اسی طرح مدارک میں ہے کہ جس سے علم ظاہری یا علم باطنی سیکھے اس کے ساتھ بتواضع وادب پیش آئے۔ شاگرد اور مرید کے آداب میں ہے کہ وہ شیخ کے افعال پر زبان اعتراض نہ کھولے اور منتظر رہے وہ خود ہی اس کی حکمت ظاہر فرمائے۔

ہاتھ پاؤں چومنا

سیدنا حضور حبیب مکرمﷺ کے صحابہ کرام آپکے ہاتھ مبارک اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین آپس میں ایک دوسرے کے ہاتھوں کو عقیدت اور محبت سے بوسہ دیا کرتے تھے۔

---

[1] (تفسیر روح المعانی)

ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینا کے ثبوت میں احادیث پیش خدمت ہیں:

۱۔ حدیث شریف میں آتا ہے: و عَنْ ذراعٍ وَ کَانَ فِی وَفْدِ عَبْدِ القَیْسِ قالَ لَمّا قَدِمْنَا المدینۃفَجَعَلْنَا نَتَبَادَرُ مِنَّ رَوَا حِلِنَا فنقبل ید رسول اللہ ﷺ وَرِجلَه‘ ۔ ۱؎

ترجمہ حدیث: حضرت ذراعؓ سے مروی ہے اور وہ وفد عبدالقیس میں تھے آپؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ آئے اپنی سواریوں سے اترنے میں جلدی کرنے لگے۔ پس ہم حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومتے تھے۔

۲۔ اسی طرح کی روایت حضرت صفوان ابن عبال سے بھی مروی ہے: فیقبل یَدَیْہِ وَرِجلَه‘ ۲؎

ترجمہ: پس انہوں نے حضور ﷺ کے ہاتھ پاؤں چومے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں آپ ﷺ نے ان کے اس جذبہ شوق و محبت کو جائز و برقرار رکھا اور اس سے انہیں منع نہ فرمایا۔

۳۔ عَنْ عَائِشَتَه قَالَتْ قَبَّلَ رسول اللہ ﷺ عثمان ابن مَظْعَونِ وَ هُوَ مَیِّتٌ‘۔ ۳؎

سیدہ طاہرہ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے حضرت عثمانؓ ابن مطعون کو بوسہ دیا حالانکہ ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

٤۔ کان ابن عُمَرَ یَضَعَ یَدَه‘ عَلٰے المَمبَرَ الّذِیْ یَجلِسُ عَلَیْہِ رَسُوْ لُ اللہِ عَلیہِ السّلام فی الُخُطْبَتِه ثُمّ یَضَعُھَا عَلٰی وَجُھِه۔ ۴؎

ترجمہ: جس ممبر پر حضور علیہ السلام خطبہ فرماتے تھے اس پر حضرت عبداللہ ابن عمر اپنا ہاتھ لگا کر منہ پر رکھتے تھے یعنی چومتے تھے۔

۱؎ (مشکوۃ شریف، ابوداؤد)، ۲؎ (مشکوۃ)، ۳؎ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ مشکوۃ)، ۴؎ (شفا۔ شرح بخاری لابن حجر)

۵۔ شامی نے حاکم کی ایک حدیث سے اسطرح نقل کیا ہے: قَالَ ثُمّ اَذِنَ لَه‘ فقبّلَ رَاْسَه‘وَرِجْلَیْہِ وَ قَالَ لَو کُنتُ اٰمِرًا اَحَدَ لیَسجُدَ لِاَحَدِ لَاَمَرتُ المَرْاَةَ اَنْ یَسجُدَ لِزَوْجِهَا وَ قَالَ صحع الاسناد۔[1]

حضور ﷺ نے اس شخص کو اجازت دی اس نے آپ ﷺ کے سر اور پاؤں مبارک پر بوسہ دیا۔اور حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر ہم کسی کو سجدے کا حکم دیتے تو عورت کو حکم دیتے کہ شوہر کو سجدہ کرے۔

۶۔ بیہقی نے عروہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نبی کریم ﷺ کا بعد وفات بوسہ لیا۔[2]

۷۔ سیدنا حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہنچ گئے تو وہاں کے لوگوں نے سیدنا حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ دونوں کے ہاتھ چومنا شروع کر دیئے تھے۔چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کھڑے ہو گئے اور چادر حضور ﷺ کے سر مبارک پر تان لی تا کہ حضور ﷺ کا مخدوم اور سردار ہونا ظاہر ہو اور ابوبکر صدیقؓ کا خادم ہونا واضح ہو۔دونوں کا ہم شکل ہونا غارثور کی توجہ اتحادی کے سبب تھا۔دونوں ہم شکل نظر آرہے تھے۔[3]

۸۔ حضرت امام غزالیؒ نقل فرماتے ہیں کہ امام شعبی نے بیان کیا ہے کہ حضرت زیدؓ بن ثابت نے ایک مرتبہ نماز جنازہ پڑھائی اور پھر اپنے خچر پر سوار ہونے لگے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے دوسری رکاب تھام لے۔آپؓ نے فرمایا۔اے حضور ﷺ کے چچا ذات بھائی رکاب کو چھوڑ دیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جواب دیا کہ ہمیں یہی حکم ہوا ہے کہ علماء و مشائخ کی تعظیم اسی طرح

---

[1] (درمختار)، [2] (الخصائص الکبریٰ)، [3] (کتاب ہجرت بخاری)

کریں اس پر حضرت زیدؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ہاتھ چوم لیے اور ساتھ فرمایا کہ ہمیں بھی حکم ملا ہے کہ نبی علیہ السلام کے اہل بیت کے ساتھ اسی طرح کریں۔ [1]

۹۔ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ مسلمان کا بوسہ دینا اپنے بھائی کا مصافحہ ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں جو شخص دین کا بزرگ ہے اس کے ہاتھ کو بوسہ دینا برکت حاصل کرنے کے لیے اور اس کی تعظیم کے لیے مضائقہ نہیں۔ [2]

۱۰۔ حضرت کعب بن مالک راوی ہیں کہ جب میری توبہ نازل ہوئی تو میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا۔ [3]

۱۱۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا ہے۔ [4]

۱۲۔ ایک اعرابی نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو اجازت دیجئے کہ آپ ﷺ کے سر اور ہاتھ کو بوسہ دوں تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور اس نے بوسہ دیا۔

۱۳۔ حضرت ابوعبیدہؓ جب حضرت عمر فاروقؓ سے ملے تو آپؓ سے مصافحہ کیا اور ہاتھ کو بوسہ دیا اور دونوں چیخ کر رونے لگے۔

۱۴۔ حضرت سلیمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا حضور علیہ السلام کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت کو بوسہ دیا اور مجھ پر گریہ طاری ہو گیا۔ [5]

۱۵۔ مخدومہ کائنات سیدہ طاہرہ حضرت فاطمۃ الزہرہ جب تشریف لاتیں تاجدار کائنات نبی اکرم ﷺ اپنی صاحبزادی کے لیے کھڑے ہو جاتے اور انکی پیشانی مبارک پر بوسہ فرماتے۔

۱۶۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ میرے گھر میں تھے اور زید بن حارث وہاں آئے

---

[1] (احیاء العلوم۔طبرانی۔حاکم)، [2] (احیاء العلوم)، [3] (ترمذی)، [4] (ابوداؤد)، [5] (احیاء العلوم)، [5] (الخصائص الکبری)

اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ ﷺ کپڑے کھینچتے ہوئے اٹھ کر ان کی طرف تشریف لے گئے۔ ان سے معانقہ (گلے ملے) کیا اور ان کو بوسہ دیا۔ ۱؎

۱۷۔ حضرت شعبیؒ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ حضرت جعفرؓ کو ملے تو انہیں گلے لگایا اور ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ ۲؎

۱۸۔ حضرت صفوان بن عسالؓ سے روایت ہے کہ یہودیوں کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کھلی ہوئی نو نشانیاں کیا ہیں جب آپ ﷺ نے وہ بتادیں تو انہوں نے آپ ﷺ کے ہاتھوں اور قدمین شریفین کو بوسہ دیا۔ ۳؎

۱۹۔ حضرت امام بخاریؒ نقل کرتے ہیں کہ حضرت وازع بن عامر کہتے ہیں کہ ہم آئے اور کہا گیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں تو ہم آپ ﷺ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دینے لگے۔ ۴؎

۲۰۔ حضرت امام بخاریؒ نقل کرتے ہیں کہ حضرت صہیب کہتے ہیں میں نے حضرت علی کو حضرت عباسؓ کے ہاتھ اور پیر چومتے ہوئے دیکھا۔ ۵؎

۲۱۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی ﷺ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ ۶؎

۲۲۔ یحی بن حارث زماوی کہتے ہیں کہ میری واثلہ بن الاسقع سے ملاقات ہوئی میں نے کہا آپ نے اپنے اس ہاتھ سے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے کہا اپنا ہاتھ بڑھایئے میں اس کو بوسہ دوں گا انہوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور میں نے اس کو بوسہ دیا۔ ۷؎

۲۳۔ صفوان بن عسال کہتے ہیں کہ یہود کی ایک قوم نے نبی ﷺ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا۔ ۸؎

۱؎ (ترمذی)، ۲؎ (ابوداؤد، بیہقی)، ۳؎ (ترمذی)، ۴؎ (الادب المفرد۔ص۲۵۳)، ۵؎ (الادب الفرد۔ص۲۵۴)، ۶؎ (مجمع الزوائر، حافظ نورالدین الہیثمی)، ۷؎ (مجمع الزوائر، حافظ نورالدین الہیثمی)، ۸؎ (مصنف بن ابی شیعبہ۔ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ)

۲۴۔ عقیم بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ شام میں آئے تو حضرت ابوعبیدہ بن ضراح نے ان کا استقبال کیا اور ان سے مصافحہ کر کے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا پھر دونوں خلوت میں رونے لگے اور تمیم کہتے تھے کے ہاتھ کو بوسہ دینا سنت ہے۔ ۱؎

ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دینے کے بارے میں اولیاء اللہ اور اہل نظر کے اقوال اور واقعات پیش خدمت ہیں۔

۱۔ حضرت شیخ محمد ابوالموہب شاذلیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے پیر و مرشد حضرت ابوسعید صغرویؒ سے دوخواست کی تھی کہ آپؒ مجھے اپنے قدم چومنے دیجئے۔ مگر وہ مجھ سے اس کا وعدہ کرتے اور فرماتے وقت آنے دو مگر جب انہوں نے وفات پائی تو میں نے سید الکونین حضور نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا اپنے شیخ سے وعدہ پورا کرنے کی درخواست کر۔ چنانچہ میں نے ان کے قدم چومے اور ان کو بوسہ دیا۔ ۲؎

۲۔ حضرت گنج شکر فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام جب تخت شاہی پر تشریف فرما ہوئے اور جب معززین بنی اسرائیل میں سے کوئی آتا تو آپؑ مسند سے اٹھ کھڑے ہوتے اور ان کا ہاتھ چومتے۔ ۳؎

۳۔ فتوی عالمگیری میں پانچ قسم کا بوسہ جائز قرار دیا گیا ہے۔ رحمت کا بوسہ جسے باپ اپنے بیٹے کو چومے۔ ملاقات کا بوسہ جسے بعض مسلمان بعض کو بوسہ دیں شفقت کا بوسہ جسے فرزند اپنے ماں باپ کو بوسہ دے۔ شہوت کا بوسہ جسے خاوند اپنی بیوی کو بوسہ دے۔ دین داری کا بوسہ اور حجر اسود کا

۱؎ (کنز العمال۔ علامہ علاؤالدین علی المتقی)، ۲؎ (الطبقات الکبری، علامہ عبدالوہاب شعرانی)، ۳؎ (اسرار الاولیاء)

چومنا بھی اس میں شامل ہے۔ [۱]

۴۔ درمختار نے بوسہ کی ان صورتوں کو جائز قرار دیا ہے اسکے علاوہ ایک بوسہ دین داری کا ہے وہ حجر اسود کا بوسہ کعبہ شریف کی چوکھٹ کا بوسہ ہے۔ قرآن پاک کو چومنا ہے کہ حضرت عمر روزانہ صبح قرآن کو بوسہ دیتے تھے۔ [۲]

۵۔ حضرت بابا فریدالدین گنج شکر چشتی فرماتے ہیں کہ مشائخ کی دست بوسی یقینی طور پر دین و دنیا کی برکت کا باعث بنتی ہے ایک دفعہ سنجر کو وفات کے بعد خواب میں کسی نے دیکھا تو پوچھا اللہ تعالی نے کیا معاملہ فرمایا تو سلطان نے کہا کہ مجھے دمشق کی مسجد میں حضرت حاجی شریف خواجہ کے دست مبارک چومنے کی وجہ سے بخش دیا گیا۔ اسی طرح آپؒ مزید فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن بہت سارے گناہ گار اولیاء کرام کی دست بوسی کی برکت سے بخشش پائیں گے۔ [۳]

۶۔ حضرت ابراہیم بن ادھم کے ہاتھ چومنے کی وجہ سے ایک نوجوان کو خواب میں جنت کا نظارہ ہوا اور مغفرت کی بشارت دی گئی۔ [۴]

۷۔ اسی طرح رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں: تعظیم دیندار کو کھڑا ہونا درست ہے اور ہاتھ پاؤں چومنا ایسے ہی شخص کا بھی درست ہے اور حدیث سے ثابت ہے۔ [۵]

۸۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں حضرت ایشاں کے بارے میں کہ آستانہ شریف پر حاضر ہوا اور آپے سے گزر گیا۔ حضرت میاں جیو صاحب کے حضور میں پہنچ کر قدموں پر گر پڑا حضرت میاں جیو نے میرے سر کو اٹھایا۔ [۶]

۹۔ اشرف علی تھانوی نے فرمایا کہ حضرت صابر بخشؒ کے عرس میں شرکت کے لیے ہاتھی پر سوار

---

[۱] فتاوی آلمگیری)، [۲] (درمختار)، [۳] (اسرار الاولیاء)، [۴] (اسرار الاولیاء)، [۵] (فتاوی رشیدیہ)، [۶] (امداد المشتاق ص ۱۴)

ہو کر گیا مجھے دیکھتے ہی تمام لوگ کھڑے ہوئے اور دست بوسی کر کے مسند صدر پر بٹھایا۔ ۱؎

۱۰۔ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ نفاع بدوی کو ان سے بہت عقیدت و محبت تھی وہ کبھی دست بوسی (ہاتھوں کو چومنا) کرتا اور کبھی پا بوسی (پاؤں کو چومنا) کرتا تھا۔ ۲؎

۱۱۔ ایک دفعہ مولوی منظور احمد صاحب حضرت امداد اللہ مہاجر مکی صاحبؒ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہوئے۔ ۳؎

۱۲۔ حضرت امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت نصیر الدین دہلوی کے قدموں میں مجبور ہو کر گر پڑا اور حضرت نے مجھے طریقہ نقشبندیہ کی اجازت عطا فرما دی۔ ۴؎

دربار رسالت میں صحابہ کرام کا تعظیم و توقیر بجالانا

سید الکونین حضور اکرم ﷺ کی تعظیم و توقیر صحابہ کرامؓ کس طرح کرتے تھے اور بارگاہ رسالت کے آداب کس طرح بجالاتے تھے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں میرے نزدیک رسول اکرم ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی ایک بھی نہ تھا اور نہ میری آنکھ میں آپ ﷺ سے زیادہ کوئی بزرگ و عظیم تر تھا۔ اور میرا حال یہ تھا کہ میری طاقت اتنی نہ تھی کہ میں آپ ﷺ کو آنکھ بھر کر دیکھ سکوں اور نہ ہی آپ ﷺ کے دیدار سے آنکھیں سیر ہوتی تھیں۔ اگر مجھ سے کوئی کہے کہ میں حبیب مکرم ﷺ کا کوئی وصف بیان کروں تو مجھ میں اتنی قدرت نہیں اس لیے کہ میں آپ ﷺ کے سامنے اپنی آنکھیں بتقاضا ادب اوپر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ ۵؎

۱؎ (امداد المشتاق۔ ص ۱۱۱)، ۲؎ (امداد المشتاق۔ ص ۱۳۷)، ۳؎ (امداد المشتاق۔ ص ۱۳۸)، ۴؎ (امداد المشتاق۔ ص ۱۴۸)، ۵؎ (ترمزی)

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ہماری حالت یہ تھی کہ جب جب سیدنا حضور اکرم ﷺ باہر تشریف لاتے تو اصحاب مہاجرین وانصار کے حلقے میں جلوہ گر ہوتے۔ ان میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان نشت فرماتے مگر ان میں سے کسی میں تاب وہمت نہ ہوتی کہ آپ ﷺ کی طرف نظر بھر کر دیکھ سکے۔ یہ حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی عظمت وہیبت اور غایت وجلال کا عالم تھا۔ البتہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ آپ ﷺ کی طرف نگاہ ادب سے دیکھتے اور متبسم ہوتے۔ پھر سید الکونین ﷺ ان کی باہمی الفت ومحبت کا عالم تھا۔ [1]

حضرت اسامہ بن شریکؓ فرماتے تھے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ کے صحابہؓ آپ ﷺ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے اور ان کا حال یہ تھا کہ گویا ان کے سر پر پرندے بیٹھے ہیں۔ مطلب یہ کہ انتہائی سکون وقرار میں تھے۔ نہ وہ حرکت کرتے اور نہ ہی سر اٹھاتے تھے۔ جب آپ علیہ الصلوۃ والسلام کلام فرماتے تو صحابہ کرامؓ سروں کو ادب سے جھکا دیتے اور خاموش ہو جاتے۔

حضرت عروہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ جس وقت ان کو سال حدیبیہ میں قریش نے رسول کریم ﷺ کے پاس بھیجا کہ وہاں کے حالات معلوم کیے جائیں میں نے وہاں صحابہ کرامؓ کو آپ ﷺ کی تعظیم اور احترام کرتے دیکھا اور یہ حال دیکھا کہ جب نبی کریم ﷺ وضو کا ارادہ فرماتے تو صحابہ کرام آپ ﷺ کے لیے وضو کا پانی لاتے میں جلدی کرتے اور ایک دوسرے سے سبقت کرتے اور قریب ہوتا کہ باہمی جھگڑہ ہو جائے مگر وضو کا آپ ﷺ کے جسم اطہر کے ساتھ لگا ہوا پانی زمین پر گرنے نہیں دیتے۔ حضور ﷺ کا لعاب دہن مبارک یا آب بینی یا آب حلق مبارک جدا ہونے

---

[1] (ترمذی)

نہیں پاتا کہ تھا کہ صحابہؓ آگے بڑھ کر اپنی ہتھیلیوں میں لے لیتے اور اسے اپنے چہروں اور جسموں پر مل لیتے۔ اور حضور ﷺ کا جو موئے مبارک جدا ہوتا اسے جلدی سے حاصل کر لیتے اور اسے تبرک بنا کر اس کی حفاظت کرتے۔ اور جب آپ ﷺ کوئی حکم فرماتے تو اسے پورا کرنے میں صحابہ کرام بہت جلدی کرتے اور جب بات کرتے تو اپنی آوازوں کو پست کر لیتے اور کسی کو یارا نہ ہوتا کہ نگاہ اٹھائے۔ اور آپ ﷺ کے چہرہ انور کو دیکھ سکے۔ یہ سب عنایت تعظیم اور اجلال کی وجہ سے تھا۔ جب عروہؓ لوٹ کر قریش کی طرف گئے تو ان کو دیکھتے ہی کہنے لگے اے گروہ قریش! میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کو ان کی بادشاہی کے زمانے میں دیکھا ہے مگر قسم ہے خدا کی میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا جیسا کہ حضرت محمد ﷺ اپنے اصحاب میں ہیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا جسطرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ان کے صحابہ کرتے ہیں۔ [1]

حضرت انسؓ کی حدیث میں ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جس وقت سر مبارک سے قینچی سے بال تراشتے جاتے فوراً صحابہ کرام آپ ﷺ کے گرد جمع ہو جاتے اور مبارک بالوں کو ہاتھوں میں لیتے رہتے اور بال بھی زمین پر گرنے نہیں دیتے تھے۔ بعد میں ان موئے مبارک کو آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام میں تقسیم فرما دیتے تھے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے موئے مبارک اپنی ٹوپی میں تبرک کے طور پر رکھے ہوئے تھے۔

آپ ﷺ کے انتہائی آداب میں سے ایک یہ ہے کہ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور اکرم ﷺ نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو قریش مکہ کی جانب دعوت اسلام اور صلح کے ابتدائی قواعد و

---

[1] (بخاری شریف)

ضوابط طے کرنے کے لیے روانہ فرمایا تو قریش نے حضرت عثمانؓ کو اجازت دی کہ وہ بیت الحرام کا طواف کرلیں مگر حضرت عثمانؓ نے انکار فرمایا اور کمال محبت کو اس طرح بیان فرمایا میں اسی وقت تک طواف کعبہ نہیں کرسکتا جب تک رسول اللہ ﷺ پہلے اس کا طواف نہ کرلیں۔

صحابہ کا عقیدہ ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح حضرت عثمانؓ نے حضور اکرم ﷺ کے ادب کی رعایت کو طواف سے عظیم تر سمجھا اور آپ ﷺ کے ادب و تعظیم میں طواف کعبہ کو چھوڑ دیا۔

حدیث پاک میں ہے کہ صحابہ کرامؓ کسی بدو کے آنے کو پسند فرماتے تھے کہ وہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ سے کوئی ایسی بات پوچھے جو ان کے دین میں فائدہ پہنچائے کیونکہ خود ان میں اتنی تاب نہ ہوتی کہ آپ ﷺ کی ہیبت اور جلال کی بنا پر کچھ دریافت کرسکیں۔ اور قیلہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو قرفصی کی وضع پر بیٹھے دیکھا تو میں لرزہ براندام ہوکر آپ ﷺ کی ہیبت و جلال میں گر پڑا۔

حضرت مغیرہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کے دروازہ مبارک کو ناخنوں سے بجاتے تھے تاکہ کھٹکھٹانے کی آواز سخت و شدید نہ ہوجائے اور آپ ﷺ کو تکلیف نہ پہنچے۔

حضرت براء بن عاذب فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے ایک سوال پوچھنا چاہتا تھا۔ یہاں تک کی کئی سال گزر گئے مگر سوال دریافت کرنے کی ہمت نہ ہوئی باوجود کہ آپ ﷺ تمام لوگوں میں بڑے خوش اخلاق اور صحابہؓ کے ساتھ بڑی ہی مہربانی فرمانے والے تھے۔ خصوصاً فقراء اور مساکین کے ساتھ۔

مریدین کے لیے اٹھنے بیٹھنے کی سنتیں

تمام مسلمانوں کے لیے آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی پیاری سنتوں اور طریقوں پر عمل کرنا بے حد ضروری ہے حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص دوپہر کا قیلولہ سنت کی نیت سے کرتا ہے تو اس کا یہ عمل سنت سے ہٹ کر رات کی عبادت کرنے والے سے بہتر ہے۔ ١

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ کا فرمان کہ عشاء اور صبح کی نماز باجماعت اتباع سنت میں ادا کرنا بہتر اس سے کہ کوئی شخص رات کو شب بیداری کرے اور صبح کی نماز جماعت سے ادا نہ کرے۔

جب اللہ تعالیٰ رب العزت نے حبیب اکرم ﷺ کو شان محبوبیت سے سرفراز فرمایا تو آپ ﷺ کے طریقہ اور سنت کو بھی محبوب قرار دیا تو اس طرح مسنون عمل کی مقبولیت اور قدر و منزلت کی کوئی انتہا نہ رہی مگر صد افسوس کے ہم آسان ترین سنتوں پر بھی عمل پیرا نہیں ہوتے اور بہت عظیم اجر وثواب سے محروم ہو جاتے ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق بڑی مشکل عبادات اور نیکیاں کرتے ہیں جن کی قبولیت کی کوئی دلیل نہیں اور پھر غیر مسنون عمل میں اجر وثواب بھی بہت ہی کم ہوتا ہے۔

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِی وَ مَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّتِہ۔ ٢

ترجمہ: جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے: مَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّی۔ ٣

ترجمہ: جس نے میری سنت سے روگردانی کی اس کا مجھ سے کچھ تعلق نہیں۔

---

١ (مکتوبات امام ربانی)، ٢ (مشکوۃ)، ٣ (مشکوۃ)

آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ: لَوْ تَرَکْتُمْ سُنَّتَه نبِیِّکُمْ لَضَلَلْتُمْ۔ [۱]

ترجمہ: اگر تم نے نبی کریم ﷺ کی سنت کو چھوڑا تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

آپ ﷺ کا فرمان مبارک ہے۔ مَنْ تَمسَّكَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَه' اَجْرُ مِاءَ ةِ شَهِیْد۔ [۲]

ترجمہ: فساد امت کے وقت جو شخص میری سنت پر عمل کرے گا اسے سو شہیدوں کا ثواب عطا ہوگا۔

قرآن مجید کی نص قطعی سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور سید الکونین ﷺ کی اتباع انسان کو اللہ تعالیٰ کا محبوب اور پسندیدہ بندہ بنا دیتی ہے: فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحبِبْکُمُ اللّٰهُ۔ [۳]

ترجمہ: پس تم میری اتباع کرنے والے بن جاؤ تو اللہ تعالیٰ تم سے پیار فرمائے گا۔

بیٹھنے کا سنت طریقہ اور آداب پیش خدمت ہیں۔

۱۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے سید الکونین ﷺ کو کعبہ شریف کے صحن پاک میں اپنی دونوں مبارک پنڈلیوں کو مقدس ہاتھوں کے حلقے میں لے کر بیٹھے دیکھا پھر حضرت ابن عمرؓ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اختیار کرنے کا طریقہ بتایا۔ اختیار کا مطلب یہ ہے کہ آدمی سرین کے بل بیٹھے اور اپنی دونوں پنڈلیوں کو دونوں ہاتھوں کے حلقے میں لے لے۔ [۴]

۲۔ حبیب مکرم ﷺ نماز فجر ادا کرنے کے بعد مسجد شریف میں ہی چار زانو بیٹھ جاتے حتیٰ کہ سورج اچھی طرح نکل آتا۔ [۵]

---

[۱] (مشکوۃ)، [۲] (مشکوۃ)، [۳] (سورۃ آل عمران، پ۳، آیت نمبر ۳۱)، [۴] (بخاری)، [۵] (ابوداؤد)

۳۔آپ ﷺ بعض اوقات دوزانو ہوکر اپنے دونوں پاؤں کی پشت پر بیٹھتے۔

۴۔دوزانو ہوکر بیٹھنا بھی پسندیدہ طریقہ ہے۔

۵۔حضرت حباب فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری کی اور آپ ﷺ چادر کا تکیہ لگائے ہوئے تھے۔

۶۔حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا۔ [۱]

۷۔زمین پر بیٹھنا بھی آپ ﷺ کی مبارک سنت ہے۔حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حبیب مکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے میں نے آپ ﷺ کے لیے تکیہ لگایا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔آپ ﷺ زمین پر تشریف فرما ہوگئے۔ [۲]

۸۔دو بیٹھنے والوں کے درمیان بغیر اجازت بیٹھنے سے احتیاط کرے کیونکہ حضرت عمر بن شعیبؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کسی آدمی کے لیے حلال نہیں کہ دو بیٹھنے والوں کے درمیان بغیر اجازت علیحدگی کرے۔ [۳]

۹۔لوگوں کو پھلانگ کر اجتماع کے بیچ میں گھسنا درست نہیں کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان حضرت حذیفہؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایسا شخص ملعون ہے جو مجلس کے وسط میں جا بیٹھے۔ [۴]

۱۰۔حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے تو ہم میں سے جسے جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتا۔ [۵]

۱۱۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ہرگز کسی دوسرے کو مجلس میں سے اٹھا کر اس کی جگہ خود نہ بیٹھے بلکہ مجلس میں وسعت اور گنجائش پیدا کرو۔ [۶]

---

[۱] (ترمذی)، [۲] (بخاری)، [۳] (ابوداؤد)، [۴] (ترمذی)، [۵] (ابوداؤد۔ترمذی)، [۶] (بخاری۔مسلم)

۱۲۔ کسی کی بیٹھنے کی جگہ پر قبضہ نہ کریں۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے آدمی اپنی جگہ کا زیادہ مستحق ہے اگر ضرورت کے لیے باہر جائے اور پھر واپس لوٹے تو وہ اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے۔ ۱؎

۱۳۔ جوتے اتار کر بیٹھنا بہتر ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب بیٹھو تو جوتے اتار لو، تمھارے قدم آرام پائیں گے۔

۱۴۔ سرکنا سنت ہے۔ حضرت وائلہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ اپنی جگہ سے سرک گئے۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ! کشادہ جگہ موجود ہے۔ آپ ﷺ کو سرکنے اور تکلیف فرمانے کی ضرورت نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کا یہ حق ہے کہ جب اس کا مسلمان بھائی اسے دیکھے تو وہ اس کے لیے سرک جائے۔

۱۵۔ آنے والے لوگوں کو جگہ دینا ضروری ہے۔ حضرت ابوموسی اشعریؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی قوم کے پاس آئے تو اس کی خوشنودی کے لیے وہ لوگ جگہ میں وسعت کر دیں تو اللہ تعالی پر حق ہے کہ ان کو راضی کرے۔ ۲؎

۱۶۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی سایہ میں بیٹھا ہو اور سایہ اس سے اٹھ جائے اس کا کچھ حصہ دھوپ میں اور کچھ سایہ میں ہو جائے تو اس کو کھڑا ہو جانا چاہیے۔ ۳؎

۱۷۔ کسی مجلس سے فارغ ہو کر یہ دعا پڑھنے سے تمام مجلس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا:

سُبۡحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمۡدِ كَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنۡتَ اَسۡتَغۡفِرُ كَ وَ اَتُوۡب اِلَيۡك۔ ۴؎

۱۸۔ آذان کی آواز آئے تو ٹھہر جائیں اس کا جواب دے کر آگے چلیں۔

۱۹۔ بندہ مومن کو عاجزی سے اور باوقار طریقہ سے چلنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ اے بندے

۱؎ (ترمذی)، ۲؎ (طبرانی)، ۳؎ (ابوداؤد)، ۴؎ (ابوداؤد)

تو زمین پر اکڑ کر نہ چل بے شک تو زمین کو پھاڑ نہیں سکتا اور نہ ہی بلندی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتا ہے۔

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ جب چلتے تو جھکے ہوئے معلوم ہوتے اور ایسے محسوس ہوتا جیسے ڈھلان سے اتر رہے ہیں۔ ممکن ہو تو راستہ کے دائیں طرف جائیں اگر پیدل ہو تو۔

کھانے اور پینے کی سنتیں اور آداب

نبی کریم ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے کہ کھانے اور پینے میں آپ ﷺ کی سنت اور مشائخ کے بتائے ہوئے آداب کا خیال رکھیں۔

۱۔ کھانا کھانے سے پہلے دونوں ہاتھ دھونے سنت عمل ہے۔ کھانے سے پہلے دھوئے ہوئے ہاتھ کو تولیہ سے خشک نہ کریں۔

۲۔ کھانا کھانے کے وقت آلتی پالتی (گوٹھ) مار کر بیٹھیں یا دوزانوں ہو کر اپنے دونوں پاؤں کی پشت پر بیٹھیں یا داہنی ٹانگ کے گھٹنے کو کھڑا کر دیں اور بائیں پاؤں پر بیٹھ جائیں یا سریں پر بیٹھ جائیں اور دونوں گھٹنے کھڑے رکھیں۔ ان طریقوں میں سے جس طرح بھی بیٹھیں سنت ادا ہو جائے گی۔

۳۔ کھانا رزق حلال سے ہونا ضروری ہے۔

۴۔ کھانا دستر خواں بچھا کر کھانا اور زمین پر بیٹھ کر کھانا مسنون ہے۔

۵۔ کھانا کھانے سے پہلے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم پڑھنا لازمی ہے۔

۶۔ کھانے سے پہلے اور آخر میں نمک چکھنا اولیاء کرام کا پسندیدہ طریقہ ہے۔

۷۔ اگر کھانے کے شروع میں تسمیہ پڑھنا بھول جائے تو جب کھانے کے دوران یاد آئے تو اس طرح پڑھے: بسم اللّٰہَ اَوَّلَہٗ وَ اٰخِرَہٗ

۸۔کھانا دائیں ہاتھ سے کھائیں یہ سنت ہے۔

۹۔روٹی الٹے ہاتھ میں پکڑ کر سیدھے ہاتھ سے توڑیں کہ یہ سنت ہے۔

۱۰۔کھانا تین انگلیوں اور انگوٹھے کو ملا کر کھائیں۔

۱۱۔لقمہ یا روٹی کا ٹکڑا اگر جائے تو اٹھا کر صاف کر کے کھالیں کہ اس میں مغفرت کی بشارت ہے۔

۱۲۔کھانے سے عیب نہ نکالیں۔

۱۳۔اکھٹے بیٹھ کر کھانا مسنون طریقہ ہے۔

۱۴۔برتن کے اپنی طرف والے کنارے سے کھائیں۔

۱۵۔کھانا کھاتے ہوئے اچھی بات کر سکتے ہیں۔

۱۶۔کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لیں۔

۱۷۔کھانے والے برتن کو صاف کرنا جہنم سے آزادی ہے۔

۱۸۔کھانے کے بعد ہاتھ دھونا اور تولیہ سے خشک کرنا مسنون ہے اور کلی بھی کرنا ضروری ہے۔

۱۹۔کھانے کے دوران ہڈی سے گوشت کو دانت کے ذریعے جدا کر کے کھانا مسنون ہے۔

۲۰۔کھانے کے بعد تنکے سے دانتوں کا خلال کرنا سنت ہے۔

۲۱۔کھانا کھانے کے بعد یہ دعا پڑھیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْن۔

۲۲۔سرکار دو عالم ﷺ کو حلوہ اور شہد بہت پسند اور محبوب تھا۔ [۱]

۲۳۔کھانا اگر کسی دوسرے شخص نے کھلایا ہو تو یہ دعا بھی پڑھیں: اَللّٰھُمَّ اَطْعِمْ مَنْ اَطْعَمَنِیْ واسْقِ مَنْ سَقَانِی۔ [۲]

---

[۱] (مشکوۃ)، [۲] (مسلم)

ترجمہ: اے اللہ رب العزت اس کو کھلا جس نے مجھے کھلایا اور اس کو پلا جس نے مجھے پلایا۔

۲۴۔ پانی کو تین سانس میں پینا سنت ہے۔

۲۵۔ بیٹھ کر پانی پینا سنت طریقہ ہے۔ آب زم زم کو کھڑے ہو کر پینا سنت طریقہ ہے۔

۲۶۔ سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا حرام ہے۔

۲۷۔ اگر برتن موجود نہ ہو تو ہاتھوں کا چلو بنا کر پینا مسنون ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے منہ لگا کر پانی نہ پیو کیونکہ پینے کے لیے ہاتھ سے بہتر کوئی برتن نہیں۔ [1]

۲۸۔ دائیں طرف سے کھانا پینا شروع کرنا مسنون عمل ہے۔

۲۹۔ پانی کو دیکھ کر پینا بھی سنت ہے۔

۳۰۔ پانی پینے کے بعد الحمد للہ پڑھنا ضروری ہے۔

۳۱۔ شیشہ کے پیالہ میں پانی پینا سنت ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس ایک کانچ (شیشے) کا پیالہ تھا جس میں آپ ﷺ پانی پیا کرتے تھے۔ [2]

سونے، جاگنے کی سنتیں اور آداب

۱۔ سونے سے پہلے مسواک کرنا سنت ہے۔

۲۔ باوضو سونا سنت ہے۔

۳۔ بستر کو تین دفعہ جھاڑنا سنت ہے۔ اور ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا۔ اس عمل سے بستر پر موجود کیڑے مکوڑے یا کوئی نقصان دہ چیز ہو تو وہ نکل جائے گی۔

۴۔ بستر پر دایاں قدم پہلے رکھنا سنت ہے۔

---

[1] (ابن ماجہ)، [2] (ابن ماجہ)

۵۔سیدنا حضور اکرم ﷺ جب راحت فرمانے کے لیے بستر مبارک پر تشریف فرما ہوتے تو دائیں کروٹ لیتے اور دایاں ہاتھ دائیں رخسار شریف کے نیچے رکھتے اور چہرہ مبارک قبلہ رخ ہوتا۔

۶۔حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ آخری قل شریف والی سورتیں پڑھ کر ہاتھ پر پھونک کر پورے جسم پر ملتے۔

۷۔حضرت علی شیر خداؓ کی روایت سے پانچ عمل ہونے ثابت ہیں: چار دفعہ سورۃ فاتحہ، تین دفعہ سورۃ اخلاص، تین دفعہ درود وسلام، چار دفعہ چوتھا کلمہ اور دس دفعہ استغفار۔

۸۔چٹائی پر سونا سنت ہے۔

۹۔حضرت سیدہ طاہرہ فاطمۃ الزہرہؓ کے عمل سے تینتیس (۳۳) دفعہ سبحان اللہ، الحمد اللہ اور اللہ اکبر بھی سوتے وقت پڑھنا ثابت ہے۔

۱۰۔حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ سیدنا حضور ﷺ بستر پر دایاں ہاتھ مبارک رخسار کے نیچے رکھ کر یہ دعا پڑھتے: اَللّٰھُمَّ بِاِسۡمِكَ اَمُوۡتُ وَ اَحۡیٰ۔

ترجمہ: اے اللہ میں تیرے نام کے ساتھ ہی مرتا اور جیتا ہوں۔

اور آپ ﷺ جب نیند سے بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ اَحۡیَانَا بَعۡدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اِلَیۡهِ النُّشُوۡرُ۔[1]

۱۱۔اٹھنے کے بعد بستر کو لپیٹ کر رکھیں ورنہ شیطان استعمال کرتا ہے۔

۱۲۔الٹا یعنی پیٹ کے بل نہ لیٹیں کہ یہ دوزخیوں کا طریقہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک برا ہے۔[2]

---

[1] (بخاری)، [2] (ابن ماجہ)

۱۳۔دو پہر کو کھانے کے بعد سونا یعنی قیلولہ کرنا سنت ہے۔

۱۴۔نیند سے بیدار ہو کر مسواک کرنا سنت ہے اور وضو بنانا ضروری ہے۔

متفرق مسنون طریقے و آداب

جب جوئی مرید اللہ تعالیٰ کے قرب کے حاصل کرنے لے لیے جدو جہد شروع کرتا ہے تو اس کے لیے سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کے محبوب اور پسندیدہ اعمال پر عمل کرنا لازمی بن جاتا ہے۔ان اعمال مسنونہ پر عمل کے بغیر اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب قطعاً حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر مسنون عمل بندہ مومن کو اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کی طرف لے جاتا ہے۔

۱۔حبیب مکرم ﷺ نے سر مبارک کی زلفیں چھوڑیں۔گیسو یا زلف رکھنے کے تین مسنون طریقے ہیں۔ ایک مبارک سنت آدھے کان تک زلف رکھنا ہے۔جیسے کہ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے سر مبارک کی زلفیں آدھے کانوں تک تھیں۔[۱]

۲۔حبیب مکرم نبی پاک ﷺ کی ایک سنت مبارک پورے کانوں تک زلفیں رکھنا ہے۔حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا قد مبارک درمیانہ تھا۔دونوں مبارک شانوں کے درمیان فاصلہ تھا اور آپ ﷺ کے گیسو مبارک مقدس کانوں کو چومتے تھے۔[۲]

۳۔شانوں تک گیسو بڑھانا بھی حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک سنت ہے۔جیسے کہ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ہم ایک ہی برتن سے غسل کرتے اور میرے آقا علیہ السلام کے سر اقدس پر جو بال مبارک ہوتے وہ کان مبارک کی لو سے ذرا نیچے ہوتے اور مبارک شانوں کے چومتے۔[۳]

---

[۱] (ترمذی)، [۲] (ترمذی)، [۳] (ترمذی)

۴۔سر کے درمیان میں سے مانگ نکالنا سنت ہے۔

۵۔سیدنا حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے کہ پانچ چیزیں فطرت سے ہیں یعنی سب انبیاء کی سنت ہیں [۱]۔

۱۔ختنہ کرنا ۲۔زیرناف بال مونڈنا ۳۔مونچھیں کم کرنا

۴۔ناخن تراشنا ۵۔بغل کے بال مونڈنا

حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو زیرناف بال نہ مونڈے ناخن نہ تراشے اور مونچھ نہ کاٹے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ان کاموں کو چالیس دن کے اندر کرنا ضروری ہے۔ [۲]

۵۔ناخن تراشنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت انگلی سے شروع کر کے ترتیب واد چھنگلیا سمیت ناخن تراشیں مگر دائیں ہاتھ کا انگوٹھا چھوڑ دیں اور بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے شروع کرتے ہوئے اسی ہاتھ کے انگوٹھے کو تراش لیں اور آخر میں دائیں ہاتھ کا جو انگوٹھا بچ گیا تھا اس کو تراش لیں۔[۳]

پاؤں کے ناخن کی کوئی ترتیب منقول نہیں لہذا بہتر یہ ہے کہ جس طرح وضو میں پاؤں کی انگلیوں کے حلال کی ترتیب ہے اسی طرح ناخن بھی کاٹ لیں۔

۷۔نیل پالش لگے ہوئے نہ وضو ہوتا ہے اور نہ ہی غسل ہوتا ہے۔

۸۔سر میں تیل لگانا سنت ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں حبیب مکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس کے بال ہوں ان کا اکرام کرے یعنی ان کو دھوئے، تیل لگائے اور کنگھی کرے۔[۴]

---

[۱] (بخاری۔مسلم)، [۲] (مسلم)، [۳] (درمختار)، [۴] (ابوداؤد)

۹۔آئینہ، کنگھی کرتے وقت دیکھنا مسنون ہے۔

۱۰۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں آپ ﷺ کا فرمان ہے: اثمد کا سرمہ ڈالا کرو کیونکہ یہ آنکھوں کی روشنی کو بڑھاتا ہے اور پلکیں اگاتا ہے اور روایت میں اسطرح ہے کہ تمام سرموں میں بہتر سرمہ اثمد ہے یہ نظر کو روشن کرتا ہے اور پلکیں بڑھاتا ہے۔[۱]

اسی طرح سوتے وقت سرمہ لگانا سنت ہے۔

۱۱۔عطر اور خوشبو لگانا سنت ہے۔خوشبو کا تحفہ قبول کرنا بھی مسنون ہے۔

۱۲۔سلام کرنا سنت ہے اور حدیث ہے کہ سلام کو عام کرو۔[۲]

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ سلام کرو۔چھوٹا بڑے پر اور چلنے والا بیٹھنے والے پر اور تھوڑے زیادہ پر۔[۳]

حضرت انس سے روایت ہے کہ آپ ﷺ چند لڑکوں کے پاس سے گزرے۔ان کو سلام فرمایا۔[۴]

۱۳۔گھر میں آتے جاتے سلام کرنا سنت ہے۔حضرت قتادہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: جس وقت تم اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو۔جب گھر سے نکلو تو سلام کر کے رخصت ہو۔[۵]

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم کو کوئی اہل کتاب سلام کرے تو اس کے جواب میں صرف وَعَلَیْکُم کہو۔

کافر اور یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو۔

---

۱ (ابن ماجہ)، ۲ (مسلم)، ۳ (بخاری)، ۴ (بخاری)، ۵ (ابوداؤد)

۱۴۔ ہاتھ ملانا (مصافحہ) کرنا سنت ہے۔

۱۵۔ گلے ملنا سنت ہے۔

۱۶۔ مسواک کرنا سنت عمل ہے۔ حضرت ابولدرداؓ فرماتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں انبیاء کرام کی سنتوں میں سے ہیں ۔

1) جلدی افطار کرنا　　　　2) سحری کھانے میں دیر کرنا

3) مسواک کرنا

جب آپ ﷺ دن یا رات کو سونے کے بعد بیدار ہوتے تو مسواک کرتے اور وضو بناتے تھے۔ [۱]

۱۷۔ مسکرا کر خندہ پیشانی سے بات چیت کرنا سنت ہے۔

۱۸۔ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا سنت ہے۔

۱۹۔ تہبند باندھنا سنت ہے۔

۲۰۔ تہبند یا جامہ اور شلوار کو ٹخنوں سے اوپر رکھنا سنت ہے۔

۲۱۔ چھینک آنے پر الحمد اللہ کہنا سنت ہے۔

۲۲۔ مسجد میں دائیاں پاؤں پہلے داخل کرنا اور دعا پڑھنا سنت ہے۔ مسجد سے نکلتے وقت بائیاں پاؤں باہر نکالنا اور دعا پڑھنا سنت ہے۔

۲۳۔ عید الفطر کے دن عید کی نماز کو جانے سے پہلے طاق عدد کھجوریں کھانا سنت ہے۔

۲۴۔ عید کی نماز کے لیے حضور ﷺ ایک راستہ سے تشریف لے جاتے اور دوسرے راستے سے واپس تشریف لاتے۔ [۲]

---

[۱] (ابوداؤد)، [۲] (ترمذی)

۲۵۔رمضان کا اعتکاف سنت ہے۔

۲۶۔قبرستان میں دعا کے لیے جانا سنت ہے۔

۲۷۔شوال کے چھ روزے رکھنا سنت ہے۔

۲۸۔بیمار کی عیادت کرنا سنت ہے۔

۲۹۔نماز تہجد ادا کرنا سنت ہے۔

۳۰۔نماز اشراق ادا کرنا سنت ہے۔

۳۱۔نماز تحیۃ الوضو دو رکعت سنت ہے۔

۳۲۔نماز چاشت سنت عمل ہے۔

۳۳۔نماز تحیۃ المسجد دو رکعت ادا کرنا سنت ہے۔

۳۴۔نماز باجماعت ادا کرنا سنت ہے۔

۳۵۔بیت الخلا میں بائیاں قدم رکھنا سنت ہے۔

۳۶۔بیت الخلاء میں داخل ہونے کی دعا باہر کھڑے ہو کر کرنا ضروری ہے۔

۳۷۔ٹالٹ سے نکلتے وقت دائیاں قدم پہلے باہر رکھیں۔

۳۸۔بائیں ہاتھ سے استنجا کریں۔

۳۹۔طاق ڈھیلوں سے صفائی کریں۔

۴۰۔پیشاب والا مقام پہلے دھوئیں اور پھر پیچھے والا۔

۴۱۔مہمان کی تعظیم کرنا سنت ہے۔

۴۲۔حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سنت یہ ہے کہ آدمی مہمان کو دروازے تک رخصت کرنے جائے۔ ۱

۴۳۔حضرت امام ابوحنیفہؒ کا معمول تھا کہ مہمان کے ہاتھ خود دھلاتے اور فرماتے کہ یہ سنت ہے۔

۴۴۔مسافر سے دعا کروانا اپنے لیے سنت ہے۔

۴۵۔سفر سے واپسی گھر والوں کے لیے کچھ ہدیہ لانا سنت ہے۔

۴۶۔سفر سے واپسی پر دو رکعت نفل مسجد میں پڑھنا سنت ہے۔

۴۷۔سفر کے بعد جب اپنی منزل پر پہنچے تو دو رکعت نفل ادا کریں۔

۴۸۔کم از کم ستاون (۵۷) میل کے سفر پر شرعی لحاظ سے مسافر ہوتا ہے اور نماز قصر پڑھنا ہوتا ہے۔

۴۹۔جہاد کے علاوہ کسی کام کے لیے بھی جائے والدین سے اجازت لینا ضروری ہے۔

۵۰۔تکبرانہ لباس سے بچنا ضروری ہے آپ ﷺ کا فرمان ہے کھاؤ، پیو، صدقہ کرو اور پہنو جب تک اسراف وتکبر کی آمیزش نہ ہو۔ ۲

۵۱۔ریشم کا لباس اور سونا مردوں کے لیے حرام ہے۔حضور نبی کریم ﷺ نے مردوں کو ریشم اور سونا پہننے سے منع فرمایا۔ ۳

۵۲۔سفید لباس آپ ﷺ کو پسند تھا۔حضرت سمرہؓ فرماتے ہیں: سیدنا حضور ﷺ نے فرمایا کہ سفید کپڑے پہنا کرو کیونکہ یہ پاکیزہ اور صاف وشفاف ہوتے ہیں اور اپنے مردوں کو سفید کپڑوں میں کفن دیا کرو۔ ۴

۵۳۔سیدنا حضور اکرم ﷺ کو کرتہ پہننا پسند تھا۔سیدہ ام سلمہؓ فرماتی ہیں آپ ﷺ کو کرتہ سے زیادہ کوئی لباس پسند ومحبوب نہ تھا۔ ۵

---

۱ (ابن ماجہ)، ۲ (ابن ماجہ)، ۳ (ابن ماجہ)، ۴ (نسائی)، ۵ (ابن ماجہ)

۵۴۔حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا آپ ﷺ سرخ دھاریوں والا حُلّہ پہنے ہوئے تھے میں کبھی چاند کو دیکھتا اور کبھی آپ ﷺ میرے نزدیک آپ ﷺ چاند سے زیادہ حسین وجمیل تھے۔[۱]

۵۵۔جبہ مبارک پہننا حضور ﷺ کی سنت ہے۔حضرت سیدہ اسماء بنت ابوبکرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آپ ﷺ کا وہ جبہ لیا جو آپ ﷺ پہنا کرتے تھے اور ہم اس کو دھوکر بیماروں کو بغرض شفا پانی پلاتے تھے۔[۲]

۵۶۔حبیب مکرم ﷺ کرتہ پہنتے وقت دائیں طرف سے ابتدا فرماتے تھے۔[۳]

۵۷۔سر پر چادر اوڑھنا بھی سنت ہے۔حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ ہم گرمی میں دوپہر کے وقت گھر بیٹھے ہوئے تھے۔ایک کہنے والے نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا یہ دیکھو! چادر مبارک سر اقدس پر اوڑھے ہوئے حضور ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔[۴]

آپ ﷺ کی چادر مبارک کا طول تین گز اور عرض ڈیڑھ گز تھا۔

۵۸۔حضور ﷺ کی مبارک چادر کو بطور تبرک کفن کے لیے استعمال کرنا صحابہ کرام کی سنت ہے حضرت سہلؓ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی نے آپ ﷺ سے چادر مانگی تا کہ اسے بطور تبرک کفن کے لیے استعمال کرے چنانچہ اس صحابیؓ اسی چادر مبارک کا کفن پہنایا گیا۔[۵]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو تو دنیا سے اتنے ہی پر بس کرو جتنا سوار کے پاس رحت سفر ہوتا ہے۔اور مالداروں کے پاس بیٹھنے سے بچو اور کپڑے کو اس وقت تک پرانا نہ سمجھو جب تک پیوند نہ لگالو۔[۶]

۶۰۔نیا کپڑا جمعہ سے پہننا شروع کریں کہ یہ سنت ہے۔

---

۱ (ترمذی)، ۲ (مسلم)، ۳ (ترمذی)، ۴ (بخاری)، ۵ (ابن ماجہ)، ۶ (ترمذی)

۶۱۔سر پر صرف ٹوپی پہننا بھی سنت ہے۔

۶۲۔عمامہ شریف پہننا افضل سنت ہے۔

۶۳۔آپ ﷺ کا فرمان ہے عمامہ پہنو۔ ۱؎

اسی طرح فرمایا عمامہ پہنو تمھارا حلم اور بردباری بڑھے گا۔ ۲؎

اور فرمایا عمامہ کے ساتھ دو رکعت نماز بغیر عمامہ کے ۷۰ (ستر) رکعتوں سے افضل ہے۔ ۳؎

۶۴۔سفید عمامہ اور کالا عمامہ سنت ہے۔

۶۵۔عمامہ باندھتے وقت قبلہ رخ ہونا اور کھڑے ہو کر باندھنا ضروری ہے۔اسی طرح عمامہ ساڑھے تین گز سے چھوٹا نہ ہو اور چھ گز سے بڑا نہ ہو۔شملے کا بڑا بازو چھ مٹھی سے زیادہ نہ ہو اور شملے کا چھوٹا بازو مشائخ کے مطابق ایک مٹھی ہے۔

۶۶۔دعا کرتے وقت دوزانو ہو کر بیٹھنا ادب کے تقاضا کے مطابق ہے۔اور دعا کے لیے ہاتھ سینہ کی سطح تک بلند کرنا ضروری ہیں۔

۶۷۔دعا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے کلمات سے شروع کرنا ضروری ہے اور اس درود و سلام کی شمولیت باعث قبولیت ہے اور آپ ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرنا شرف قبولیت کا ذریعہ ہے اور دعا کے آخر میں سبحان رَبِّكَ رب العزت عما يصفون وَ سَلٰمٌ عَلَى المرسلين و الحمد لله رب اللعلمين۔ پڑھنا اور امین بجاہ نبی لکریم ﷺ پڑھنا مسنون ہے۔

۱؎ (بخاری)، ۲؎ (حاکم۔طبرانی)، ۳؎ (مسند فردوس)

باب نمبر ۱۰

(ذکر)

ذکر کا معنی یاد کرنا ہے اصطلاح میں ذکر سے مراد اللہ تعالی کو یاد کرنا ہے۔اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہونا بھی ذکر ہے۔اس پاک ذات کی طرف رجوع اور دھان کرنا بھی ذکر ہی کہلاتا ہے۔مشائخ طریقت کے نزدیک غفلت کو دور کرنا اور ختم کرنا ہی ذکر کی حقیقت ہے۔

ایک حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ اللہ تعالی سے محبت کی علامت اس کے ذکر سے محبت ہے اور اللہ تعالی سے بغض کی علامت اس کے ذکر سے بغض ہے۔

حضرت علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں کہ اہل حقیقت نے ذکر کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالی سبحانہ کے سوا ہر شے کو بھلا دے۔[1]

ذکر کی اقسام:

انسان حواس ظاہری اور حواص باطنیہ کا حامل ہوتا ہے۔عام طور پر لوگوں کے حواص باطنیہ غیر فعال ہوتے ہیں۔اسی لیے عوام کی اکثریت حیات باطنیہ سے محرومی کی وجہ سے اپنے اندر موجود روحانی حواص کا بالکل علم نہیں رکھتی۔اپنی اس جہالت اور گمراہی کی روحانی خواص کے انکار کی صورت میں ظاہر کرتی ہے۔

اکابرین شریعت نے ان باطنی خواص کو لطائف کا نام دیا ہے۔اہل حقیقت پر یہ بات عیاں

---

[1] (تفسیر روح المعانی)

ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب کے حصول میں یہ لطائف بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے باطنی حقائق و اسرار اور معارف انسان کے لطائف باطنیہ پر ہی منکشف ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے مبارک ذکر کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ ذکر لسانی (ذکر قولی)

۲۔ ذکر لطائف (ذکر حالی)

۳۔ ذکر جوارح

۱۔ ذکر لسانی:

اس سے مراد زبان کا ذکر ہے۔ اس کو ذکر قولی بھی کہہ سکتے ہیں۔ جب انسان اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے تو یہ ذکر لسانی کہلاتا ہے۔

زبان کے ذریعے ذکر کرنے کو ذکر مقالی بھی کہا گیا ہے۔ زبان کے ذکر کی طرف حدیث شریف میں اس طرح آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رب العزت فرماتے ہیں:

میں بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک وہ مجھے یاد کرے اور اپنے ہونٹوں کو میرے ذکر سے حرکت دے۔ [۱]

حضرت معاذؓ نے سرور کائنات حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ رب العزت کے نزدیک محبوب ترین عمل کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس حال میں تیری موت آئے کہ تو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں رطب لسان ہو یعنی تیری زبان ذکر کر رہی ہو۔ [۲]

---

[۱] (مسند امام احمد)، [۲] (طبرانی۔ بیہقی)

ان احدیث مبارکہ سے زبان سے ذکر الٰہی کرنا ثابت ہوا۔اسی طرح حضرت ابودردا ؓ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کی زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تروتازہ رہتی ہے۔وہ جنت میں ہنستے ہوئے داخل ہوں گے۔

ذکر لسانی کی قسمیں

زبان کے ذکر کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔یعنی زبانی ذکر ان دو حالتوں میں ہوتا ہے۔

1۔ذکر خفی 2۔ذکر جہری

1۔ذکر خفی:

یہ زبانی ذکر ہے۔اس کا مطلب آہستہ آہستہ اور خاموشی سے ذکر کرنا ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۔[1]

ترجمہ:تم اپنے رب سے دعا کیا کرو گڑگڑا کراور چپکے چپکے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ اسماعیل حقی اس طرح فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اس حال میں کہ تم گڑگڑانے والے اور عاجزی کرنے والے اور آہستہ دعا کرنے والے ہوتا کہ اجابت و قبولیت کے زیادہ قریب ہو کیونکہ احفاء اخلاص کی دلیل ہے اور ریاکاری سے احتراز و پرہیز ہے۔

حضور ﷺ کے صحابہ سے مروی ہے کہ وہ غزوہ میں ایک وادی سے گزرے تو بلند آواز سے تکبیر و تہلیل پڑھنے لگے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میرے صحابہ اپنے نفسوں پر نرمی کرو

---

[1] (سورۃ اعراف، پ۸، آیت نمبر ۵۵)

بے شک تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے وہ سمیع و بصیر بھی ہے اور قریب بھی ہے اور بے شک وہ تمھارے ساتھ یعنی علم و احاطہ سے۔

اور اسی طرح حدیث میں ہے کہ ذکر خفی مستحب ہے۔[۱]

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یعنی اس رب تعالیٰ کا ذکر کرو، اس کی عبادت کرو، اس سے دعا کرو۔ پوشیدہ ذکر، عبادت اور دعا خلوص کی دلیل ہے اور ریا کاری کے شائبہ سے پاک ہے۔ اگر ذکر سری ہو تو عبادت ہے۔

حضرت ابوھریرہؓ کی روایت ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوتا ہوں اگر وہ میری یاد دل میں کرتا ہے تو میں بھی اس کا ذکر اپنے باطن میں کرتا ہوں اور اگر وہ میرا ذکر جماعت میں کرتا ہے تو میں اس کا ذکر ایسی جماعت میں کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہوتی ہے۔ (یعنی فرشتوں کی جماعت) [۲]

اس حدیث سے ذکر جہری (بلند آواز) اور ذکر خفی (آہستہ آواز) دونوں کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس حدیث سے جہری ذکر کی خفی ذکر پر برتری ثابت ہوتی ہے مگر یہ استدلال غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کا ذکر سری (آہستہ پوشیدہ) فرمائے یا جماعت کے سامنے دونوں برابر ہیں بلکہ ذکر سری کو ذکر جہری پر فضیلت حاصل ہے۔ [۳]

سیدنا حضرت حسنؓ کا قول ہے کہ سری دعا اور جہری دعا میں ستر ہزار (۷۰۰۰۰) کا فرق ہے۔ یہی وجہ ہے مسلمانوں کی دعا کی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت ہے کہ سیدنا حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا بہترین ذکر خفی ہے اور بہترین رزق وہ ہے جو بقدر کفایت ہو۔ [۴]

---

[۱] (تفسیر روح البیان)، [۲] (متفق علیہ)، [۳] (تفسیر مظہری)، [۴] (رواہ احمد و بیھقی، شعب الایمان)

علامہ بیہقیؒ نے حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے کہ جس ذکر کو فرشتے بھی نہ سن سکیں وہ اس ذکر سے جس کو وہ سنیں ستر (۷۰) درجے بڑھا ہوا ہے۔

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ذکر خامل سے یاد کیا کرو۔ کسی نے عرض کیا ذکر خامل کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ مخفی ذکر ہے۔ ان سب روایات سے ذکر خفی کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

2۔ ذکر جہر:

یہ زبانی ذکر ہے۔ بلند آواز سے ذکر کرنا جس کو دوسرے لوگ بھی سن سکیں ذکر جہر کہلاتا ہے۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے علاوہ باقی اکثر سلاسل میں ذکر جہر کی اولیاء کرام تلقین کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً۔[۱]

ترجمہ: تم پکارتے رہو اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے چپکے بھی۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اس طرح وضاحت فرمائی کہ حضرت ابو موسیٰؓ کا بیان ہے کہ جب سیدنا حضور اکرم ﷺ نے خیبر پر جہاد کیا تو راستہ میں مسلمان ایک وادی سے گزرے اور انہوں نے چلا کر تکبیریں کہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اپنے لیے سکون اختیار کرو۔ تم کسی بہرے یا غیر حاضر کو نہیں پکار رہے بلکہ اس کو پکار رہے ہو جو سننے والا ہے اور قریب ہے۔[۲]

---

[۱] (سورۃ الاعراف، پ۸، آیت نمبر ۵۵)، [۲] (رواہ البغوی)

میں کہتا ہوں کہ (قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ) کہ اس حدیث سے اگرچہ ذکر خفی کا حکم اور ذکر جہری کی ممانعت صرف تقاضائے شفقت کے زیر اثر تھے۔ یہ وجہ نہ تھی کہ ذکر جہری جائز ہی نہ ہو۔ سری ذکر افضل ہے جہری ذکر سے اس پر صحابہ اور تابعین کا اتفاق ہے۔ ۱

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی فرماتے ہیں کہ یہ موقع اور محل کے اعتبار سے ہے اور غافل لوگوں کے حال کے لائق ذکر جہر ہے۔ تاکہ برے خیالات دفع (دور) ہو سکیں۔ کشاف کے شارح نے لکھا ہے کہ ہر آدمی کے اعتبار سے حکم ہوتا ہے۔ مرشد مبتدی کو جہری ذکر کا حکم دیتا ہے تاکہ اس کے دل سے جملہ خواطر جو اس کے دل میں موجود ہیں نکل جائیں۔ ۲

حضرت ابوموسیٰؓ کی بیان کردہ حدیث کی شرح لمعات میں اسطرح ہے کہ یہ ذکر جہر سے ممانعت محض انسانی ہمدردی کے لیے ہے اس لیے نہیں کہ ذکر جہر منع ہے۔

اسی طرح اس حدیث کی شرح شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اس طرح کی ہے کہ اس حدیث میں ذکر جہر سے ممانعت نرمی اور آسانی کے لیے ہے نہ اس لیے کہ ذکر جہر منع ہے اور حق بات یہ ہے کہ بلاشبہ ذکر جہر مشروع ہے۔ ۳

اسی طرح تفسیر معالم التنزیل میں بیان ہوا ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالی کا ذکر کیا جائے کھڑے بیٹھے اور پہلو کے بل بھی اور دن رات کو بھی اور خشکی وتری میں بھی اور صحت و بیماری کی حالت میں بھی۔ آہستہ آواز میں بھی اور اعلانیہ بلند آواز میں بھی۔

ایک صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ احکام تو شریعت کے بہت سے ہیں مجھے ایک چیز کوئی ایسی بتا دیجیئے جس کو میں اپنالوں۔ سیدنا حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی کے ذکر سے رطب اللسان رہے۔ ۴

---

۱ (تفسیر مظہری)، ۲ (تفسیر روح البیان)، ۳ (اشعۃ اللمعات)، ۴ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

اس حدیث کی تشریح میں مولانا شیخ الحدیث محمد ذکریا دیوبندی لکھتے ہیں کہ: میں نے اپنے بعض بزرگوں کو بکثرت دیکھا ہے کہ ذکر بالجہر کرتے ہوئے۔ ایسی طراوٹ آجاتی ہے کہ پاس بیٹھنے والا بھی اس کو محسوس کرتا ہے اور ایسا منہ میں پانی بھر آتا ہے کہ ہر شخص اس کو محسوس کرتا ہے مگر یہ جب حاصل ہوتا ہے کہ جب دل میں چنک ہو اور زبان کثرت ذکر کے ساتھ مانوس ہو چکی ہو۔ [۱]

حضرت شیخ زکریا فرماتے ہیں کہ بعض لوگ ذکر جہر کو بدعت اور ناجائز بتاتے ہیں یہ خیال حدیث پر نظر کی کمی سے پیدا ہو گیا ہے۔ پچاس احادیث سے ذکر جہر ثابت ہے۔ [۲]

سید الکونین محبوب خدا ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ایسی کثرت سے کیا کرو کہ لوگ مجنون کہنے لگیں۔

دوسری حدیث مبارکہ میں ارشاد گرامی ہے کہ ایسا ذکر کرو کہ منافق لوگ تمھیں ریاکار کہنے لگیں۔ [۳]

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ذکر کرنے کا طریقہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں: اپنے پیر بھائیوں کے ساتھ ذکر جہر یا مراقبہ میں حلقہ کر کے شریک ہو۔

آپ پاس انفاس کا طریقہ اس طرح بیان فرماتے ہیں: سانس لیتے اور سانس باہر کرتے وقت جہرًا یا سرًا ذکر کرے۔ [۴]

مولانا محمد زکریا دیوبندی لکھتے ہیں: اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ منافقوں یا بے وقوفوں کے ریاکار کہنے یا مجنوں کہنے سے ایسی بڑی دولت چھوڑنا نہ چاہیے بلکہ اس کثرت اور اہتمام سے ذکر کرنا چاہیے کہ یہ لوگ تم کو پاگل سمجھ کر تمھارا پیچھا چھوڑ دیں اور مجنوں جب ہی کہا جائے گا جب

---

[۱] (تبلیغی نصاب، فضائل ذکر صفحہ ۲۰)، [۲] (تبلیغی نصاب، فضائل ذکر صفحہ ۴۴)، [۳] (احمد، طبرانی)، [۴] (کلیات امدادیہ، صفحہ ۱۷، ۱۹)

نہایت کثرت سے اور زور سے ذکر کیا جائے گا کیوں کہ آہستہ ذکر میں یہ بات نہیں ہوسکتی۔

اس کے بعد مزید لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہؓ ایک صحابی ہیں جولڑکپن میں یتیم ہو گئے تھے۔ چچا کے پاس رہتے تھے وہ بہت اچھی طرح رکھتا تھا۔ حضرت عبداللہ گھر والوں سے چھپ کر مسلمان ہو گئے تھے۔ چچا کو خبر ہوگئی تو اس نے غصہ میں آکر بالکل ننگا کر کے نکال دیا۔ ماں بھی بیزار تھی لیکن ماں پھر ماں تھی۔ ایک موٹی سی چادر ننگا دیکھ کر دیدی جس کو انہوں نے دوٹکڑے کر کے ایک سے ستر ڈھکا دوسرا اوپر ڈال لیا۔ اور مدینہ طیبہ میں حاضر ہو گئے۔ حضرت عبداللہؓ سرورکائنات حضور نبی کریم ﷺ کے دروازے پر پڑے رہا کرتے اور بہت کثرت سے بلند آواز کے ساتھ ذکر کرتے تھے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ شخص ریا کار ہے کہ اس طرح بلند آواز سے ذکر کرتا ہے۔ سیدنا حضور ﷺ نے فرمایا یہ ریا کار نہیں ہے بلکہ یہ اوالین میں سے ہے۔ اس صحابی کا غزوہ تبوک میں انتقال ہوا۔ صحابہؓ نے دیکھا کہ رات کو قبروں کے قریب چراغ جل رہا ہے۔ قریب جا کر دیکھا کہ سیدنا حضور ﷺ خود اس صحابی کی قبر میں اترے ہوئے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ دونوں کو آپ ﷺ فرمار ہے ہیں کہ اپنے بھائی کو مجھے پکڑادو۔ دونوں حضرات نے حضرت عبداللہ کی نعش کو پکڑا دیا۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ان کو قبر میں رکھا اور دفن کرنے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا اے اللہ میں اس سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ سارا منظر دیکھ کر مجھے تمنا ہوئی کہ یہ نعش میری ہوتی۔

حضرت فضیلؒ جو اکابر صوفیہ میں ہیں وہ فرماتے ہیں کہ کسی عمل کو اس وجہ سے نہ کرنا کہ لوگ دیکھیں گے یہ بھی ریا میں داخل ہے اور اس وجہ سے کسی عمل کو کرنا تا کہ لوگ دیکھیں۔ یہ شرک میں داخل ہے۔ [1]

---

[1] (تبلیغی نصاب فضائل صفحہ ۴۲ تا ۴۴)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذکر جہر کرنے والوں کو ہی منافق لوگ ریا کار اور مجنوں کہتے ہیں۔
لہذا ذکر جہر سے روکنے والے مولانا محمد زکریاؒ کے مطابق منافق ہیں اور ان کے اکابر ذکر جہر کرتے تھے۔مثلاً مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا اشرف علی تھانوی۔

مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ مولانا رشید احمد نے فرمایا کہ میں نے آخر کار ذکر بالجہر شروع کیا۔ذکر جہر سے مجھے محبت ہوگئی اور کوئی شرعی وجہ اس کی ممانعت کی معلوم نہ ہوئی۔ [1]

مولانا حضرت اشرف علی تھانوی دیوبندی کا ذکر جہر کے بارے میں نظریہ پیش خدمت ہے کہ ان اذکار مذکورہ بالا میں خفیف سا جہر اور معتدل ضرب قلب کرے۔۔۔۔ورنہ جہر فی نفسیہ جائز ہے۔اور جہر کو کسی مصلحت سے اختیار کریں جیسے دفع خواطر وحصول جمعیت وغیرہ تو یہ صورت ممنوع نہیں۔بہر حال جہر مفرط مطلقاً ناجائز ہے۔جس سے خود کو مشقت ہو یا دوسروں کو۔اور جہر معتدل میں تفصیل ہے اگر خود جہر کو بقصہ ثواب اختیار کرے تو یہ بھی ناجائز اور بدعت ہے اور اگر مقصود نفس ذکر ہو اور جہر اعتدال سے ہو اور اختیار للمصلحت ہو تو وہ بدعت نہیں ہے بلکہ ایسا ذکر جہر شریعت سے ماذون فیہ بلکہ احادیث میں وارد ہے۔جہر میں یہ حکمت سمجھی گئی ہے کہ اس سے وساوس وخطرات کم آتے ہیں۔ [2]

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ذکر کرنے کا طریقہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ذکر زبانی اس کے معنی کو قلب میں حاضر کر کے پوری شدت اور طاقت کے ساتھ خفیہ یا بالجہر جیسا بھی اس کو تلقین کیا گیا ہے ہمیشہ کرتا رہے۔ [3]

حضرت مولانا علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ صوفیاء کرام کا جہری ذکر جائز

---

[1] (امداد المشتاق ص ۲۴)، [2] (شریعت وطریقت)، [3] (امداد السلوک)

ہے۔مثلاً چشتی اولیاء نے مبتدی کو جہری ذکر کی تلقین مصلحت کے تحت ہی کی ہے۔شیطان کو بھگانا، غفلت دور کرنا،نسیان کو زائل کرنا دل میں گرمی پیدا کرنا،آتش محبت کو ریاضت کے ذریعے سے تیز کرنااور دوسرے فوائداس سے وابستہ ہیں لیکن ریا کاری سے اجتناب ضروری ہے۔ [1]

حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مشائخ کی زبان میں ذکر سے مراد **لا اِلٰہ اِلا اللّٰہ**، سری یا جہری ہے۔

ذکر جہری کے ثبوت میں مفسرین کرام اور محدثین کے فرمودات پیش خدمت کیے ہیں۔

اس صحابی کا تذکرہ جس پر دوسرے صحابہ رشک کررہے تھے وہ ذکر بلند آواز سے کرنے والا تھا۔ذکر جہر کی دلیل کے لیے کافی ہیں۔قبول کرنے والوں کے لیے صرف عشق صدیقی کی ضرورت ہے جو دلیل طلب نہیں کرتا اور قبول نہ کرنے والوں کو ابوجہل کی طرح بے شمار معجزات ودلائل بھی فائدہ نہیں دے سکتے ذکر جہر پر اعتراض کرنے والے ایک مخصوص طبقہ کے لوگوں کو اپنے اکابرین کی تحریروں سے فائدہ اٹھانیکی ضرورت ہے اور کسی عناد اور نفرت کی بنیاد پر حق بات کو رد نہیں کرنا چاہیے۔

جہاں تک امت مسلمہ کے مجموعی مزاج کا تعلق ہے عرب وعجم کی تاریخ گواہ ہے کہ اولیاء کرام کے تمام سلاسل قرون اولی سے لیکر آج تک ذکر جہر کا طریقہ اپناتے آرہے ہیں امت مسلمہ کے عظیم ستارے جن میں مفسرین ومحدثین اور اجل صوفیائے عظام اولیاء کرام کے ان سلسلوں سے وابستہ رہے ہیں جن کی کتب شریعت اور کتب طریقت سے پوری امت فائدہ اٹھا رہی ہے۔

دنیائے اسلام کے بڑے روحانی سلاسل مثلاً سلسلہ عالیہ قادریہ، سلسلہ عالیہ چشتیہ،

---

[1] (تفسیر مظہری)

سلسلہ عالیہ سہروردیہ، سلسلہ عالیہ شاذلیہ، سلسلہ عالیہ کبرویہ، سلسلہ عالیہ اویسیہ ان تمام سلاسل کے اولیاء مختلف ممالک میں ذکر جہر کو شروع سے لیکر آج تک اختیار کرتے چلے آرہے ہیں صرف سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ کرام نے خفی اور لطائفی ذکر کو اختیار فرمایا ہے۔

امت مسلمہ کے اولیاء عظام کی مخالفت سے بچنا ضروری ہے کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: جو میرے کسی ولی کو اذیت پہنچاتا ہے تو میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کا فرمان مبارک ہے کہ انسان کی بدبختی کے لیے کافی ہے کہ اولیاء اللہ سے مخالفت اور الجھنا شروع کردے۔ [1]

اسی طرح حضرت شیخ علی الخواصؒ فرماتے ہیں کہ اس شخص کے قول کی طرف ہرگز کان نہ دھرنا جو اولیاء کے کسی گروہ کا منکر ہو ورنہ اللہ تعالی کی رحمت کی آنکھ سے گر جائے گا۔

اسی طرح حضرت شیخ اجل امام طریقت جناب جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ جو شخص اولیاء کرام کی ان باتوں کی مخالفت کرے جو ان کے نزدیک محقق ہیں تو اللہ تعالی اس شخص کا نور ایمان چھین لیتا ہے۔

اسی طرح حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ قوم صوفیاء سے جھگڑا اور نزع کرنا جائز نہیں کیونکہ اولیاء کے علوم دل کی یافت ہیں اور یہ علوم نبی ﷺ کی میراث ہیں جو اولیاء کو مشاہدہ اور الہام باطنی سے حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت ابوتراب نخبشیؒ کا قول ہے کہ جس شخص کا قلب اللہ تعالی کی روگردانی (نافرمانی) کا مانوس ہوجاتا ہے تو اولیاء اللہ کی عیب چینی اس کی مصاحب ہوجاتی ہے۔ [2]

---

[1] (مکتوبات امام ربانی) ، [2] (طبقات الکبری)

۲۔ ذکر لطائفی:

یہ انسان کے پوشیدہ روحانی حواص کا ذکر ہے۔ انسان کے ان پوشیدہ روحانی حواص کو لطائف کہا جاتا ہے۔ جب انسان کو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اپنے قرب کی نعمت سے سرفراز فرماتے ہیں تو اس کے یہ لطائف زندہ ہو کر ذکر شروع کر دیتے ہیں۔ ان لطائف کو جب سیدنا حضور نبی اکرم ﷺ کے سینہ اطہر کے نور کا کرنٹ کسی کامل ولی اللہ کے سینہ سے توجہات حاصل کرنے کے ذریعے سے پہنچتا ہے تو ان لطائف میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ لطائف ذاکر ہو جاتے ہیں۔ لطائف کا یہ عظیم ذکر دائمی ہوتا ہے۔ لطائف کا یہ ذکر رات دن، سوتے جاگتے، کام اور آرام کرتے ہوئے بلکہ انسان کے مرنے کے بعد بھی ذاکر لطائف کا ذکر تا قیامت جاری و ساری رہتا ہے۔ یہ کیفیت بہت ہی عظیم نعمت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ مادی دنیا کے پجاری عوام اور علماء کے لیے اس حقیقت کا سمجھنا مشکل نظر آتا ہے۔ مگر یہ ایسی اٹل حقیقت ہے جو سرورِ کائنات حضور نبی اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ تابعینؒ سے لیکر آج تک اولیاء اللہ کو حاصل ہے۔ اس نعمت عظمیٰ کے حامل اولیاء مختلف اسلامی ممالک میں موجود ہیں۔ قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کے علوم کا جس طرح آج تک تسلسل چلا آ رہا ہے بالکل اسی طرح اسلام کا روحانی نیٹ ورک سیدنا حضور نبی کریم ﷺ سے انوارات و فیوضات کی شعاعیں وصول کرتے ہوئے تمام اولیاء امت سے جڑا ہوا ہے۔

ان لطائف کا ذکر مختلف تفاسیر مثلاً روح المعانی، روح البیان، تفسیر مظہری اور تفسیر منہاج القرآن میں موجود ہے۔

اس طرح لطائف کے ذکر کا تذکرہ غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سلسلہ عالیہ قادریہ کی کتب کے اندر موجود ہے۔ مثلاً فتوح الغیب۔

سلسلہ سہروردیہ کے امام شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کی کتاب عوارف المعارف میں بھی لطائف کا ذکر کا تذکرہ موجود ہے۔

شیخ المشائخ امام طریقت حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوریؒ کی کشف المحجوب میں بھی لطائف کے ذکر کرنے کا تذکرہ موجود ہے۔

سلسلہ عالیہ چشتیہ کے شیوخ کے ہاں بھی لطائف کے ذکر کا تذکرہ موجود ہے۔ مثلاً سلطان الہند حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ وغیرہ سلسلہ چشت کی کتب، فیض گنج شکر اور مہر منیر۔ میں لطائف کے ذکر کو بیان کیا گیا ہے۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی یہ امتیازی شان ہے کہ ان کی روحانی پرواز کی ابتداء ہی لطائف کے ذکر سے ہوتی ہے۔ امام ربانی، قیوم زمانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات میں بے شمار مقامات پر لطائف کے ذکر کا تذکرہ موجود ہے۔

علم لدنی کے عالم غوث الزمان حضرت عبدالرحمٰن چھوہروی کی منفرد کتاب مجموعہ صلوات الرسول ﷺ میں بھی لطائف کے ذکر کا ثبوت موجود ہے۔

لطائف کا ذکر زبان کے بغیر ہوتا ہے۔ یہ ذکر زبان سے نہیں ہوتا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددی نقشبندیؒ اس کی وضاحت تفسیر میں اس طرح فرماتے ہیں بغیر زبان کے صرف قلبی، روحی اور نفسی ذکر کرنا ہے۔ یہی پوشیدہ ذکر ہے جس کو اعمال لکھنے والے فرشتے بھی نہیں سن سکتے۔

حضرت ابو یعلی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے وہ ذکر پوشیدہ جس کو اعمال ناموں کے لکھنے والے فرشتے بھی نہیں سن سکتے (ذکر جلی سے) ستر ہزار (۷۰۰۰۰) درجے فضیلت رکھتا ہے جب قیامت کا دن ہوگا اور اللہ تعالی سب لوگوں کو جمع فرمائے گا اور فرشتے اعمالنامے لے کر حاضر ہوں گے تو اللہ تعالی ان سے فرمائے گا دیکھو اس بندہ کی کوئی چیز رہ تو

نہیں گئی۔ فرشتے عرض کریں گے ہم کو جو کچھ معلوم ہوا اور ہماری نگرانی میں جو کچھ ہوا ہم نے سب کا احاطہ کرلیا ہے اور لکھ لیا ہے کوئی بات نہیں چھوڑی۔ اللہ تعالی فرماتا ہے اس کی ایک نیکی ایسی بھی ہے جس کا تم کو علم نہیں میں تم کو بتاتا ہوں وہ نیکی ذکر خفی (پوشیدہ باطنی) ہے۔

میں کہتا ہوں اس ذکر (لطائفی) کا سلسلہ نہیں ٹوٹتا نہ ہی اس میں کوئی سستی آتی ہے یعنی ذکر قلبی ہمہ اوقات جاری رہتا ہے۔[1]

اسی طرح ایک حدیث میں جو اسطرح آتا ہے کہ ایک بندہ مومن کے اعمال نامہ میں لا الہ الا اللہ کا ذکر والا وہ پرچہ جو فرشتوں سے غائب تھا اللہ تعالی اس کے اعمال کے ترازو پر رکھیں گے تو وہ اعمال کے پلڑا کو اخلاص کے وزن کی وجہ سے جھکا دے گا۔

اہل معرفت کے مطابق یہ لطائف کا نفی اثبات کا ذکر ہے جو نور اخلاص سے بھرا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس باطنی لا الہ الا اللہ کو صرف اللہ تعالی رب العزت کی ذات ہی جانتی ہے کسی فرشتے یا قریب بیٹھے ہوئے انسان کو اس ذکر کا علم نہیں ہوتا۔

لطائف کے ذکر کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ ذکر قلبی	۲۔ ذکر روحی
۳۔ ذکر سری	۴۔ ذکر خفی
۵۔ ذکر اخفیٰ	۶۔ ذکر نفسی
۷۔ ذکر قالبی	

اس لطائفی ذکر کو ذکر حالی بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ ایک کیفیت وحال پر مبنی ہوتا ہے۔ جس

---

[1] (تفسیر مظہری)

میں ذکر الٰہی کی خاص حالی کیفیت ہوتی ہے جو الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی اس روحانی کیفیت کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔بعض اوقات لطائف کے اندر ذکر کی وجہ سے حرکت بھی پیدا ہوتی ہے مگر حرکت کا پیدا ہونا ہر شخص کے لیے ضروری نہیں ہے۔بعض انتہا ہی کم افراد کو لطائف کے ذکر عروج میں یہ کیفیت بھی حاصل ہوتی ہے کہ لطائف ذکر کی آواز بھی پیدا کرتے ہیں مگر لطائف کے ذکر کی کیفیت باالکل نایاب ہوتی ہے جس میں لطائف کے ذکر کی آواز برآمد ہو اس طرح کی کیفیت صدیوں میں کسی ایک شخص کو بعض دفعہ حاصل ہو جاتی ہے۔بعض روایات کے مطابق صحابہ کرامؓ کے سینہ سے مخصوص آواز اور کیفیت کا برآمد ہونا ظاہر ہوتا ہے۔وہ دراصل لطائف کی اس کیفیت کا اظہار ہوتا ہے جس میں اللہ تعالی رب العزت کے جلال کے انوارات کے نزول کے سبب خشیت کی کیفیت کا پیدا ہونا ہوتا ہے۔بعض اوقات عشق الٰہی کے غلبہ کے تحت جمالیاتی انوارات کے نزول کے سبب سینہ میں بے خودی اور عشقی اضطراب کی حالت ہوتی ہے۔

معالم التنزیل کے مفسر آیت مبارکہ:وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ [1] کے تحت لکھتے ہیں۔

مجاہد اور ابن جریج کا قول ہے کہ وہ اس اللہ تعالی کا ذکر سینوں میں عاجزی کے ساتھ کریں اور دعا میں آہستہ آواز کے ساتھ نہ بلند ہو اور نہ چیخنا ہو۔جو کہ سینہ میں لطائف کی موجودگی کا پتا دیتا ہے۔

لطائف کی موجودگی کا قرآن واحادیث سے ثبوت:

قرآن کریم میں اللہ کریم کا ارشاد پاک ہے: اَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلٰمِ۔[2]

ترجمہ: جس کو اللہ تعالی ھدایت عطا فرماتے ہیں تو اس کے سینہ کو کھول دیتے ہیں۔

---

[1] (سورۃ الاعراف، پ۹، آیت نمبر۲۰۵) [2] (سورۃ الانعام، پ۸، آیت نمبر۱۲۵)

صحابہ کرام کے عرض کرنے پر نور مجسم ﷺ نے فرمایا کہ انشراح صدر اس وقت عطا ہوتا ہے جب سینہ میں ایک نور داخل ہوتا ہے۔ اس نور کے سبب انسان کو دنیا کے بجائے آخرت کی فکر و اہمیت عطا کر دی جاتی ہے بندہ مومن کا نصب العین آخرت کی کامیابی بن جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہے: اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔[1]

ترجمہ: کیا ہم آپ ﷺ کے سینہ کو کشادگی عطا نہیں کی۔

انشراح صدر کی مکمل وضاحت کتاب کے اگلے ابواب میں آئے گی۔ یہاں مقصود صرف سینہ کے اندر موجود لطائف کے معارف کو بیان کرنا ہے تا کہ لطائف کی موجودگی اور روحانیت میں ان کا کردار واضح ہو سکے۔

تبیان وسائل الحقائق شیخ کمال الدین حریریؒ نے لکھا ہے کہ جب غار ثور میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے قرب و معیت کے اسرار مشاہدہ کرنے کی خواہش سیدنا حضور نبی اکرم ﷺ سے ظاہر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: تِلْكَ بِمُدَ وَمَتِهِ ذِكْرِ اللّٰه تعالی۔

ترجمہ: یہ تو اللہ تعالی کے ذکر پر ہمیشگی سے ہی حاصل ہوگا۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے دو زانوں بیٹھے ہوئے ان کو خفی قلبی ذکر کی تلقین فرمائی اسم ذات (اللہ) کی مذکورہ تلقین کے وقت آپ ﷺ چشمان مبارک بند فرمائے ہوئے تھے۔ اصل متن کے الفاظ یہ ہیں: فَلَقَّنَه، رَسُوْلُ اللّٰه ﷺ الذِّكْرَ الحَفِيّ الْقَلْبِیُّ بِاسْمِ الذَّاتِ هُنَكَ جَلِسَا عَلٰى فَخْذَيْهِ وَ غَامِضَا عَيْنِيْهِ الْمُتَبَرّ كَتَيْنِ۔[2]

---

[1] (سورۃ الشرح، پ۳۰، آیت نمبر ۱)، [2] (آئینہ معرفت)

حضورﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ جو اللہ تعالی نے میرے سینے میں ڈالا ہے میں نے وہ کچھ ابوبکر کے سینہ میں ڈال دیا ہے۔

حضرت ابی بن کعبؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں تھا۔ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اس نے نماز شروع کی اور قرآن اس طرح پڑھنا شروع کیا جو میرے لیے نیا تھا۔پھر ایک دوسرے شخص نے نماز پڑھی اس کی قرات پہلے شخص سے مختلف تھی۔ہم تینوں حضورﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے مختلف قرات سے قرآن پڑھنے کی بات کی۔آپﷺ نے ان دونوں کو قرآن پڑھنے کا حکم دیا تو ان دونوں نے قرآن پڑھا اور آپﷺ نے دونوں کی تحسین فرمائی۔اس وقت میرے دل میں زمانہ جاہلیت سے بھی زیادہ نبیﷺ کی تکذیب پیدا ہوئی۔جب نبیﷺ میرے دل کی حالت کو دیکھ کر جان لیا تو آپﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ پھیرا جس سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے حق جل شانہ کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔ [1]

ابن ہشام بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے سال جب نبی کریمﷺ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے تو فضالہ بن عمر اللیثی نے حضورﷺ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا۔جب وہ حضورﷺ کے قریب ہوا تو آپﷺ نے فرمایا! تو فضالہ ہے۔عرض کیا! ہاں یا رسول اللہ، فضالہ ہوں۔حضورﷺ نے فرمایا: کیا سوچ رہے تھے۔فضالہ نے عرض کی: کچھ نہیں میں تو اللہ تعالی کا ذکر کر رہا تھا۔

حضورﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالی سے بخشش مانگ پھر حضورﷺ نے اپنا ہاتھ مبارک فضالہ کے سینہ پر رکھ دیا تو اسے سکون قلبی مل گیا۔حضرت فضالہؓ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالی کی قسم حضورﷺ نے میرے سینے سے ہاتھ مبارک نہیں اٹھایا تھا کہ میری حالت یہ ہو گئی تھی کہ پوری کائنات میں حضورﷺ میرے سب سے محبوب اور پسندیدہ ہو گئے تھے۔

---

[1] (مسلم شریف)

سیدالسادات حضرت محمدؒ بن علیؒ بن حسینؓ بن سیدنا حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں دوسرے لوگوں کے ساتھ صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؓ نے لوگوں سے (حال احوال آنے کا مقصد وغیرہ) پوچھا۔ یہاں تک کہ میری باری آئی تو میں نے بتایا کہ میں محمد بن علیؒ بن حسینؓ بن علیؓ ہوں۔ یہ سن کر انہوں نے میرے طرف ہاتھ بڑھایا۔ شفقت سے میرے سر پر ہاتھ رکھا۔ اس کے بعد میری قمیض کے اوپر کا بٹن کھولا۔ پھر نیچے کا بٹن کھولا۔ اس کے بعد اپنی ہتھیلی (ہاتھ) میرے سینہ پر دونوں پستانوں کے درمیان رکھی۔ ان دنوں میں نوجوان لڑکا تھا اور آپ نے مجھے بھتیجے کہہ کر مرحبا کہی اور فرمایا جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لیں۔

مذکورہ بالا احادیث سے مندرجہ ذیل نکات ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ دوزانوں بیٹھ کر بیعت کرنا اور ذکر تلقین کرنا حضورﷺ کی سنت سے ثابت ہوتا ہے۔

۲۔ لطیفہ قلب اور دوسرے لطائف کا سینہ کے مقام پر موجود ہونا مشائخ کے طریقہ کا حدیث سے ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

۳۔ صحابی کے سر پر ہاتھ رکھنے سے عالم خلق کے لطائف یعنی لطیفہ نفس اور لعطیفہ قالب کا ثبوت مشائخ کے طریقہ کے عین مطابق ملتا ہے۔ کیونکہ لطیفہ نفس پیشانی پر ہے جبکہ لطیفہ قالب سر کی چوٹی پر واقع ہے۔ اسی لیے مشائخ بھی لطائف پر ہاتھ رکھ کر ان کو کھولتے ہیں۔

۴۔ لطائف کا ذکر حاصل کرنا صحابہ کرام کی سنت سے ثابت ہوتا ہے۔

۵۔ سینہ پر ہاتھ رکھ کر لطائف کو حیات باطنی فراہم کر کے ذاکر کرنا خود نبی کریمﷺ اور صحابہ کرام کے عمل سے ثابت ہوتا ہے۔

۶۔حضور سراپا نور ﷺ کے سینہ مبارک میں انوارات وتجلیات الھیہ کا نزول ثابت ہوتا ہے۔

۷۔سرور کائنات ﷺ نے وہ انوارات صحابہ کرام اور اہلبیت اطہار کے سینہ میں منتقل فرمائے۔

ان انوارات صحبت کی بدولت صحابہ کرام کی پوری امت پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔کیونکہ زمانہ بعد کے لوگوں کو آپ ﷺ کی ظاہری صحبت میسر نہیں اور نہ ہی آپ ﷺ کے جسم اطہر کا دیدار حاصل ہے ورنہ باقی سارا اسلام تو وہی ہے جو اس وقت تھا۔لہذا افضلیت کا سارا دارو مدار ذات مصطفےٰ ﷺ پر ہے۔

۸۔اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ باطنی طاقت سے سیدنا حضور نبی کریم ﷺ دوسروں کے سینوں میں پوشیدہ باتوں اور رازوں کو جانتے تھے اسی لیے بغیر پوچھے سینے میں موجود نفرت اور شہید کرنے کے ارادے کو معلوم کرلیا۔

۹۔ان احادیث سے نبی کریم ﷺ کا باطنی تصرف واختیار ثابت ہوتا ہے۔آپ ﷺ نے اپنی روحانی طاقت سے ان لوگوں کی نفرت کو محبت میں بدل دیا۔

۱۰۔قمیض کے بٹن کھول کر مرد حضرات کے لطائف کو کھولنا صحابہ کرام کی سنت سے ثابت ہوتا ہے۔

۱۱۔حضو ﷺ کے عمل سے باطنی توجہ کرنا بھی ثابت ہوتا ہے۔جس میں انوارات وفیوضات کو دوسرے شخص کے سینہ میں منتقل کیا جاتا ہے جس طرح آپ ﷺ نے حضرت صدیقؓ اور دوسرے صحابہ پر توجہ فرمائی۔

۳۔ذکر جوارح:

یہ ذکر کی وہ قسم ہے جس میں اعضاء انسانی کا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے۔بعض اکابرین نے اعضاء کی اطاعت وبندگی کو بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے درجہ میں شامل فرمایا ہے۔

حضرت خواجہ علامہ سید محمود آلوسی بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ذکر بالجوارح یہ ہے کہ اعضاء کو ان اعمال میں مصروف کرنا جن کا حکم کیا گیا ہے اور ان اعمال سے اعضاء کو بچانا جن سے منع کیا گیا ہے۔[1]

خواص پر یہ حقیقت عیاں ہے کہ جب لطیفہ قالب ذاکر ہو جاتا ہے تو بندہ مومن کا سارا وجود اور اس کے تمام اجزاء ذاکر ہو جاتے ہیں اس لیے مشائخ کی اکثریت نے ذکر جوارح کو الگ ذکر کی قسم بیان نہیں فرمایا۔ مومن کامل کا فنا قلب اور فنا نفس کے بعد مجاہدہ ہی قالب کے اجزاء (مٹی، ہوا، آگ، پانی) کی خاصیتوں سے ہوتا ہے۔

ذکر سے متعلق آیات قرآنیہ

اللہ تعالیٰ رب العزت کے ہم انسانوں پر بے شمار انعامات اور احسانات ہیں۔ اس پاک ہستی کی احسان مندی اور شکر گزاری ایک فطرتی حق ہے اگرچہ اس کا حکم شرعی نہ بھی ہوتا۔ مگر قرآن و حدیث اور اولیاء کے اقوال و احوال ذکر کی ترغیب میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ دنیا کی عیش و عشرت اور مال و دولت کی محبت نے ہم کو اپنے کریم رب کے ذکر سے بہت دور کر دیا ہے۔ انسان کو شیطان اور نفس کی گرفت نے ذکر کی نعمت سے محروم کر دیا ہے۔ نفس و شیطان کے شکنجے میں جھکڑے ہوئے لوگوں نے ذکر الٰہی سے منہ موڑ لیا ہے اور ایسے لوگ دوسرے مسلمانوں کو بھی ذکر کی نعمت سے محروم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی پریشانی اور بے چینی کا واحد علاج اللہ تعالیٰ سبحانہ کا ذکر ہے۔

ارشاد ربانی ہے: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝[2]

ترجمہ: پس سن لو اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔

---

[1] (تفسیر روح المعانی) [2] (سورۃ الرعد، پ ۱۳، آیت نمبر ۲۸)

اس لیے یہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ ذکر کے حکم میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور سید الکونین سرور کائنات احمد مصطفےٰ ﷺ کی احادیث لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے تا کہ ذکر کی فرضیت و اہمیت میں کسی کو شک نہ رہے۔ آیات قرآنیہ کی تفسیر بھی امت مسلمہ کے قابل اعتماد مفسرین کی تفاسیر کی روشنی میں پیش خدمت ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: فَاذْکُرُوْنِیۤ اَذْکُرْکُمْ وَ اشْکُرُوْا لِیْ وَ لَا تَکْفُرُوْنِ۔ ۱

ترجمہ: پس تم مجھے یاد کرو (میرا ذکر کرو) میں تمھیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کرو اور ناشکری نہ کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ سبحانہ اپنے ذکر کا حکم فرماتے ہیں اور ذکر کرنے کو شکر گزاری فرماتے ہیں اور ذکر چھوڑنے کو ناشکری قرار دیا ہے۔

چنانچہ حضرت علامہ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری فرماتے ہیں کہ حضرت سعید ابن جبیرؒ نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ تم مجھے میری اطاعت و تابعداری سے یاد کرو میں تمھیں اپنی بخشش و مغفرت سے یاد کروں گا۔ ۲

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت علامہ سید محمود آلوسی البغدادیؒ فرماتے ہیں: اے انسانوں تم میرا ذکر کرو قلب اور قالب کی اطاعت سے۔

ذکر تین طرح کا ہوتا ہے۔

1۔ ذکر بالسان: زبان کا ذکر اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا ہے۔

2۔ ذکر بالقلب: دل سے ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کا اور ان دلائل پر فکر کرنا جو وعدہ اور وعید پر

---

۱ (سورۃ البقرہ، پ۲، آیت نمبر ۱۵۲)، ۲ (تفسیر طبری)

دلالت کرتے ہیں اوران دلائل پر بھی فکر کرنا جو صفات الٰہیہ اوراسرار ربانیہ پر دلیل ہیں۔

3۔ ذکر بالجوارح: اعضاء کوان اعمال میں مصروف کرنا جن کا امر کیا گیا ہے اوران سے خالی رکھنا جس سے منع کیا گیا ہے اور نماز ایک ایسا عمل ہے جو ان تینوں اذکار پر مشتمل ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس نماز کو ذکر قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ۔ [۱]

اوراہل حقیقت نے ذکر کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا ہر شے کو دل سے بھلادے۔ [۲]

۲۔اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ۔ [۳]

ترجمہ: (عقلمند) ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے ہوئے بھی۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں امام علامہ علاؤالدین علی بن محمد البغدادی المعروف امام حازن فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہؓ ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابوقتادہؓ نے فرمایا کہ یہ ذکر نماز میں ہے یعنی وہ کھڑے ہوکر نماز پڑھتے ہیں۔اگراس سے عاجز ہوں تو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں اگراس سے بھی عاجز ہوں تو پہلو کے بل نماز پڑھتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ وہ کسی حال میں بھی نماز نہیں چھوڑتے اور ہر حال میں نماز پڑھتے ہیں۔ [۴]

سیدہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ ہر حال میں اللہ تعالیٰ سبحانہ کا ذکر کرتے تھے اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو کوئی بیٹھا اوراس

---

[۱] (سورۃ الجمعۃ، پ۲۸، آیت نمبر۹)، [۲] (تفسیر روح المعانی)، [۳] (سورۃ آل عمران، پ۴، آیت نمبر۱۹۱)، [۴] (تفسیر خازن)

دوران اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا تو یہ بیٹھنا اس کے لیے وبال ہے جو کوئی لیٹا اور اس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر اس دوران نہ کیا تو یہ لیٹنا اس کے لیے وبال ہے اور جو کوئی راستہ میں چلا اور اس دوران اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا تو یہ چلنا اس کے لیے وبال ہے۔ [1]

۳۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: فَاِذَا قَضَیۡتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِکُمۡ۔ [2]

ترجمہ: پس جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے بھی۔

اس آیت مبارکہ میں حکم ہے کہ کسی بھی حال میں اور کسی بھی وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت نہیں کرنی چاہیے۔

حضرت علامہ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری اس کی تفسیر اسطرح بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو بھی چیز فرض کی ہے اس کی ایک معلوم حد ہے اور اس میں عذر کی وجہ سے صاحب فرض کو معذور بھی جانا ہے۔ سوائے ذکر کے کہ اس میں نہ تو اللہ نے کوئی حد مقرر کی ہے اور نہ ہی اس کو ترک (چھوڑنا) کرنے کا عذر رکھا ہے سوائے اس کے کہ آدمی مغلوب العقل (پاگل) ہو جائے۔ یعنی رات اور دن کو، خشکی اور تری میں، سفر اور حضر میں، تونگری اور فقیری میں بیماری اور صحت میں، پوشیدہ اور اعلانیہ بلکہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ [3]

حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا فرض ہے اور اس میں کوئی عذر بھی قابل قبول نہیں ہے۔

مذکورہ بالا آیت مبارکہ کی تفسیر میں علامہ امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی ابن جوزی فرماتے

---

[1] (ابوداؤد)، [2] (سورۃ النسآء، پ۵، آیت نمبر ۱۰۳)، [3] (تفسیر طبری)

ہیں جب تم نماز خوف سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالی کا ذکر کرو، اس میں دو قول ہیں ۱۔

1۔یعنی نماز کے علاوہ اللہ تعالی سبحانہ کا ذکر مراد ہے یہ حضرت ابن عباسؓ اور جمہور کا قول ہے کہ وہ ذکر، تسبیح، دعا شکر ہے۔

2۔اس ذکر سے مراد نماز ہے یعنی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھو اور اگر بیٹھنے کی طاقت نہیں تو پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھو۔ یہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندیؒ فرماتے ہیں کہ پھر جب تم اس نماز کو ادا کر چکو تو اللہ تعالی کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور پہلو کے بل لیٹے بھی یعنی ہر وقت تسبیح، تحمید، تہلیل اور تکبیر میں مشغول رہ کر اللہ تعالی کی یاد کرو۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ تمام اوقات میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ ۲ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ آیت قرآن اور حدیث میں دوام ذکر سے ذکر قلبی مراد ہے زبان سے تو ہر وقت ذکر ممکن ہی نہیں ہے۔ ۳

حضرت علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ذکر الہی کی ہر حال میں مداومت کرو اور کسی حال میں اللہ تعالی کے ذکر سے غافل نہ رہو اور حضرت ابن عباس کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس سے نمازوں کے بعد بغیر فصل کے کلمہ توحید پڑھنے پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ ۴

۴۔اللہ تعالی کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ ۵

ترجمہ: اور وہ اللہ تعالی کا ذکر بھی نہیں کرتے مگر یوں ہی تھوڑا سا۔

---

۱ (زاد المسیر)، ۲ (رواۃ ابوداؤد)، ۳ (تفسیر مظہری)، ۴ (تفسیر خزائن العرفان)، ۵ (سورۃ النسآء، پ۵، آیت نمبر ۱۴۲)

ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ منافق اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ریا کاری اور دکھلاوے سے کرتے ہیں اور اگر وہ تھوڑا ذکر بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتے تو وہ ان کے لیے کثیر (بہت) ہوتا۔ [۱]

اس آیت کی تفسیر علامہ علاؤالدین بغدادی اس طرح بیان فرماتے ہیں: وہ اللہ تعالیٰ کا بہت ہی تھوڑا ذکر کرتے ہیں ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذکر کو قبول نہیں فرماتا اس لیے ان کا کیا ہوا ذکر قلیل ہے اور اگر قبول فرمائے تو پھر قلیل بھی کثیر ہے یعنی تھوڑا ذکر بھی شرف قبولیت حاصل کرلے تو وہ زیادہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ذکر سے مراد نماز ہے یعنی وہ نماز تھوڑی پڑھتے ہیں اگر مومنین کے ساتھ ہوں تو وہ نماز پڑھتے ہیں اگر اکیلے ہوں تو وہ پھر نماز پڑھتے ہی نہیں۔ [۲]

۵۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ۔ [۳]

ترجمہ: ایمان والے تو وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور ان پر جب اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو زیادہ کرتی ہیں اور اللہ پر توکل کرتے ہیں۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حضرت علامہ محمد اسماعیل حقی فرماتے ہیں کہ بے شک کامل مومن وہ ہیں جو ایمان میں مخلص ہیں جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل مولا جل شانہٗ کی ھیبت اور عظمت کے تصور سے ڈر جاتے ہیں اور یہ خوف کامل ایمان والوں (یعنی اولیاء کرام) کے لیے لازمی ہے۔ خواہ وہ مقرب فرشتہ ہو یا نبی مرسل ہو یا مومن ہو اور یہ ڈرنا عذاب کے

---

[۱] (تفسیر ابن عباس)، [۲] (تفسیر خازن)، [۳] (سورۃ الانفال، پ۹، آیت نمبر۲)

خوف کے علاوہ ہے وہ اس لیے کہ دل کی خشیعت کی کیفیت ذکر سے پیدا ہوتی ہے۔ بندہ مومن کے خوف کی دوسری صورت معصیت اور گناہ کے بعد اللہ کے عذاب کے بیان سے پیدا ہوتی ہے۔۔۔ اور جان لے کہ بے شک حقیقی ایمان کے نور کا یہ کمال ہے کہ وہ دل کو نرم کر دیتا ہے اور نفس کی کدورتوں کو صاف کر دیتا ہے اور نفس کی ظلمات (اندھیروں) کو دور کر دیتا ہے اور دل کی سختی نرمی میں بدل جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا پیدا ہوتا ہے اور یہ مبتدی ولی کا حال ہے اور منتھی کا حال یہ ہوتا ہے کہ اس کو ذکر سے اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے جب نئے نئے لوگ اسلام قبول کرتے تو وہ قرآن کے نور کے نزول کے سبب قرآن سن کر روتے تھے آہیں بھرتے تھے (کثافت کے لطافت میں بدلنے کی کیفیت کے سبب تھا) سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں کہ اسلام کی ابتداء میں ہمارا بھی یہی حال تھا اب ہمارے دل مضبوط ہو گئے ہیں اس آیت میں ایمان زیادہ ہونے کا اشارہ یقین اور اطمینان نفس میں اضافہ کی طرف ہے۔ [1]

اس آیت کی تفسیر میں حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددیؒ لکھتے ہیں کہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال اور ہیبت وعزت کو دل سے محسوس کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی گناہ کا ارادہ کرتے ہیں مگر جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو ایسا نہ کرو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے گناہ کرنے سے باز رہتے ہیں۔ جب ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو چونکہ تلاوت قرآن کے وقت برکات وانوارات کا نزول ہوتا ہے اور ایمان بخش دلائل سامنے آتے ہیں جن کی وجہ سے یقین راسخ ہوتا ہے اور اطمینان قلبی بڑھ جاتا ہے اس سے ایمان میں مزید استحکام پیدا ہوتا ہے۔

---

[1] (تفسیر روح البیان)

حسن بصریؒ سے ایک شخص نے دریافت کیا آپ مومن ہیں؟

آپ نے جواب دیا: اگر تیرا سوال یہ ہے کہ میرا ایمان اللہ پر، اللہ کے ملائکہ پر اور کتابوں پر اور رسولوں پر اور جنت دوذخ پر اور آخرت پر ہے یا نہیں تو میں یقیناً مومن ہوں اور اگر تو یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ مذکورہ آیت میں جن مومنوں کے دل اللہ تعالی کے ذکر سے ڈر جاتے ہیں کا مصداق ہوں یا نہیں تو مجھے معلوم نہیں کہ میں ایسے کامل لوگوں میں ہوں یا نہیں۔ [1]

لہذا حضرت حسن بصریؒ کے نزدک اس آیت میں کاملین مومنوں کا ذکر ہے۔ اہل معرفت کے مطابق اس آیت میں اولیاء اللہ کی اس خصوصی کیفیت کی طرف اشارہ ہے جو قرآن مجید کی تلاوت کے وقت اولیاء اللہ پر انوارات قرآنیہ کے نزول کے وقت طاری ہوتی ہے۔ اس میں قلب پر انوارات وفیوضات قرآنیہ کی آمد سے جو عظمت وجلالت ربانی کا ناقابل بیان اثر پڑتا ہے اور جو جذب پر مبنی حصوصی حال طاری ہوتا ہے اس کو بیان کیا گیا ہے یہ ان خاص لمحات میں قرب کی عشقی اور ذوقی قلبی کیفیت کے اظہار کی طرف اشارہ ہے یہ ایک وجدانی وذوقی حالت ہے جو کہ کہنے اور لکھنے میں نہیں آتی اور نہ ہی یہ حالت مطالعہ یا عمومی اعمال سے صورت پذیر ہوتی ہے۔

پس اتنا کافی ہے: وَمَنْ لَمْ يَذُقْ لَمْ يَدْ رِ۔

جس نے نہیں چکھا اس نے نہیں جانا۔

جن کو اللہ تعالی کے فضل سے یہ خاص شان حاصل ہے ان پر اللہ کا شکر واجب ہے۔

۶۔ اللہ تعالی کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَ اذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ۔ [2]

ترجمہ: اور اپنے رب کا دل میں ذکر کیا کرو۔

---

[1] (تفسیر مظہری)، [2] (سورۃ الاعراف، پ۹، آیت نمبر ۲۰۵)

حضرت علامہ سید محمود آلوسی بغدادیؒ تفسیر میں فرماتے ہیں:

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ اِيْ فِيْ قَلْبِكَ۔

یعنی: اور اپنے رب کا ذکر نفس میں یعنی قلب میں ذکر کیا کرو۔ ۱

اس میں لطائف باطنیہ قلب، روح، سر، خفی، اخفٰی، نفس اور قالب کا ذکر شامل ہے۔

اس کی تائید دوسری تفسیر سے بھی ہوتی ہے۔اسی مذکورہ بالا آیت کے تحت حضرت مجاھدؒ اور ابن جریجؒ کا قول ہے کہ وہ اس کا ذکر سینوں میں عاجزی کے ساتھ کریں۔ ۲

اس کی تفسیر میں حضرت علامہ فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کو تبلیغ کا حکم دینے کے بعد متصل ہی یہ حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ اپنے رب کو دل میں یاد کریں اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی ذکر سے مکمل طور پر مستفید اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب ذکر میں یہ صفت پیدا ہو جائے کیونکہ اس شرط یعنی ذکر قلبی سے ذکر کرنا اخلاص اور تضرع سے زیادہ قریب ہے۔ ۳

اسی طرح تفسیر ابی المسعود میں بیان ہوا ہے کہ احفا تمام اذکار کے لیے عام ہے کیونکہ احفاء (لطائفی ذکر) میں اخلاص کا عنصر سب سے زیادہ ہے اور قبولیت کے اعتبار سے اقرب ہے۔ ۴

شیخ انور شاہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ہم قرآن کے کسی غیر معنی کی طرف نہیں جاتے پس اس سے مراد ذکر ہے نہ کہ نماز اگرچہ نماز بھی ذکر ہے اس سے مراد ذکر قلبی ہے لسانی نہیں نماز تو لسانی ذکر ہے۔

۷۔اللہ تعالی کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: **اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ط اَلَا بِذِكْرِاللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔** ۵

---

۱ (تفسیر روح المعانی)، ۲ (تفسیر معالم التنزیل)، ۳ (حاشیہ تفسیر کبیر)، ۴ (حاشیہ تفسیر کبیر)، ۵ (سورۃ الرعد، پ۱۳، آیت نمبر۲۸)

ترجمہ: ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددیؒ فرماتے ہیں کہ ان کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہو جاتے ہیں یعنی ان کے دلوں میں ایمان و یقین جم جاتا ہے ہر طرح کا شک زائل ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے شیطانی وسوسے دور ہو جاتے ہیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر آدمی کے دل کے دو خانے ہوتے ہیں ایک خانہ میں فرشتہ کا ظہور ہوتا ہے اور دوسرے خانہ میں شیطان کا ظہور۔ جب آدمی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے کو سمٹ جاتا ہے اور جب انسان اللہ کی یاد نہیں کرتا تو شیطان اپنی چونچ آدمی کے دل کے اندر رکھ دیتا ہے اسطرح وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے۔

آیت کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اہل ایمان کے پاک وصاف دلوں کی روزی اللہ کا ذکر ہے اللہ کی یاد سے مومنوں کو چین اور سکھ ملتا ہے جیسے مچھلیوں کو پانی میں، پرندوں کو ہوا میں اور وحشی جانوروں کو جنگل میں۔ لیکن اگر غفلت آفرین کوئی اندرونی خیال دل میں آ جاتا ہے یا اہل غفلت کی صحبت اثر انداز ہو جاتی ہے تو دلوں کا چین جاتا رہتا ہے اور بے چینی اور عدم سکون پیدا ہو جاتا ہے جیسے پانی سے باہر مچھلی کو اور وحشی جانوروں کو پنجرے میں اضطراب ہوتا ہے۔

صوفیہ صافیہ کے خادموں کے لیے ان حالات کا مشاہدہ بالکل بدیہی ہے۔ ہر پیر و مرشد برحق کا مریدان حالات کو دیکھا کرتا ہے۔ لہذا اس مطلب پر ایمان والے لوگوں سے اس آیت میں مراد پاک باطن روشن دل اولیاء ہیں۔

---

[1] (تفسیر مظہری)

دوسری جگہ جو آیا ہے کہ اللہ کے ذکر سے مومنوں کے دل ڈر جاتے ہیں۔ایک حالت میں خوف اور اطمینان ایک دل میں کیسے جمع ہو سکتے ہیں اس شبہ کا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ طمانیت اور خوف میں کوئی تضاد نہیں۔طمانیت انس سے پیدا ہوتی ہے اور انس خوف کی حالت میں بھی ہوتا ہے۔ بلکہ خوف و امید بھی ایک حالت میں جمع ہو سکتے ہیں۔

حضرت انس راوی ہیں کہ ایک جوان کے مرنے کے وقت رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا تجھے اپنے دل کی کیفیت کیا محسوس ہوتی ہے۔اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اللہ سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں کا مجھے خوف بھی ہے۔فرمایا ایسے موقع پر جس بندہ کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہوتی ہیں۔اللہ تعالیٰ ضرور اس کو اس کی امید کے مطابق عطا فرماتا ہے اور جس چیز سے اس کو خوف ہوتا ہے اس چیز سے محفوظ رکھتا ہے۔[1]

۸۔اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَاصۡبِرۡ نَفۡسَكَ مَعَ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَ الۡعَشِىِّ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ۔[2]

ترجمہ: اور آپ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں صبح اور شام کو اور اللہ کی رضا چاہنے والے ہیں۔

اس کی تفسیر میں حضرت علامہ امام اسماعیل بن کثیر قریشی دمشقی فرماتے ہیں کہ یعنی ان لوگوں کے پاس بیٹھیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور تہلیل، حمد، تسبیح اور تکبیر بھی پڑھتے ہیں اور صبح و شام اپنے مولا سے سوال کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے یہ بندے خواہ فقیر ہوں یا غنی، قوی ہوں یا کمزور۔۔۔حضرت عبدالرحمٰن بن سھل فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئی تو

---

[1] (تفسیر مظہری)، [2] (سورۃ الکھف، پ۱۵، آیت نمبر ۲۸)

آپ ﷺ اپنے گھر مبارک سے باہر تشریف لائے تو آپ ایسے ذکر والے لوگوں کو تلاش کرنے لگے تو آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کو پایا جو اللہ تعالی کا ذکر کر رہے تھے۔ ان کے بال بکھرے تھے چمڑے خشک ہو چکے تھے۔ انھوں نے صرف ایک چادر کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے جب ان کو دیکھا تو ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور فرمایا سب تعریفیں اس اللہ تعالی کے لیے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جن کے متعلق مجھے حکم فرمایا کہ میں اپنے آپ کو ان کے پاس روک رکھوں۔[1]

اس سے محافل ذکر میں شرکت اور ان سے حاصل ہونے والے فوائد کا حکم ملتا ہے۔ اور مشائخ کرام کے لیے ذاکرین مریدین کی محافل میں شرکت بھی سنت نبوی ﷺ سے ثابت ہوتی ہے۔ محفل ذکر کی اہمیت کو واضح کرنا مقصود ہے کہ سرور کائنات ﷺ کو اللہ تعالی کی طرف سے ذاکرین کے پاس خود تشریف لے جانے کا حکم ہوا جس کو آپ ﷺ نے پورا فرمایا اور ایسے مقبول بندوں کی امت میں موجودگی پر اللہ تعالی کا شکر بجا لایا۔

اس آیت مبارکہ سے مشائخ کی صحبت میں فیض یابی کے لیے حاضری پر بھی استدلال کیا جاتا ہے۔

۹۔ اللہ تعالی کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا۔[2]

ترجمہ: اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی خواہشات کا تابع ہے اور اس کا کام حد سے بڑھا ہوا ہے۔

اس آیت میں اس شخص کی پیروی کرنے اور حکم ماننے سے اللہ تعالی نے منع فرمایا ہے جس کا دل ذکر سے غافل ہے۔

---

[1] (تفسیر ابن کثیر)، [2] (سورۃ الکھف، پ ۱۵، آیت نمبر ۲۸)

قرآن خود ہی بیان کرتا ہے غافل قلب والا شخص خواہشات نفسانیہ کا پیروکار ہوتا ہے۔ لہذا خواہشات نفسانیہ کا کے پیروکار کی تابعداری دراصل خواہشات کی اطاعت بن جاتی ہے۔ ایسا شخص جس کا نفس تزکیہ کی دولت سے محرومی کی وجہ سے نفس امارہ کے درجے میں ہوتا ہے بدنصیبی سے نفس امارہ کے حامل لوگ دین داری کے رنگ میں خواہشات نفسانیہ کی تکمیل کر رہے ہوتے ہیں۔

ایسے شخص سے قرآن میں اسطرح خبردار کیا جارہا ہے: اَرَاءَ یُتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَه' هَوٰاه'۔[1]

ترجمہ: کیا توں نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے خواہشات نفسانیہ کو اپنا معبود (خدا) بنایا ہوا ہے۔

لہذا غافل قلب والا ہر شخص لازمی طور پر قرآن حکیم کے فیصلے کے مطابق خواہشات نفسانیہ کی نہ سمجھتے ہوئے پیروی کر رہا ہوتا ہے۔

اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ ذکر سے محروم دل رکھنے والا شخص اپنے حال اور کام میں حدود شرعیہ اسلامیہ سے باہر نکلنے والا ہوتا ہے۔ لہذا غافل قلب والے شخص کا حکم اس لیے پورا کرنے سے روکا جا رہا ہے کہ درحقیقت اس کا حکم روح اسلام کے خلاف ہوتا ہے اگرچہ ظاہری طور پر اس کا حکم اسلام کے مطابق نظر آتا ہو۔

قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ پر غور وفکر سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے

1۔ کہ اللہ تعالی نے یہ نہیں فرمایا کہ زبان سے ذکر نہ کرنے والا اتباع اور تعمیل حکم کے قابل نہیں۔

2۔ اللہ تعالی نے اس آیت میں ان لوگوں کی پیروی کا حکم بھی نہیں دیا جو زبان سے ذکر

---

[1] (سورۃ الفرقان، پ۱۹، آیت نمبر۴۳)

کرتے ہیں۔اگر زبانی ذکر کرنے والے لوگ قابل اتباع ہوتے تو لازمی اللہ تعالی زبانی ذکر کرنے والے لوگوں کو امعیاری نمونہ قرار دیتے اور ان کو اپنا مرشد اور امام بنانے کا حکم فرماتے مگر ایسا حکم یہاں نظر نہیں آتا۔اگر زبان ذکر والے لوگ معیار حق ہوتے تو ہر شخص اس قرآنی معیار کے مطابق خود کو ظاہر کر سکتا تھا اور خود کو قرآن کے مطابق مرشد اور ھادی قرار دیتا۔

3۔لہذا آیت قرآن ذکر کرنے والا دل رکھنے والوں کو مرشد اور امام بتا رہی ہے اور کیونکہ ذاکر دل رکھنے والے خاص حضرات توحید حقیقی کے مالک ہوتے ہیں ان کے قلوب سے غیر اللہ دور ہو چکا ہوتا ہے۔ان لوگوں کے قلوب انوارات وفیوضات ربانیہ کی جلوہ گاہ بن چکے ہوتے ہیں ان کے دل حق سبحانہٗ کے ماسوا ہر چیز کو کوچہ دل سے نکال چکے ہوتے ہیں۔

لہذا ایہی لوگ سرور کائنات ﷺ کے حقیقی وارث ہونے کی وجہ سے قابل اتباع و پیروی ہوتے ہیں۔کیونکہ انبیاء کرامؑ کے دل بھی ذاکر ہوتے ہیں۔

جیسا کہ حضور پرنو ﷺ فرماتے ہیں: تَنَامُ عَيْنَا یَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِیُ۔

ترجمہ: میری صرف آنکھیں نیند کرتی ہیں مگر میرا دل نہیں سوتا۔

اس کی شرح محدثین کرام نے یہی کی ہے۔حضو ﷺ کا قلب ذکر دوامی کا حامل ہے اور آپ ﷺ کے قلب اطہر پر ہر وقت انوارات وتجلیات الھیہ کی بارش رواں دواں رہتی ہے۔اسی بناء پر امت مسلمہ کے جید علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ آقا علیہ الصلو ۃ ولسلام کا قلب اطہر کائنات کی ہر چیز حتی کہ عرش وکرسی اور کعبہ سے بھی افضل واعلی ہے۔لہذا اس منبع انوار قلب سے نور چینی کرنے والے اولیاء اللہ قرآن مجید کے حکم کے مطابق قابل اتباع ہیں اور مسلمانوں کی روح اسلام کے مطابق رہنمائی کر سکتے ہیں ان لوگوں کا حکم اور کام اسلام کی حدود کے اندر ہوگا۔

4۔اس آیت سے قلب کی اہمیت بھی واضح ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے کہ میرے محبوب ﷺ ہم نے اس قرآن کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے سے آپ ﷺ کے قلب پر نازل فرمایا۔

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر کی بے انتہا قوت ہے کہ جس نے قرآن کے انوارات اور انوارات ذاتیہ الہیہ کو اٹھالیا۔ آپ ﷺ کا قلب ان امانتوں کا امین و محافظ بن گیا جسے آسمان و زمین اور پہاڑ اٹھانے سے عاجز آ گئے تھے۔

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر و منیر کی شان و عظمت صرف امت کے خواص اولیاء و علماء ہی جانتے ہیں عام رسمی علماء ان عظمتوں اور رفعتوں سے واقف نہیں ہیں۔

۱۰۔اللہ تعالی کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَ لَا تَنِیَا فِیۡ ذِکۡرِیۡ۔[۱]

ترجمہ:

حضرت سیدنا موسی علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم ہے کہ میری یاد میں سستی نہ کرنا۔

اس کی تفسیر میں حضرت علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ یعنی میرے ذکر میں سستی نہ کرنا یعنی ہمیشہ ہر حال میں زبان سے اور دل سے میرا ذکر کرتے رہنا کیونکہ بے شک ذکر تمام مقاصد کے حصول کا آلہ ہے۔اور بعض نے کہا کہ اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالی کے جلال و عظمت کے ساتھ ذکر کرنے سے مد مقابل مغلوب ہو جاتا ہے۔اور ذاکر بھی کسی غیر سے نہیں ڈرتا۔اور اس کی برکت سے ذاکر کی روح طاقتور ہو جاتی ہے اور وہ مقصود میں کمزور نہیں ہوتا۔

---

[۱] (سورۃ طٰہٰ، پ ۱۶، آیت نمبر ۴۲)

۱۱۔اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَبَشِّرِالْمُخْبِتِیْنَ ہ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ ۔[۱]

ترجمہ: آپ خوشخبری سنادیں ایسے خشوع کرنے والوں کو جن کے دل ڈر جاتے ہیں جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت علامہ سید محمود آلوسی بغدادی اس کی تفسیر اسطرح بیان فرماتے ہیں کہ مجاہد نے کہا ہے کہ مخبتین سے مراد وہ لوگ ہیں جو مطمئن ہیں یعنی ذکر الٰہی سے ان کے دل مطمئن ہو چکے ہیں۔

ضحاک نے کہا کہ اس سے مراد عاجزی کرنے والے خوش قسمت لوگ ہیں۔سفیان نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے راضی رہنے والے لوگ ہیں اور کلبی نے کہا ہے کہ اس سے مراد عبادت میں محنت کرنے والے لوگ ہیں۔ ایسے لوگ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں کیونکہ ان کے ذکر سے ان کے قلوب (دلوں) راللہ تعالیٰ کے جلال کے انوار وارد ہوتے ہیں۔[۲]

یہاں وہ مومن مراد ہیں جن کے قلبی ذکر سے ان کے دل مطمئن ہو چکے ہیں اور ان کے دلوں پر انوارات ربانیہ کا ایسا نزول ہوتا ہے کہ جلال الٰہی سے ان پر لرزہ اور وحشت کی کیفیت طاری ہوتی ہے اس سے ایک خاص قرب کے مقام تک پہنچے ہوئے اولیاء مراد ہیں۔اس سے محجوب قلب والے عام لوگ مراد نہیں ہیں کیونکہ اگر وہ ذکر کریں بھی تو ان کے کثیف اور تاریک مردہ دلوں پر ہرگز انوارات ربانی کا نزول ثابت نہیں ہوتا۔کسی عام مسلمان کو خود فریبی اور نفس پرستی کا شکار ہو کر خود کو قرآن کی ان آیات کا مصداق نہیں سمجھنا چاہیے۔کیونکہ عام لوگوں کا حال مومنین کے اس خصوصی حال سے بہت ہی دور ہوتا ہے۔بندوں کے احوال کا فرق صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی باران

---

[۱] (سورۃ الحج، پ ۱۷، آیت نمبر ۳۴ تا ۳۵)، [۲] (تفسیر روح المعانی)

رحمت سے حصہ نصیب کرنے والے خوش نصیب افراد پر عیاں ہوتا ہے جو نور فرقان کے حامل ہوتے ہیں یہ نور فراست وفرقان اندھیروں میں شمع کی مانند ہے۔

۱۲۔اللہ تعالی کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ ۱

ترجمہ:اور اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔

اس کی تفسیر میں حضرت علامہ علاوالدین علی بغدادی المعروف امام خازن یوں لکھتے ہیں:

"افضل ترین طاعات اللہ تعالی کا ذکر ہے"۔

حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ آپ نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمھیں بہترین اعمال نہ بتاؤں جو تمھارے درجوں میں سب سے بلند ترین ہیں اور جو تمھارے لیے سونا اور چاندی خیرات کرنے سے بہتر ہیں اور وہ تمھارے لیے اس سے بھی بہتر ہے کہ تم دشمن سے لڑو اور ان کی گردنیں مارو اور وہ تمھاری گردنیں ماریں۔صحابہؓ نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیں یارسول اللہ ﷺ۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ اللہ تعالی کا ذکر ہے۔ ۲

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ قیامت کے دن اللہ تعالی کے نزدیک کس بندے کا درجہ سب سے افضل ہوگا۔آپ ﷺ نے فرمایا کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے کا۔ ۳

اور بے شک اللہ تعالی کا ذکر بہت بڑا ہے۔حضرت ابن عطاء نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر گناہ سے بڑا ہے کسی گناہ کو باقی چھوڑنے والا نہیں ہے۔ ۴

اللہ تعالی کا ذکر گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔اہل معرفت کے مطابق اللہ تعالی کا ذکر اس لحاظ سے

---

۱ (سورۃ العنکبوت،پ۲۱،آیت نمبر۴۵)، ۲ (ترمذی)،۳ (تفسیر الخازن)

بہت ہی بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ تمام حجابات باطنیہ اسم ذات "اللہ" کے ذکر سے قطع ہوتے ہیں اور اس کے نور سے باطن کی ظلمتیں مٹ جاتی ہیں اور لطائف باطنیہ ذاکر ہو جاتے ہیں اور اس پاک ذات کی صفات کے معارف واسرار عیاں ہوتے ہیں۔ قرب الٰہی کے لیے تمام روحانی سلوک کا دارومدار اسی پر ہے۔

۱۳۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا۔ [۱]

ترجمہ: اے ایمان والے لوگوں تم جب کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو۔

حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو چیز بھی فرض کی ہے اس کی ایک معلوم حد ہے اور اس میں عذر بھی رکھا ہے۔ سوائے ذکر کے کہ اس کی کوئی حد بھی مقرر نہیں کی اور نہ ہی اس میں کوئی عذر رکھا ہے، سوائے اس کے کہ آدمی پاگل ہو جائے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے کھڑے بیٹھے اور پہلو کے بل بھی رات و دن کو، خشکی وتری میں، صحت و بیماری میں، آہستہ بھی اور بلند بھی۔ اور اسی طرح حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ذکر کثیر یہ ہے کہ بندہ کبھی بھی اللہ کے ذکر سے غافل نہ رہے۔ [۲]

تفسیر ابن کثیر نے بھی یہی حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر نقل کی ہے۔ حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اور کبھی اللہ کو نہ بھولنے کی حالت فناء قلب اور دوامی حضور کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ [۳]

حضرت مجدد الف ثانی امام ربانی شیخ احمد سرہندی فاروقیؒ کثرت سے ذکر کرنے کی وضاحت اسطرح فرماتے ہیں کہ بہت زیادہ اور ہر وقت ذکر کرنے کا جو حکم ہوا ہے وہ ذکر زبانی اور

---

۱ (سورۃ الاحزاب، پ۲۲، آیت نمبر۴۱)، ۲ (تفسیر معالم التنزیل)، ۳ (تفسیر مظہری)

عبادات سے ممکن نہیں ہے اس سے مراد لطائف باطنیہ کا ذکر مراد ہے۔ جب لطائف ذاکر ہو جاتے ہیں وہ دن رات صحت و بیماری، جاگتے اور سوتے ہوئے، کام کرتے ہوئے اور فراغت کے وقت ذاکر رہتے ہیں۔ لہذا کثرت ذکر سے مراد لطائف کا ذکر ہے۔

1۔ کیونکہ لطائف کا باطنی ذکر ہر وقت ہونے کی وجہ سے بھی کثرت ذکر کے حکم میں آتا ہے جبکہ زبانی ذکر لطائف کے ذکر کی طرح ہر وقت کرنا ناممکن ہے۔

2۔ لطائف کا ذکر اس وجہ سے بھی کثرت ذکر کے حکم میں آتا ہے کہ یہ لوگوں اور فرشتوں سے بھی پوشیدہ ہونے کی وجہ سے ریا کاری سے محفوظ ہونے کے سبب بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوتا ہے۔ لطائف کا ذکر زیادہ ہوتا ہے۔ اگر بالفرض کم مقدار میں بھی ہو تو شرف قبولیت پانے کی صورت میں اس ظاہری ذکر سے جو مقدار میں زیادہ ہونے کے باوجود ریا کاری کے سبب قبولیت نہ پا سکا ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ رب العزت کی عظیم بارگاہ میں تھوڑی مقدار میں مقبول چیز اس زیادہ مقدار والی غیر مقبول چیز سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور کثرت کے حکم میں آتی ہے۔

3۔ لطائف کا ذکر کثرت کے درجہ میں اس وجہ سے بھی آتا ہے کہ لطائف کا ذکر کرنے والا ذاکر شخص تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی دولت سے سرفراز ہو چکا ہوتا ہے اور فناء بقا کی منازل طے کرنے کی وجہ سے صاحب اخلاص بن چکا ہوتا ہے تو ایسا ذاکر شخص مخلَص کے درجہ پر فائز ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ عمل کا وزن عامل کے معیار پر ہوتا ہے۔

جیسا کہ سیدنا حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے صحابہ کرام تھوڑی مقدار (ایک صاعہ) غلہ خرچ کرنا دوسرے لوگوں کے احد پہاڑ کے برابر خرچ کرنے سے افضل ہے۔ لہذا مخلص شخص کا ذکر نور اخلاص کی وجہ سے مقبول اور کثیر ہوتا ہے۔ ایک بات قابل غور یہ ہے کہ کچھ لوگ بناوٹی اخلاص اختیار کرتے ہیں وہ مخلِص کہلاتے ہیں ان کا نفس امارہ اور قلب غیر ذاکر ہونے کی وجہ سے غیر اللہ کی عملی

گرفتاری میں ہوتا ہے ان کا نفس اپنے مولا کریم پر قربان نہیں ہو چکا ہوتا ہے اور اسی طرح ان کا قلب بھی شیطان کا مسکن ہوتا ہے۔ اگر ایسا کوئی شخص ظاہری خشوع وحضوع اختیار کرتا ہے یا ذکر چھپ کر کرتا ہے تو صرف بناوٹی اور اختیاری اخلاص کر رہا ہے جو نور اخلاص اور حقیقت اخلاص سے کوئی نسبت وتعلق ہی نہیں رکھتا۔ ایسا مخلص خود نفس وشیطان کے جال میں پھنسا ہوا ہوتا ہے اور دوسروں کی رہنمائی بھی اسی طرف کرتا ہے۔ کاش کہ لوگ نفس وشیطان کے فریب سے نکل کر حقیقت اخلاص سے لذت وسرور پا کر خود فیصلہ کریں کہ وہ پہلے کس طرح اندھیرے میں کھڑے تھے۔ شاہد یہ الفاظ کسی صاحب عقل کی زندگی کا رخ موڑ دیں اور اس کی حقیقی ہدایت کا ذریعہ بن جائیں حقیقی ہدایت سینہ میں نور کے داخل ہونے سے مشروط ہے۔

۱۴۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: فَوَيۡلٌ لِّلۡقٰسِيَةِ قُلُوۡبُهُمۡ مِّنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ۔ [۱]

ترجمہ: پس جن لوگوں کے دل ذکر خدا سے متاثر نہیں ہوتے ان کے لیے بڑی خرابی ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددیؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ کچھ گمراہ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر ان کے سامنے کیا جاتا ہے یا اللہ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کے دلوں کی سختی بڑھ جاتی ہے۔ مسلم کا دل اللہ کے ذکر سے بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ اور کافر کے دل میں سختی زیادہ ہوتی ہے اور اس کے انکار میں اضافہ ہوتا ہے۔

بعض مفسرین کے نزدیک اس کی تفسیر اس طرح ہے کہ ان لوگوں کے لیے بڑی خرابی ہے جن کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کو چھوڑنے کی وجہ سے سخت ہو گئے ہیں۔

حضرت مالک بن دینار نے کہا کہ قساوت قلب (دل کی سختی) سے بڑھ کر بندہ کے لیے کوئی

---

[۱] (سورۃ الزمر، پ۲۳، آیت نمبر۲۲)

سزا مقرر نہیں کی گئی اور اللہ تعالی کا غضب کسی قوم پر اس وقت نازل ہوتا ہے جب ان کے دلوں سے نرمی ختم ہو جاتی ہے۔ [1]

حضرت شیخ قطب الدین دمشقی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ پس خرابی ہے ان سنگ دل لوگوں کے لیے جن کے قلب سخت اور زنگ گرفتہ ہیں اللہ کے ذکر کی طرف سے غفلت کے سبب۔

اللہ تعالی نے اس آیت میں دل کو قسوۃ اور سختی کی صفت سے ذکر فرمایا ہے اور سختی پتھر کی صفت ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے تمھارے دل سخت ہو گئے پتھر کی طرح بلکہ پتھر سے بھی زیادہ سخت۔ اور ظاہر ہے کہ سخت پتھر سخت چوٹ کے بغیر نہیں ٹوٹتا اس لیے دل پر ذکر پوری قوت وطاقت کے ساتھ ہونا چاہیے تاکہ سختی سے پاک ہو جائے اور شیطان سے نجات پائے کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ جو شخص اللہ تعالی کے ذکر سے منہ موڑتا ہے تو ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو اس کے ساتھ رہتا ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ شیطان انسان کے قلب پر زانو بچھائے بیٹھا رہتا ہے۔ جب بندہ اللہ تعالی کا ذکر کرتا ہے تو وہ بھاگ جاتا ہے اور جب غافل ہوتا ہے تو اس کے قلب کو منہ میں دبا کر وساوس وخطرات اور فاسد امیدوں میں مبتلا کرتا ہے یعنی دل میں برے خیالات اور ارادے پیدا کرتا ہے۔

۱۵۔ اللہ تعالی کا قرآن مجید میں ارشاد ہے: تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ، ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ [2]

ترجمہ: ان (مومنوں) کے بدن کانپ جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کی جلدیں اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

---

[1] (تفسیر مظہری) [2] (سورۃ الزمر، پ۲۳، آیت نمبر ۲۳)

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ [1]

حضرت عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کے خوف سے بندہ کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت سے خشک پتے۔ [2]

دوسری روایت میں ہے کہ جب اللہ کے خوف سے بندہ کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو اللہ اس کو دوزخ کے لیے حرام کر دیتا ہے۔ [3]

جب اولیاء اللہ پر برکات اور تجلیات کی بارش بکثرت ہوتی ہے لیکن ولی کا حوصلہ تنگ اور استعداد کمزور ہوتی ہے تو ولی برداشت نہیں کر سکتا اس لیے اس پر بیہوشی کی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ صحابہ کرامؓ کے ظرف وسیع تھے اور صحبت رسول ﷺ کی برکت سے استعداد قوی تھی اس لیے باوجود برکات کی کثیر بارش کے ان پر بیہوشی طاری نہیں ہوتی تھی۔ جبکہ صحابیوں کے علاوہ کی روحانی استعداد کمزور ہوتی ہے اس لیے دو جہتوں سے ان پر غشی طاری ہوتی ہے۔

1۔نزول برکات ہی کم ہوتا ہے۔

2۔ان کا ظرف تنگ ہوتا ہے۔

تعجب ہے امام محی السنۃ بغوی نے ان صوفیوں کو برا کہا جن پا قرآن سننے سے بیہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ وہ بھول گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حتّٰی اِذا فزع عن قلوبھم قالوا ماذا قال

---

[1] (تفسیر مظہری)، [2] (طبرانی)، [3] (بغوی)

ربکم قالوا الحق و ھوا لعلی الکبیر۔

امام محی السنہ نے خود ہی اس آیت کی تفسیر میں حضرت نواس بن سمعانؓ کی روایت سے مندرجہ ذیل حدیث نقل کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بات کا ارادہ فرماتا ہے اور وحی کے الفاظ فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے آسمانوں میں ایک شدید لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور آسمان والے اس کو سن کر بے ہوش ہو جاتے ہیں اور سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ پھر سب سے پہلے سر اٹھانے والے جبرائیل ہوتے ہیں۔ ۱؎

امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے ایسی ہی ایک حدیث نقل کی ہے لیکن الفاظ میں کچھ تغیر ہے وہ الفاظ اس طرح ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے عظیم کلام کو سن کر عاجزی کے ساتھ فرشتے اپنے بازو پھڑ پھڑاتے ہیں اور ایسی آواز ہوتی ہے جیسے پتھر کی چٹان پر زنجیر لگنے سے پیدا ہوتی ہے۔ پھر جب ان فرشتوں کے دلوں کی ہیبت و خوف دور ہو جاتا ہے تو بعض فرشتے بعض سے کہتے ہیں کہ تمھارے رب نے کیا فرمایا ہے۔ وہ جواب دیتے ہیں جو کچھ فرمایا ہے حق ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں سیدنا حضرت موسیٰ کے بیہوش ہو جانے کا ذکر بھی موجود ہے:

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا۔ ۲؎

ترجمہ: پس جب اللہ تعالیٰ رب العزت نے پہاڑ پر تجلی ظاہر فرمائی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور سیدنا موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔

ملائکہ سے انسان کی استعداد زیادہ قوی اور حوصلہ زیادہ وسیع ہے اس کے ثبوت میں ہے کہ

۱؎ (الحدیث)، ۲؎ (سورۃ الاعراف، پ۹، آیت نمبر ۱۴۳)

انسان کو اللہ تعالی نے زمین میں اپنی خلافت عطا فرمائی اور انسان اپنی امانتوں کا امین بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ جب فرشتوں نے وحی کا کلام سنا تو ان پر غشی طاری ہوگئی لیکن انسان کامل کی حالت ایسی نہیں ہے اگر عروج کے بعد مومن کا نزول بھی مکمل ہو جائے تو سوائے کسی نادر مثال کے عام طور پر ایسے عارفوں کی حالت میں کوئی تغیر نہیں آتا اور اگر ولی کی نزولی حالت کامل نہ ہو ناقص ہو تو اکثر حالات میں تغیر آجاتا ہے۔ جب صوفی سکر کی حالت میں ہوتا ہے اور شعر میں محبوب کا ذکر سنتا ہے تو اکثر اس کی حالت بدل جاتی ہے رقص کرتا ہے، لوٹتا ہے، تڑپتا ہے، بیہوش ہو جاتا ہے اسی لیے صوفیاء سماع کو پسند کرتے ہیں لیکن قرآن تو شعر سے بہت ہی زیادہ بلند مقام رکھتا ہے اس کو سن کر حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت کرنے یا سننے کے وقت ذاتی صفات وتجلیات سے تعلق رکھنے والی برکات کا اتنی کثرت سے فیضان ونزول ہوتا ہے کہ جو صوفی اپنے مقام پر رکے ہوئے ہیں اور احتیاس کی حالت میں ہیں ان کی رسائی بھی ان برکات تک نہیں ہو سکتی اور جو صوفی افق اعلی پر پہنچ گئے ہوں اور مقام دَنٰی فَتَدَلّٰی فکان قاب قوسین اوادنی، تک ان کی رسائی ہوگئی ہو تو ان کی حالت میں تغیر بیہوشی کی حد تک نہیں ہوتا بلکہ صحابہ کرامؓ کی طرح ہو جاتا ہے جیسے آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں، بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ذکر رب سے دلوں میں سکون واطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔ [۱]

اسی طرح امام خازن اس کی تفسیر میں حضرت قتادہؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالی نے اولیاء اللہ کی صفت بیان فرمائی ہے کہ ان کی جلدیں ذکر کے وقت کانپ اٹھتی ہیں اور دل نرم ہو جاتے ہیں۔ [۲]

---

[۱] (تفسیر مظہری)، [۲] (تفسیر خازن)

اس آیت میں تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کے وقت جو مومنوں کے دلوں اور جلدوں کی حالت بیان ہے وہ اولیاء اللہ کی محافل میں خوش قسمت لوگ مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ اولیاء اللہ پر انوارات قرآنیہ اور انوارات ذکر کس طرح نزول کر کے وجد و گریہ پیدا کرتے ہیں۔

جیسا کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے جب حضور ﷺ کی مہر نبوت کو جب بوسہ دینے کی سعادت حاصل کی تھی تو اس وقت ان پر گریہ وزاری کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

اس آیت مبارکہ میں خصوصی مومنوں کے احوال کی طرف اشارہ ہے عام مسلمانوں کی تلاوت قرآن یا ذکر الٰہی کے وقت حالت اس طرح کی نہیں ہوتی کیونکہ عام مسلمانوں کے لطائف بند ہونے اور کثافت و ظلمت سے آلودہ ہونے کے سبب انوارات قرآنیہ کے نزول کے لیے صاف نہیں۔اس لیے تلاوت قرآن مجید سے پہلے جس طرح طہارت ظاہری ضروری ہے بالکل اسی طرح طہارت باطنیہ کی بھی اشد ضرورت ہے یہی وجہ ہے کہ مشائخ کرام مبتدی سالکوں کے ذکر کے علاوہ ہو نفل عبادت اور تلاوت قرآن بھی عارضی طور پر کچھ وقت کے لیے بند کر دیتے ہیں تا کہ طہارت باطنی ذکر سے حاصل ہو جائے۔طہارت باطنی حاصل ہو جانے کے بعد سالکین طریقت کو بہت زیادہ تلاوت کا حکم دیا جاتا ہے تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ انوارات قرآنیہ کو اپنے باطنی لطائف میں جذب کر سکیں۔

حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ جب نفس اور اس کی ظلمت نکل جائے تو قرب و معرفت کا نور جلوہ گر ہو جاتا ہے۔فانی شخص جو کچھ کرتا ہے وہ اللہ کے لیے بلکہ اللہ کے ساتھ کرتا ہے کیونکہ وہ شرک باطنی سے پاک ہوتا ہے جبکہ نفسانی جو کچھ کرتا ہے وہ نفس کے ساتھ کرتا ہے اور جب نفس درمیان میں ہے تو تمام کمالات نقصان کا حکم رکھتے ہیں۔

لہذا انوارات و احوال کی کیفیات فانی لوگوں کے لیے ہیں۔

ذاکرین کے لیے اللہ کا قرب و معیت

اللہ تعالی رب العزت کے لیے تمام عظمت و کبریائی ہے۔ اس بے مثل ذات کی عظمت اور شان وشوکت انسان کی ناقص عقل سے بہت ہی بلند و بالا ہے ہم مسلمانوں کے لیے بے حد خوشی اور سعادت کی بات ہے اس خالق کائنات جل شانہ نے ہمیں دولت ایمان عطا فرمائی اور ہمارے لیے اپنے قرب اور معیت کے راستے کھولے۔ بندہ مومن اس نعمت پر جتنی بھی شکر گزاری کرے وہ تھوڑی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ سیدنا حضور پر نور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالی سبحانہ فرماتے ہیں کہ میں بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسے وہ میرے ساتھ گمان کرتا ہے۔ اور وہ جب مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے تو میں اس مجمع سے بہتر یعنی فرشتوں کے مجمع میں اس کا تذکرہ کرتا ہوں اور اگر بندہ میری طرف ایک بالشت متوجہ ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میری طرف بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر تشریف لاتا ہوں۔ [1]

اس حدیث مبارکہ میں پانچ مضمون بیان فرمائے گئے ہیں۔ حدیث کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے ان مضامین کی وضاحت پیش خدمت ہے۔

ا۔ اللہ تعالی بندہ کے ساتھ اسکے خیال کے مطابق معاملہ فرماتا ہے اس لیے بندہ کے لیے لازمی

---

[1] (بخاری، مسلم، ترمذی)

ہے کہ اللہ تعالی کے فضل وکرم کی امید رکھے اور اسکی رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہو۔ ہم گنہگار لوگ ہیں ہم اس عظیم ہستی کے سامنے حساب دینے سے عاجز ہیں لہذا بندہ کو اپنی بے بسی اور عاجزی کا اعتراف کرتے ہوئے۔ اس مالک کائنات سے بخشش ومغفرت طلب کرنی چاہیے اس کی شان رحمت کے وسیلہ سے۔ نا قابل معافی گناہوں مثلاً اللہ تعالی کے شرک سے اور حضور ﷺ کی بے ادبی اور گستاخی سے بچنا بے حد ضروری ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے۔ امید کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ بندہ اللہ تعالی کے خوف سے گناہ سے دور بھاگے جیسا کہ ایک حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ مومن گناہ کو پہاڑ سمجھتا ہے گویا وہ ایک پہاڑ کے نیچے بیٹھا اور وہ اس پر گرنے والا ہے جبکہ فاجر وفاسق شخص گناہ کو ایسا معمولی سمجھتا ہے گویا ایک مکھی بیٹھی تھی اڑا دی یعنی اللہ تعالی کی عظمت سے نہیں ڈرتا۔ اس کی وضاحت میں علماء فرماتے ہیں تمام معاملات مغفرت، دعا، مال، امن اور صحت وغیرہ میں بندہ کے گمان کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے۔

۲۔ دوسرا مضمون جو ذاکرین سے متعلق ہے وہ ہمارا موضوع ہے کہ جب بندہ اللہ تعالی کا ذکر کر رہا ہوتا ہے تو اللہ تعالی فرماتے ہیں میں اس بندہ ذاکر کے ساتھ ہوتا ہوں اسی طرح کا مفہوم ایک دوسری حدیث میں بھی آیا ہے کہ جب بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو جب تک اس کے ہونٹ میری یاد میں حرکت کرتے ہیں میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ انسان کے لیے کتنی خوش قسمتی کا موقع ہوتا ہے کہ ذکر کرنے سے اس کی طرف رب کائنات متوجہ ہو جائے اور اللہ تعالی کی خاص توجہ اس پر سایہ فگن ہو جائے اور ذاکر پر خصوصی رحمتوں کی بارش برسے انسان اگر غفلت کے پردوں میں لپٹا ہوا نہ ہو تو اس نعمت کو کبھی ضائع نہ ہونے دے اور کوئی لمحہ بھی اللہ تعالی کے ذکر سے خالی نہ چھوڑے۔ وہ لمحات کس قدر قیمتی ہوتے ہیں جب سب سے کٹ کر انسان اللہ تعالی کے ذکر میں محو ہوتا ہے گویا بندہ اللہ تعالی کی یاد اور نظر رحمت کا نشان بن گیا ہوتا ہے اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ میں ذکر کرنے والے کے ساتھ ہوتا

ہوں تو اللہ تعالی کے معیت کس قدر خوش بختی کی بات ہے تو لہذا ذکر ایسا عمل ہے تو انسان کو اللہ تعالی کے قرب و معرفت کی طرف لے جاتا ہے اگر روحانی سلوک طے کرتے ہوئے ذاکر آگے بڑھتا چلا جائے اور تمام لطائف کے ذاکر ہونے کے بعد بندہ مومن کو دائمی طور پر معیت ربانی عطا ہو جاتی ہے لہذا کوئی بدبخت شخص ہی ہوگا جو اللہ تعالی کے ذکر کو چھوڑنے کے سبب خود کو اللہ کی رحمت اور قربت سے دور لے جائے ورنہ کوئی صاحب عقل تو اللہ تعالی سے دوری کو اپنے لیے گوارا نہیں کر سکتا۔ اس سے دل کا ذکر کرنا بھی ثابت ہوتا ہے۔

۳۔ انسان کے ذکر کو اللہ تعالی فرشتوں کے سامنے تفاخر کے طور پر پیش فرماتے ہیں کیونکہ فرشتوں نے انسان کی پیدائش کے وقت کہا تھا کہ یہ دنیا میں فساد اور خون ریزی ہی کرے گا۔ اللہ تعالی ذاکرین سے خوش ہو کر فرشتوں کے سامنے ذکر کرتا ہے کہ مومن بندے غیب پر ایمان لا کر کتنے عشق و محبت میں اللہ تعالی کے ذکر سے مانوس ہوتے ہیں۔ انسان کی فضیلت ایمان غیبی کے ساتھ ہے جبکہ فرشتوں کو مشاہدہ حاصل ہے۔ انسان اللہ تعالی کے ہاں پسندیدہ اس وجہ سے بھی ہے کہ اس کے اندر اطاعت اور معصیت دونوں کا مادہ موجود ہے جبکہ فرشتے کے اندر معصومیت ہی ہے۔

۴۔ اس حدیث میں اللہ تعالی کے قرب کی طرف بندہ مومن کے قدم بڑھانے کا ذکر ہے اللہ تعالی کی ذات کون و مکان سے بلند اور پاک ہے لہذا اللہ تعالی کے قریب ہونے کا مطلب مکان اور فاصلہ کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ یہ قریب ہونے کی ایک حالی، ذوقی اور وجدانی کیفیت ہوتی ہے اس قرب اور معیت کی حقیقت کو انبیاء اور اولیاء اپنے باطن سے محسوس کرتے ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انتہائی کرم نوازی سے انسان کو سمجھانے کے لیے فرمایا کہ میں دو ہاتھ اور دوڑ کر آتا ہوں ورنہ اللہ کی ذات ہاتھ اور دوڑ کر آنے سے بہت ہی بلند اور بالا ہے۔ یہ صرف عام انسان کے عقل کے مطابق سمجھانا مقصود ہے۔ اللہ تعالی کی ذات واجب الوجود ہے لہذا اللہ تعالی کی عظمت و

شان کے منافی بات ہے کہ کوئی شخص عقل سے اس کی ذات کے بارے میں سوچے وہ عقل ودانش سے بلند وبالا ہستی ہے۔اسی لیے اللہ تعالی کی ذات کے بارے میں غور وفکر کرنے سے روکا گیا ہے کیونکہ وہ عقل سے وراء الوراء ہستی ہے۔ اللہ تعالی بندہ مومن کی کوشش سے کہیں زیادہ اس کو اپنا قرب ومعرفت عطا فرماتے ہیں انسان کی طرف سے تھوڑی کوشش ذکر، مجاہدہ اور عبادت کی صورت میں ہوتی ہے جبکہ خالق کائنات کی طرف سے رحمتوں عطاؤں اور کرم نوازیوں کے سمندر بہا دیئے جاتے ہیں لہذا اللہ تعالی کے قرب کے لیے سعی کرنے والوں کو اس کی آغوش رحمت ڈھانپ لیتی ہے۔یعنی محنت کم اور عطا زیادہ یہ مطلب ہوا ایک ہاتھ بڑھنے کے بدلے دو ہاتھ بڑھنے کا۔

حضرت غوث اعظم فرماتے ہیں جب نفس زائل ہو جائے گا تو اس کی جگہ اللہ کا قرب وامر لے لے گا۔

۵۔ ایک وضاحت طلب چیز اللہ تعالی بہتر مجمع میں ذاکر کا تذکرہ فرماتے ہیں۔اللہ تعالی کی بے مثل و بے مثال شان والی ذات خود جس مجمع میں جلوہ افروز ہو بندہ مومن کا ذکر بیان فرمانے کے لیے تو وہ قطعی اور یقینی طور پر دنیا کی تمام کی تمام مجالس ذکر سے بہترین اور افضل ترین مجلس ہے۔اسکی دوسری وضاحت اس طرح ہے کہ فرشتوں کی جماعت کی طرف اشارہ ہو تو فرشتوں کے معصوم ہونے کی وجہ سے وہ مجمع بہترین ہوا۔عوام لوگوں سے فرشتوں کے درجات بلند ہیں جہاں تک انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا تعلق ہے تو یہ ایک واضح حقیقت ہے کیونکہ انسان عالم امر اور عالم خلق کا جامع ہونے کی وجہ سے انوارات وتجلیات ذاتیہ کا انجذاب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اسی وجہ سے انبیاء کو خلافت عطا ہوئی لہذا انبیاء کرام تمام ملائکہ سے افضل ہیں جبکہ ولایت الکبری کے حامل اولیاء بھی عام فرشتوں سے افضل ہیں کیونکہ فرشتوں کے اندر تخلیقی جامعیت نہیں ہے۔

ذکر سب اعمال سے افضل ہے

ذکر اللہ تعالیٰ سے عشق و محبت کی علامت ہے کیونکہ جس سے محبت و پیار ہوتا ہے انسان اس کا تذکرہ زیادہ کرتا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی نشانی اس کے ذکر سے محبت ہے اور اللہ تعالیٰ سے بغض کی نشانی اس کے ذکر سے بغض ہے لہذا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اس پاک ذات کے حقیقی عاشق ہیں جبکہ ذکر میں رکاوٹ بننے والے لوگ اللہ تعالیٰ سے بغض کرنے والوں میں شامل ہیں۔ سب اعمال میں سے ذکر کا بہترین ہونا حدیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

حضرت ابودراءؓ سے روایت ہے کہ سیدنا حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤ جو تمام اعمال میں بہترین چیز ہے اور تمھارے مالک کے نزدیک زیادہ پاکیزہ ہے اور تمھارے درجوں کو بہت زیادہ بلند کرنے والی ہے اور سونے چاندی کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے سے ھی ریادہ بہتر اور جہاد میں تم دشمنوں کو قتل کرو اور وہ تم کو قتل کریں اس سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا ضور بتائیں آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ جبکہ ابوسعیدؓ کی اسی روایت میں کثرت ذکر کے الفاظ ہیں۔ [1]

عام حالت اور ہر وقت کے اعتبار سے ذکر سب سے افضل عمل ہے۔ بعض وقتی ضرورت کے اعتبار سے جہاد وغیرہ سب سے افضل ہو جاتے ہیں باقی اعمال کی وقتی ضرورتوں کے تحت افضلیت ہو جاتی ہے مگر ذکر کی افضلیت اور اہمیت اس وجہ سے زیادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پاک ذکر دائمی چیز ہے۔ تمام عبادات مثلاً نماز روزہ، حج، جہاد صدقہ، تلاوت اور اخلاق حسنہ وغیرہ اسی وقت مقبول

---

[1] (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی)

اعمال کے درجے میں آتے ہیں جب یہ نور اخلاص سے مزین ہوں یعنی اعمال کی قیمت اور مقبولیت اخلاص پر مبنی ہے اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اخلاص کا دارو مدار قلب کے تزکیہ اور صفائی پر مبنی ہے۔قلب کی غیر اللہ سے سلامتی اور اس کا انوارات الٰہیہ سے منور اور ذاکر ہونا ذکر سے مشروط ہے۔ جیسا کہ حضور پر نور ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ ہر چیز کے لیے صاف کرنے والی اور میل کچیل دور کرنے والی چیز ہوتی ہے اور دلوں کی صفائی کرنے والی چیز اللہ تعالی کا ذکر ہے اور کوئی چیز اللہ تعالی کے ذکر سے بڑھ کر عذاب سے بچانے والی نہیں۔اس حدیث سے قلب کی صفائی اور تزکیہ کا علاج ذکر بتایا گیا ہے۔لہذا ذکر کا افضل ہونا سب عبادات سے ثابت ہوا کیونکہ عبادت کی روح اخلاص ہے اور اخلاص کی نعمت ذکر اور اولیاء کے سینہ کے انوارات سے حاصل ہوتی ہے۔یعنی اللہ تعالی کا ذکر اور اولیاء اللہ کی صحبت اخلاص کے حاصل کرنے کا واحد ہی راستہ ہے جس پر امت مسلمہ کے آئمہ مفسرین ومحدیثین کا اتفاق ہے۔

اس حدیث میں جو کثرت ذکر بیان ہوا اس سے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقیؒ کے نزدیک ذکر قلبی ہوسکتا ہے ورنہ زبانی ذکر سے کثرت ممکن نہیں صرف قلبی ذکر ہمہ جاری رہنے کی وجہ سے کثرت کے حکم میں آتا ہے۔

علامہ شیخ محمد زکریا دیوبندی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے مراد ذکر قلبی ہے نہ کہ زبانی ذکر۔اور ذکر قلبی یہ ہے کہ دل ہر وقت اللہ لے ساتھ وابستہ ہو جائے اور اس میں کیا شک ہے کہ یہ حالت ساری عبادتوں سے افضل ہے۔اس لیے کہ جب یہ حالت ہو جائے تو پھر کوئی عبادت چھوٹ ہی نہیں سکتی کہ سارے اعضاء ظاہرہ و باطنہ دل کے تابع ہیں۔جس چیز کے ساتھ دل وابستہ ہو جاتا ہے سارے اعضاء اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ [1]

[1] (تبلیغی نصاب)

حضرت سلمانؓ سے کسی شخص نے پوچھا کہ سب سے بڑا عمل کیا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ تو نے قرآن مجید نہیں پڑھا۔ قرآن مجید میں آیا ہے: وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔[1]

ترجمہ: اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔

یعنی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے ذکر سے افضل نہیں ہے۔ صاحب مجالس الابرار اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ذکر صدقہ، جہاد اور دوسری ساری عبادات سے افضل اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی ہے اور ساری عبادتیں اس کا ذریعہ اور آلہ ہیں۔

حضرت غوث صمدانی شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ تم ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کیونکہ ذکر تمام نیکیوں کا جامع ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں کہ مشائخ کی زبان میں ذکر سے مراد لا الہ الا اللہ، یا الا اللہ، سری یا جہری اور تمہارا دل ایک ہی ہے لہذا دوست بھی ایک ہی کافی ہے یعنی اس اللہ تعالیٰ ہی کا ذکر دل میں ہونا چاہیے۔

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ اگر ایک شخص کے پاس بہت سے روپے ہوں اور وہ ان کو تقسیم کر رہا ہو اور دوسرا شخص اللہ کے ذکر میں مشغول ہو تو ذکر کرنے والا افضل ہے۔[2]

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزانہ بندوں پر صدقہ ہوتا ہے رہتا ہے اور ہر شخص کو اس کی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ عطا ہوتا ہے لیکن کوئی عطا اس سے بڑھ کر نہیں کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی توفیق ہو جائے۔ ذکر کی اہمیت اس حدیث سے بھی ظہر ہوتی ہے جس میں آیا ہے کہ اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جو اللہ کے ذکر کے واسطے چاند سورج ستارے اور سایہ کی تحقیق رکھتے

---

[1] (سورۃ العنکبوت، پ۲۱، آیت نمبر۴۵)، [2] (طبرانی)

ہیں۔حدیث بارکہ میں آیا ہے کہ زمیں کے جس حصہ پر اللہ کا ذکر کیا جائے وہ نیچے ساتوں زمینوں تک دوسرے حصوں پر فخر کرتا ہے۔

ذاکر ہمیشہ زندہ ہوتا ہے

قلبی طور پر ذاکر ہونے والے مومنوں کو باطنی زندگی عطا ہوتی ہے کہ ان کے لطائف ہر وقت اللہ تعالی کا ذکر کرتے رہتے ہیں لہذا ذاکرین کو ان کی باطنی حیات نے زندہ بنا دیا ان کو یہ دائمی زندگی ذکر اور صالحین کی نورانی توجہات سے حاصل ہوئی۔

حضرت خواجہ محمد معصوم فاروقی مجددیؒ کے فرمان کے مطابق یہ باطنی زندگی تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے نتیجہ میں فنا و بقا سے سرفراز ہونے والے مومنوں کو عطا کر دی جاتی ہے۔جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ کیا ایسا نہیں ہے کہ جو شخص مردہ تھا پس ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کے لیے ایک نور بنایا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔یہ حیات باطنی کی طرف اشارہ ہے جو بندہ مومن کو قرب و معرفت کے انوار کے ساتھ متصف کرتی ہے۔یہ دائمی زندگی ایمان حقیقی حاسل ہونے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔[1]

سیدنا حضور پرنور ﷺ کی حدیث مبارکہ میں بھی ذاکرین کے خصوصی زندگی کی بشارت ہے۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص اللہ تعالی کا ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا دونوں کی مثال زندہ اور مردے کی سی ہے۔ذکر کرنے والا زندہ ہے اور ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے۔[2]

ہر شخص زندگی کو پسند کرتا ہے اور مرنے سے نفرت کرتا ہے مگر یہ ظہری زندگی بھی موت کے

---

[1] (مکتوبات معصومیہ)، [2] (بخاری، مسلم، مشکوۃ)

حکم میں ہے اگر اس میں ذکر سے محرومی ہو تو۔ جس طرح موت انسان کو بے کار کر دیتی ہے بالکل اسی طرح غفلت والی زندگی بھی بے فائدہ اور بے کار ہے گویا کہ یہ زندگی موت کے مترادف ہے۔ بعض علماء نے اس کا مفہوم اس طرح بھی کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کو جو تکلیف دیتا ہے وہ ایسا ہے کہ جیسے کسی زندہ کو تکلیف دے رہا ہے اس لیے اس سے بدلہ اور انتقام لیا جائے اس طرح غافل کو تکلیف دینے والا ایسا ہے جیسے کسی مردے کو تکلیف دے رہا ہے۔ یعنی ذاکرین اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگ ہیں ان کو ستانا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں جیسا کہ شیخ زکریا فرماتے ہیں صوفیاء کرام کے نزدیک کثرت ذکر سے درجہ اخلاص کو پالینے کے بعد ذاکرین کو ہمیشہ کی زندگی عطا کر دی جاتی ہے ایسے لوگ مرتے ہی نہیں بلکہ اس دنیا سے منتقل ہو جانے کے بعد بھی زندوں کے حکم میں ہی رہتے ہیں جیسے قرآن پاک میں شہید کے متعلق وارد ہوا ہے وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اسی طرح ان ذاکرین کے لیے بھی ایک خاص قسم کی زندگی ہے۔ [۱]

مفسر قرآن حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددی چار انعام یافتہ گروہوں کو فنا و بقا کے بعد تجلیات ذاتیہ کی نعمت سے دائمی زندگی عطا کر دی جاتی ہے انبیاء کرام کو بلا واسطہ تجلیات ذاتیہ یعنی کمالات نبوت حاصل ہوتے ہیں اور صدیقوں کو انبیاء کی وساطت سے انکے نقش قدم پر چلنے کی وجہ سے تجلیات ذاتیہ بغیر حجات صفات کے حاصل ہوتی ہیں اور وہ ہر وقت دوامی تجلیات ذاتیہ میں غرق رہتے ہیں جبکہ شہداء کو تجلیات ذاتیہ کا ایک مخصوص حصہ حاصل ہوتا ہے۔ عمومی اور دوامی تجلیات شہداء پر فائض نہیں ہوتیں بلکہ نورانیت کی ایک مخصوص شعاع ان پر پرتو انداز ہوتی ہے مگر یہ تجلی بھی ذاتی ہوتی ہے اور صالحین یعنی اولیاء کرام کو جو فنا ذاتی اور بقا باللہ کے مقام کو پہنچ چکے ہوتے ہیں ان کو ذاتی تجلی کا جو حصہ ملتا ہے وہ صفات کی اوٹ سے ہوتا ہے براہ راست نہیں ہوتا۔ [۲]

---

[۱] (تبلیغی نصاب)، [۲] (تفسیر مظہری)

قابل افسوس بات ہے کہ بعض فرقے ایک تجلی سے زندگی پانے والے شہداء کو زندہ تسلیم کرتے ہیں جبکہ عمومی اور دوامی تجلیات حاصل کرنے والے حضرات انبیاء کرام صدیقین اور اولیا اللہ کی زندگی کا انکار کرتے ہیں۔ اہلسنت والجماعت کے نزدیک انبیاء صدیقین شہداء اور اولیاء کی زندگی قرآن وحدیث سے ثابت شدہ اور ان کا اس پر اجماع ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں جو لوگ اللہ کے راستہ میں شہید ہو جائیں ان کو مردہ نہ کہو۔ میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ یہ حیات شہید ہی کو عطا نہیں ہوئی بلکہ آثار اور احکام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام میں یہ حیات سب سے زیادہ ہے یہاں تک کہ اس کا اثر خارج میں یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات سے آپ کی ظاہری وفات کے بعد نکاح جائز نہیں بخلاف شہید کے کہ اس کی زوجہ سے نکاح جائز ہے اور صدیق اس حیات میں شہداء سے اعلی درجہ میں ہیں اور صالحین یعنی اولیاء شہداء سے کم ہیں لیکن ان کے ساتھ ملحق ہیں۔ شہدا کا زندہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی ارواح کو جسم کی سی قوت اللہ نے عطا فرمائی کہ وہ اس سے زمین وآسمان جنت سب جگہ سیر کرتے ہیں اور اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اور اسی حیات کی وجہ سے زمین ان کے بدن اور کفن کو نہیں کھاتی۔ اسی واسطے صوفیہ کرام نے فرمایا کہ ہماری ارواح ہمارے بدن ہیں اور ہمارے بدن ہماری ارواح ہیں اور سینکڑوں ہزاروں معتبر حکایتیں ایسی ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء دوستوں کی اعانت کرتے ہیں اور دشمنوں کو ہلاک وتباہ کرتے ہیں اور جس کو اللہ تعالی کی طرف حکم ہوتا ہے اس کو اللہ کی راہ دکھاتے ہیں۔

انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے بدن کو زمین نہیں کھاتی۔ [1]

---

[1] (تفسیر مظہری)

حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ زمین اس شخص کے بدن پر قابو نہیں پا سکتی جس نے بالکل گناہ نہ کیا ہو میں کہتا ہوں ممکن ہے اس سے مراد اولیاء اللہ ہوں کیونکہ ااولیاء اللہ کے قلوب اور اجسام میں ایسی صلاحیت آجاتی ہے کہ ان سے گناہ کا صدور نہیں ہوسکتا۔ [1]

حضرت شیخ حاجی امداداللہ مہاجر مکی فرماتے ہیں کہ "چاہیے کہ غرور نہ کرے اپنے آپ کو اچھا نہ سمجھے اور اولیاء و مشائخ کی قبروں کی زیارت سے مشرف ہوا کرے اور فرصت کے وقت ان کی قبروں پر آ کر روحانیت سے ان کی طرف متوجہ ہو اور ان کی حقیقت کو مرشد کی صورت میں خیال کر کے فیض حاصل کرے"۔ [2]

حضرت شیخ امداداللہ مہاجر مکیؒ کے قبروں پر حاضر ہونے اور اولیاء کو مرشد تصور کرنے اور ان کے وجود سے فیض حاصل کرنے کے حکم سے اولیا اللہ کے جسموں کے قبروں میں محفوظ ہونے اور ان کے سینوں میں انوارات و فیوضات کے موجود ہونے اور ان فیوضات کو باہر بیٹھے ہوئے روحانی طالب کو توجہ کے ذریعے پہنچانے کی قوت حاصل ہونے پر بطور دلیل پیش کیا گیا ہے۔ یہ سب جو بیان کیا گیا ہے ذاکرین کے زندہ ہونے پر ثبوت ہے۔

حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب فتوح الغیب کی شرح میں لکھا ہے کہ بعض خاص کامل اولیاء کی طرف حیات معنوی کے وجود کے ساتھ امداد و اعانت باقی ہے۔ کچھ لوگ دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی لوگوں میں زندہ ہوتے ہیں کیونکہ جس کا دل عشق سے زندہ ہو گیا وہ ہر گز نہیں مرتا۔

حضرت امام ربانی قیوم زمانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی اولیاء کی روحانی زندگی جو مرنے

---

[1] (تفسیر مظہری)، [2] (کلیات امدادیہ صفحہ ۷۲)

کے بعد ہوتی ہے اس کے بارے میں فرماتے ہیں: "میرے مخدوم! روح کا ایسے افعال کا اختیار کرنا اور کرگزرنا جو اجسام کے افعال کے مناسب ہیں جیسے دشمنوں کو ہلاک کرنا اور دوستوں کی مدد کرنا وغیرہ اسی قسم سے ہے"۔ [1]

وہ گھر بھی ویران ہے جہاں ذکر نہ ہوتا ہو جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے جس گھر میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے اور جس گھر میں ذکر نہیں ہوتا ان کی مثال ایسے ہے جیسے زندہ اور مردہ۔ [2]

حضرت قیوم زمانی خواجہ محمد معصوم مجددی فرماتے ہیں کہ یہ جو حکم آتا ہے کہ مُوتُوا قَبْلَ ان تُمُوتُوا، مرنے سے پہلے مرجاؤ اس موت سے مراد فنا نفس ہے جس کے بعد بقا کی بشارت ہے۔

قرآن حکیم میں آتا ہے کیا ایسا نہیں کہ جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا۔ کی خوشخبری عاشق حق کے لیے ہے جس کے بارے میں حدیث میں آتا ہے: مَنْ قَتَلْتُه‘ فَاَنَا دِیَّتُه‘، جس کو میں قتل کرتا ہوں اس کی دیت میں خود ہوں۔ یہ حیات جو اس موت کے بعد ہے اللہ کے فضل سے زوال پزید نہیں چونکہ یہ عطیہ ہے اس لیے موت اس کو اٹھا نہیں سکتی یہ موت صورت موت ہے حقیقت موت نہیں۔ یہ اولیاء مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوتے ہیں۔ [3]

ذکر سے محرومی قابل افسوس ہے

جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے عشق و محبت کا غلبہ ہوتا ہے ان کو ذکر سے بھی پیار ہوتا ہے ایسے خوش نصیب لوگ ذکر کے رہ جانے پر افسوس کرتے ہیں۔ یہ تو دنیا کا بھی اصول ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے اس کے تذکرے سے انسان خوش ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں آیا ہے کہ مومن لوگ اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بندہ مومن اللہ تعالیٰ کے ذکر میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ اہل

[1] (مکتوبات امام ربانی جلد دوم)، [2] (مسلم)

جنت کو بھی آخرت میں ان لمحات پر افسوس ہو گا جو بغیر ذکر کے گزر گئے تھے۔ جیسا کہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ جنت میں جانے کے بعد اہل جنت کو دنیا کی کسی چیز کا بھی قلق و افسوس نہیں ہو گا بجز اس گھڑی کے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر گزر گئی ہو۔[1]

جب مومن بندے جنت میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پہنچ جائیں گے تو وہاں جب ذکر کے سبب درجات کی بلندی اور ذکر کے بدلے پہاڑوں کے برابر اجر و ثواب دیکھیں گے تو اس وقت اس نقصان پر افسوس محسوس کریں گے جو ذکر نہ کرنے کی وجہ سے اپنے اوقات ضائع کرنے پر ہو گا۔ عقل مند لوگ آج اپنی زندگی کے لمحات کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں گزارتے ہیں اور ایک سانس بھی ذکر کے بغیر نہیں جانے دیتے جیسا کہ حضرت سریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جرجانیؒ کو دیکھا کہ ستو پھانک رہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ خشک ہی پھانک رہے ہو۔ وہ فرمانے لگے میں نے روٹی چبانے اور ستو پھانکنے کا جب حساب لگایا تو مجھے معلوم ہوا کہ روٹی کھانے پر اتنا زیادہ وقت لگتا ہے جتنی دیر میں انسان ستر (۷۰) مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکتا ہے اس لیے میں نے چالیس سال (۴۰) سے روٹی کھانا چھوڑ دی ہے۔

اسی طرح حضرت منصور بن معتمر کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے چالیس سال تک عشاء کے بعد کسی سے بات نہیں کی بلکہ ذکر میں اپنے اوقات گزارتے تھے۔

حضرت یحییٰ رازی ان الفاظ میں دعا کیا کرتے تھے: یا اللہ رات اچھی نہیں لگتی مگر تجھ سے التجا کے ساتھ اور دن اچھا نہیں معلوم نہیں ہوتا مگر تیری عبادت کے ساتھ اور دنیا اچھی معلوم نہیں ہوتی مگر تیرے ذکر کے ساتھ اور آخرت بھلی نہیں مگر تیری معافی کے ساتھ اور جنت میں مزہ نہیں مگر تیرے دیدار کے ساتھ۔

[1] (طبرانی، بیہقی)

جب خوش بخت مومنوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی بارش برستی ہے تو ان کو قلبی روحی اور نفسی ذکر کی باطنی نعمت عطا کر دی جاتی ہے جس خاص عطا سے ان مومنوں کے تمام لطائف دائمی طور پر ذاکر ہو جاتے ہیں۔ یہی لطائف کا ذکر کثرت ذکر کے معنی کو پورا کرنے والا ہوتا ہے۔ ایسے خوش نصیب مومنوں کے تمام اوقات دن رات سوتے جاگتے ذکر میں شمار ہوتے ہیں اس نعمت کو حاصل کرنے کے لیے کسی ولی کامل کی تلاش ضروری ہوتی ہے۔ اگر ایسا کوئی ولی کامل میسر آ جائے تو انسان اوقات غفلت پر افسوس سے بچ سکتا ہے۔ اس لطائف کے باطنی ذکر سے صرف اہل معرفت و حقیقت واقفیت رکھتے ہیں جبکہ عام عوام و علماء لطائف کے ذکر کی حقیقت سے آگاہی نہیں رکھتے لطائف کے ذکر کی نعمت سرور کائنات احمد مجتبیٰ ﷺ کے سینہ اطہر سے نور چینی اور فیض یابی حاصل کرنے والے خاص مومن بندوں کو عطا ہوتی ہے یہ خاص مومن بندے بارگاہ رسالت مآب کے اسیر اور راز دار ہوتے ہیں۔ مسلمان کو اپنے اوقات کو غفلت میں ضائع نہیں کرنا چاہیے اور جس درجے کا بھی ذکر کرنے کی توفیق اسے ملے غنیمت جاننا چاہیے ذکر ہر وقت جاری رکھنا چاہیے خواہ وہ زبانی ہو یا قلبی۔

اللہ تعالیٰ کا ذاکرین پر فخر فرمانا

فرشتے اللہ تعالیٰ کی خلافت کی ذمہ داری کی صلاحیت سے محروم تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک جامع تخلیق یعنی انسان کو پیدا فرمانے کا ارادہ فرمایا اس وقت فرشتوں نے کہا تھا یہ انسان زمین میں فساد اور خون ریزی کرے گا۔ اب جب انسان کامل جب ہر لحاظ سے اطاعت و بندگی کا نمونہ پیش کرتے ہیں تو ان پر اللہ تعالیٰ رب العزت فخر فرماتے ہیں۔ فرشتے اگرچہ سراپا عبادت و بندگی ہیں لیکن ان میں معصیت و نافرمانی کا مادہ بھی نہیں ہے جبکہ انسان میں اطاعت اور معصیت کے دونوں مادے موجود ہیں۔ انسان کو غفلت اور نافرمانی کے اسباب گھیرے ہوئے ہیں۔ شہوتیں، لذتیں، حرصیں اس کا جزو ہیں اس لیے ان کی موجودگی میں ان کا مقابلہ کر کے عبادت و اطاعت اور ذکر میں

مشغولیت قابل مدح وستائش ہے۔

حضرت ابوھریرۃؓ اور حضرت ابو سعیدؓ دونوں اس کی گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے حضور ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا جو جماعت اللہ تعالی کے ذکر میں مشغول ہو فرشتے اس جماعت کو سب طرف سے گھیر لیتے ہیں اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور سکینہ ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالی ان کا تذکرہ اپنی مجلس میں تفاخر کے طور پر فرماتے ہیں۔ [1]

اسی طرح حضرت ابوذرؓ نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ میں تجھے تقوی کی وصیت کرتا ہوں کہ تمام چیزوں کی جڑ ہے اور قرآن مجید کی تلاوت اور اللہ کے ذکر کا اہتمام کر کہ اس سے آسمانوں میں تیرا ذکر ہوگا۔ اور زمین میں نور کا سبب بنے گا۔ اکثر اوقات چپ رہا کر کہ بھلائی بغیر کوئی کلام نہ ہو۔ یہ بات شیطان کو دور کرتی ہے اور دین کے کاموں میں مددگار ہوتی ہے زیادہ ہنسی سے بچتا رہ کہ اس سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور جہرہ کا نور بھی جاتا رہتا ہے۔ جہاد کرتے رہنا کہ میری امت کی فقیری یہی ہے۔ مسکینوں سے محبت کرنا اس کے پاس اکثر بیٹھتے رہنا اور اپنے سے کم حیثیت لوگوں پر نگاہ رکھنا اور اپنے سے اونچے لوگوں پر نگاہ نہ رکھنا کہ اس سے اللہ تعالی کی نعمتوں کی ناقدری پیدا ہوتی ہے جو اللہ تعالی نے تجھے عطا فرمائی ہیں۔ قرابت والوں سے تعلقات جوڑنے کی فکر کرنا وہ اگر چہ تجھ سے تعلقات توڑیں۔ حق بات کہنے میں تردد نہ کرنا گو کسی کو کڑوی لگے۔ اللہ تعالی کے معاملہ میں کسی ملامت کی پروانہ کرنا۔ تجھے اپنی عیب بینی دوسروں پر نظر نہ کرنے دے اور جس عیب میں تو خود مبتلا ہو اس پر دوسروں پر غصہ نہ کرنا اے ابوذر حسن تدبیر سے بڑھ کر کوئی عقلمندی نہیں اور ناجائز امور سے بچنا بہترین پرہیز گاری ہے اور خوش خلقی کے برابر کوئی شرافت نہیں۔ [2]

---

[1] (مسلم، ترمذی، ابن ماجہ)، [2] (طبرانی فی جامع الصغیر)

حضرت امام نوویؒ سکینہ کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ یہ کوئی ایسی مخصوص چیز ہے جو طمانیت اور رحمت وغیرہ سب کو شامل ہے اور ملائکہ کے ساتھ اترتی ہے۔

اللہ تعالی رب العزت نے ذاکرین کو کتنا اعزاز اور شان بخشی ہے کہ ان کے پاس فرشتوں کو روانہ فرماتا ہے اس سے اللہ تعالی کی ذاکرین سے محبت وعزت کا اندازہ ہوتا ہے۔ فرشتوں کی ایک جماعت خاص ہے جو جس کی یہ ڈیوٹی اور ذمہ داری ہے کہ جس جگہ اللہ کے ذکر کی مجالس ہوں یا اللہ تعالی کا ذکر کیا جارہا ہوا سے سننے کے لیے جمع ہو جائیں۔ ذاکرین کے پاس فرشتوں کو بھیجنے کے بارے میں ایک حدیث مبارکہ ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت متفرق طور پر پھرتی رہتی ہے اور جس جگہ اللہ تعالی رب العزت کے ذکر کو سنتی ہے اپنے ساتھیوں کو آواز دیتی ہے کہ آجاؤ اس جگہ تمھارا مقصود اور غرض موجود ہے اور پھر جمع ہو کر آسمانوں تک ان کا حلقہ پہنچ جاتا ہے۔

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ صحابہؓ کی ایک جماعت کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا کس بات نے تم کو یہاں بٹھایا ہے عرض کیا اللہ تعالی کا ذکر کر رہے ہیں اور اس بات پر اس کی حمد وثنا کر رہے ہیں کہ اس نے ہم لوگوں کو اسلام کی دولت سے نوازا یہ اللہ تعالی کا بڑا ہی احسان ہم پر ہے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کیا خدا کی قسم صرف اسی وجہ سے بیٹھے ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا اسی وجہ سے بیٹھے ہیں۔ حضور پر نور ﷺ نے فرمایا کسی بدگمانی کی وجہ سے میں نے تم کو قسم نہیں دی بلکہ حضرت جبرائیل میرے پاس ابھی آئے تھے اور یہ خبر سنا گئے کہ اللہ تعالی تم لوگوں کی وجہ سے فرشتوں پر فخر فرمارہے ہیں۔

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ فخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ دیکھو یہ لوگ باوجودیکہ نفس ان کے ساتھ ہے۔ شیطان ان پر مسلط ہے۔ شہوتیں ان میں موجود ہیں دنیا کی ضرورتیں ان کے ساتھ ہیں ان سب چیزوں کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہیں اور اتنی کثرت سے ہٹانے والی چیزوں کے باوجود میرے ذکر سے محبت کرتے ہیں جبکہ فرشتوں کو ذکر و تسبیح سے روکنے والی کوئی چیز موجود نہیں لہٰذا ذاکرین فرشتوں کے مقابلہ میں قابل فخر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر عذاب قبر سے بچاتا ہے

اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بے شمار دنیا و آخرت میں فائدے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر قبر کی وحشت اور عذاب سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔ حضرت معاذ بن جبل روایت کرتے ہیں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بڑھ کر کسی آدمی کا کوئی عمل عذاب قبر سے زیادہ نجات دینے والا نہیں ہے۔[1]

عذاب قبر سے متعلق احادیث مبارکہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ قبر کا عذاب کتنی سخت چیز ہے جیسا کہ سیدنا حضرت عثمانؓ جب کسی قبر پر تشریف لے جاتے تو اس قدر روتے تھے کہ داڑھی مبارک تر ہو جاتی۔ کسی نے پوچھا آپ جنت دوزخ کے ذکر سے اسطرح نہیں روتے جیسا کہ قبر کے سامنے آ جانے سے روتے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے جو شخص اس سے نجات پالے گا بعد کی سب منزلیں اس پر آسان ہو جائیں گی جو اس سے نجات نہ پا سکے گا بعد کی منازل اس پا مشکل ہوں گی۔ پھر آپؓ نے حضور اقدس ﷺ کا فرمان مبارک سنایا کہ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ میں کوئی منظر قبر سے زیادہ گھبراہٹ والا نہیں دیکھا۔

---

[1] (مسکوۃ، طبرانی)

یہی وجہ ہے کہ حضرت سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سیدنا حضور اکرم ﷺ ہر نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے۔

حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کا مبارک فرمان ہے کہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ تم ڈر اور خوف کی وجہ سے مردوں کا دفن کرنا چھوڑ دو گے ورنہ اس کی دعا کرتا کہ اللہ تعالیٰ رب العزت تمھیں بھی عذاب قبر سنا دے آدمیوں اور جنات کے علاوہ باقی جاندار عذاب قبر سنتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ سفر پر تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ ﷺ کی اونٹنی بدکنے لگی۔ کسی نے عرض کی آپ ﷺ کی اونٹنی کو کیا ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی کو قبر کا عذاب ہو رہا ہے اس شخص کی آواز سے بدکنے لگی۔

ایک دفعہ سرور کائنات ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے تو چند لوگوں کو دیکھا کہ وہ کھلکھلا کر ہنس رہے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم موت کو کثرت سے یاد کرو تو یہ بات نہ ہو کیونکہ کوئی دن قبر پر ایسا نہیں ہوتا جس میں وہ یہ اعلان نہ کرتی ہو کہ میں غربت کا گھر ہوں۔ تنہائی کا گھر ہوں۔ کیڑوں اور جانوروں کا گھر ہوں۔ جب کوئی بندہ مومن دفن ہوتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے تیرا آنا مبارک ہو تو نے آ کر بہت ہی اچھا کیا جتنے لوگ میری پشت پر چلتے تھے تو اس سب میں سے مجھے بہت محبوب تھا۔ آج تو میرے سپرد ہوا تو میرا احسن سلوک بھی دیکھے گا اس کے بعد وہ اس کے بعد قبر اتنی وسیع ہو جاتی ہے کہ منتہائے نظر تک کھل جاتی ہے اور جنت کا ایک دروازہ اس میں کھل جاتا ہے جس سے وہاں کی خوشگوار ہوائیں خوشبوئیں آتی رہتی ہیں اور جب کافر یا گناہ گار دفن کیا جاتا ہے تو قبر کہتی ہے تیرا آنا منحوس اور نا مبارک ہے آج تو میرے حوالے ہوا ہے تو میرا معاملہ بھی دیکھے گا اس کے بعد اس کو اس

قدر زور سے دباتی ہے کہ پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں جس طرح ہاتھ میں ہاتھ ڈالنے سے انگلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں اس کے بعد نوے (۹۰) یا ننانوے (۹۹) بڑے سانپ اس پر مسلط ہو جاتے ہیں جو اس کو کاٹتے رہتے ہیں اور قیامت تک یہی ہوتا رہے گا۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر ایک بڑا سانپ (اژدہا) بھی ان میں سے زمین پر پھنکار ماردے تو قیامت تک زمین میں گھاس نہ اگے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قبر یا جنت کا ایک باغ ہے یا دوزخ کا ایک گڑھا ہے۔

حضور ﷺ کا دو قبروں پر گزر ہوا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے ایک کو چغل خوری کے جرم میں دوسرے کو پیشاب کی احتیاط نہ کرنے یعنی جسم کو پیشاب لگنے سے بچاتا نہیں تھا۔ علماء نے پیشاب سے نہ بچنے کو گناہ کبیرہ بتایا ہے۔

حضرت ابن حجر مکی فرماتے ہیں کہ روایت میں آیا ہے کہ اکثر عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے۔

عذاب قبر سے بچنے کے لیے بہترین چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ انسان کو ذرا غور کرنا لازمی ہے کہ کوئی شخص آج تک ایسا نہیں ہوا جو زندگی کے بعد مرا نہ ہو۔ اگر مرنا ایک حقیقت ہے تو اس طرح قبر میں جانا بھی اور عذاب کا سامنا کرنا کتنا مشکل نظر آتا ہے لہذا عقل مند مسلمان وہی ہے جو اپنے آپ کو اس دردناک عذاب سے بچالے۔ انسان عزم کرلے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کو اپنا معمول بنا سکتا ہے جب ہر وقت ذکر میں مشغول ہوگا تو باقی عبادات مثلاً نماز، روزہ حج، زکوۃ جہاد کو ادا کرنے کے لیے اسے روحانی قوت ملے گی اور وہ سب اعمال اللہ تعالیٰ کے فضل سے آسانی سے سرانجام دے

دے گا۔ مسلمان اگر آخرت کی کچھ فکر کرے تو ذکر جیسے آسان کام سے بہت بڑی بہتری اور کامیابی کی طرف بڑھ سکتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان ہوتے ہوئے اپنے خالق و مالک کے ذکر سے دور ہے تو اس شخص کی مسلمانی کس درجہ میں ہے ایسے مسلمان کو بدبختی کا احساس کرنا چاہیے اور اپنے مہربان رب کو کسی لمحے بھی نہیں بھولنا چاہیے جس طرح دنیا کے کسی نقصان سے بچنے کی ہم احتیاطیں اختیار کرتے ہیں اس سے بڑھ کر ہم کو آخرت میں عذاب سے بچانے والی چیزوں کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے سورۃ تبارک الذی ہر رات کو پڑھنے والا عذاب قبر سے نجات پاتا ہے۔

ذاکرین عقلمند لوگ ہیں

دنیا میں لوگوں نے عقلمندی کے مختلف معیار رکھے ہوئے ہیں۔ بعض لوگ امراء اور حکمرانوں کو عقلمند سمجھتے ہیں بعض لوگ امیروں اور دولت مندوں کو عقلمند سمجھتے ہیں بعض لوگ چالبازوں اور منافقوں کو عقلمند سمجھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ رب العزت اور اس کے محبوب حضور نبی کریم ﷺ کا عقلمندی کا معیار ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں لذت اور ذوق پانے والے لوگ حقیقی عقل مند ہیں جو دنیا کی لذتوں اور عیش و عشرت کے بجائے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مست رہتے ہیں۔

سرور کائنات ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ قیامت کے دن ایک آواز دینے والا آواز دے گا کہ عقلمند لوگ کہاں ہیں۔ لوگ پوچھیں گے عقلمندوں سے مراد کون لوگ ہیں جواب ملے گا عقلمند لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔ کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہوئے (یعنی ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے تھے) اور آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے میں غور کرتے تھے اور کہتے تھے یا اللہ آپ نے سب بے فائدہ تو نہیں کیا ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے اس کے بعد

ان لوگوں کے لیے ایک جھنڈا بنایا جائے گا جس کے پیچھے یہ سب جائیں گے اور ان سب سے کہا جائے گا ہمیشہ کے لیے جنت میں داخل ہو جاؤ۔

اس حدیث مبارکہ سے ذکر کرنے والے لوگوں کو عقلمند ہونا ثابت ہوتا ہے دراصل اس حدیث میں ذاکرین اولیاء کا بیان ہے جو ذکر اور مراقبہ میں مصروف رہتے ہیں محدیثین فرماتے ہیں زمین و آسمان کے بارے میں غور وفکر سے مراد اولیاء اللہ کا مراقبہ ہے۔ان لوگوں کو اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

(مراقبہ کے موضوع پر وضاحت باب مراقبہ میں انشاء اللہ آئے گی)۔

خاص اوقات میں ذکر کرنا

اللہ تعالی کا ذکر ہر وقت کیا جا سکتا ہے اس کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں۔ مسلمان کی بندگی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اپنے کریم رب کو ہر وقت ذکر کر کے یاد کرتا رہے مگر بعض اوقات ایسے ہیں جن کو اللہ تعالی کے ذکر میں بڑی اہمیت حاصل ہے ان اوقات میں اللہ تعالی کا ذکر کرنا اس مہربان رب کو بہت پسند ہے۔لہذا مومن کی پسند بھی وہی ہونی چاہیے جو اللہ تعالی اور اس کے پیارے محبوب ﷺ کی پسند اور چاہت ہے۔

سیدنا حضور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی رب العزت کا پاک ارشاد ہے کہ تو صبح کی نماز کے بعد اور عصر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر مجھے یاد کر لیا کر۔ میں درمیانی حصہ میں تیری کفالت کروں گا۔

ایک حدیث میں اسطرح بھی ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو وہ تیری مطلب براری میں مدد گار ہوگا۔

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ میں ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھوں جو صبح کی نماز کے بعد آفتاب نکلنے تک اللہ کے ذکر میں مشغول ہو مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ چار عربی غلام آزاد کروں اسی طرح ایسی جماعت کے ساتھ بیٹھوں جو عصر کی نماز کے بعد سے غروب تک اللہ کے ذکر میں مشغول رہے یہ زیادہ پسند ہے چار غلام آزاد کرنے سے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص صبح کی نماز کے بعد سے آفتاب نکلنے تک اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے اور پھر دو رکعت نماز پڑھے اس کو ایسا ثواب ملے گا جیسا کہ حج اور عمرہ پر ملتا ہے اور حج اور عمرہ بھی وہ جو کامل ہو۔

حضور اکرم ﷺ صبح اور عصر کے اوقات میں ذکر کو بہت پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے میں ایک جماعت کے ساتھ صبح کی نماز کے بعد سے آفتاب نکلنے تک ذکر میں مشغول رہوں یہ مجھے دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے محبوب ہے اسی طرح عصر کے بعد ذاکرین کی جماعت کے ساتھ بیٹھنا غروب تک مجھے دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے محبوب و پسندیدہ ہے۔ قرون اولیٰ سے لیکر آج اولیاء اللہ صبح کے بعد سورج نکلنے تک اور عصر کے بعد مغرب تک خصوصی اذکار کا بندوبست کرتے ہیں۔ عصر کے بعد صوفیہ اپنے اپنے سلاسل کے ختم خواجگان باقاعدگی سے کرتے ہیں اور بہت زیادہ فیوضات و برکات سمیٹتے ہیں۔

اس وقت کی خاص اہمیت کے پیش نظر حضور اکرم ﷺ نے حضرت سیدہ طاہرہ فاطمہ زہرہؓ کو صبح کی نماز کے بعد سونے سے منع فرمایا۔

چنانچہ فقہا کرام میں سے حضرت امام مالکؒ سے مدونہ میں نقل کیا گیا ہے فجر کی نماز کے بعد سورج نکلنے تک باتیں کرنا مکروہ ہے اسی طرح صاحب درمختارؒ نے بھی اس وقت باتیں کرنا مکروہ لکھا ہے۔لہذا ان اوقات میں لازمی طور پر ذکر ہمیشہ کرنا چاہیے۔

لا الہ الا اللہ افضل ذکر ہے

انسان کا فطرتی مزاج ہے کہ وہ کسی بھی زندگی کے شعبے میں بہترین چیز کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔مومن بندے جو اللہ تعالی کے ذکر کو ہی اپنا سارا سرمایہ سمجھتے ہیں وہ اللہ تعالی کے قرب میں آگے بڑھنے کی جدوجہد میں دن رات مصروف ہوتے ہیں۔ایسے عاشقوں کے لیے کلمہ طیبہ کا تذکرہ بہترین ذکر طور کیا جاتا ہے۔سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمام اذکار میں افضل ذکر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہے اور تمام دعاؤں میں افضل دعا الحمد للہ ہے۔[1]

سارے دین اسلام کا دارومدار ہی کلمہ توحید پر ہے احادیث مبارکہ میں اس کلمہ کی اتنی افضلیت آئی ہے کہ اب کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی چونکہ یہ کلمہ دین کی اصل ہے اور ایمان کی جڑ ہے اس لیے اس کا جتنا ذکر کیا جائے گا اتنی ہی ایمان کی جڑ مضبوط ہو گی بلکہ دنیا کے وجود کا دارومدار اسی کلمہ پر ہے کیونکہ حدیث کے مطابق اس وقت تک قیامت نہیں ہو سکتی جب تک لا الہ الا اللہ کہنے والا کوئی زمین پر موجود ہو۔

حضرت ملا علی قاری محدث اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ذکروں میں افضل اور سب سے بڑھا ہوا ذکر کلمہ طیبہ ہے کہ یہی دین کی بنیاد ہے جس پر سارے دین کی تعمیر ہے اور یہ وہ کلمہ ہے کہ دین

---

[1] (ابن ماجہ، مشکوۃ، ترمذی)

کی چکی اسی محور کے گرد گھومتی ہے اسی وجہ سے اولیاء اور عارفین روحانی سلوک میں اسی کلمہ کا ذکر اختیار فرماتے ہیں اور سارے اذکار پر اس کو ترجیح دیتے ہیں اور ممکن حد تک اس کلمہ کے ذکر کی کثرت کراتے ہیں بندہ مومن کے سینہ سے اللہ تعالی کے علاوہ ہر چیز غائب ہو جاتی ہے اور بندہ مومن کا باطن اللہ تعالی کے غیر سے آزاد ہو جاتا ہے مشائخ کرام اس کلمہ کے ذکر کو دوسرے نفلی اعمال وقتی طور پر معطل کر دیتے ہیں تا کہ ذکر میں یکسوئی حاصل ہو۔

شیخ مفتی علوان حموی جو کہ ایک عظیم مدرس تھے جب انہوں نے حضرت سید علی بن میمون مغربی کے ہاتھ پر بیعت کی تو سید صاحب نے ان پر خصوصی توجہ فرمائی اور ان کو سارے مشاغل درس وتدریس فتوی وغیرہ سے روک دیا اور سارا وقت ذکر میں مشغول کر دیا اور تلاوت سے بھی روک دیا گیا۔ دنیا دار لوگوں نے سید صاحب پر الزام لگانا شروع کر دیا مگر کچھ عرصہ بعد جب شیخ مفتی علوان حموی پر ذکر کے اثرات ظاہر ہوئے اور دل کا زنگ دور ہو گیا تو پھر سید صاحب نے شیخ کو تلاوت اور نفلی امور کی اجازت دے دی اب شیخ صاحب پر قرآن کے معارف اور انوارات کھلنا شروع ہو گئے۔

سیدنا حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سیدنا موسی علیہ السلام نے اللہ تعالی رب العزت سے عرض کیا مجھے کوئی ذکر عطا کر دیں جس سے آپ کو یاد کیا کروں اور آپ کو پکارا کروں۔ اللہ تعالی کی طرف سے حکم ہوا کہ لا الہ الا اللہ کہا کرو۔ موسی علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب یہ تو ساری دنیا کہتی ہے ارشاد ہوا یہی کلمہ ذکر کیا کرو عرض کیا میرے رب میں تو کوئی خاص چیز مانگتا ہوں جو مجھ کو ہی عطا ہو ارشاد ہوا کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور دوسری طرف لا الہ الا اللہ کو رکھ دیا جائے تو کلمہ طیبہ والا پلڑا جھک جائے گا۔ [1]

---

[1] (نسائی، مشکوۃ)

یہ کلمہ طیبہ عوام اور خواص سب کی ضرورت ہے۔عوام اس سے عمومی فائدہ حاصل کرتے ہیں جبکہ خواص دولت اخلاص سے منور ہونے کی وجہ سے اسی کلمہ طیبہ سے قرب ومعرفت کے انتہائی درجات تک پہنچ جاتے ہیں۔مشائخ کرام نورانی توجہات کے ساتھ اس کلمہ کی کثرت اخلاص پیدا کرنے کے لیے کرواتے ہیں۔

حضرت شیخ زکریا فرماتے ہیں کہ "اخلاص پیدا کرنے کے لیے بھی جس قدر مفید اس کلمہ کی کثرت ہے اتنی کوئی دوسری چیز نہیں اس کلمہ کا نام ہی جلاء القلوب یعنی دلوں کی صفائی ہے اس لیے حضرات صوفیہ اس کا ورد کثرت سے بتاتے ہیں"۔

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ایک مرید نے اپنے شیخ سے عرض کیا ذکر کرتا ہوں مگر دل غافل ہی ہے شیخ نے جواب دیا زبان کے ذکر پر شکر ادا کرو اور دل کے ذاکر ہونے کے ذکر اور دعا جاری رکھو۔

کلمہ گو کے لیے شفاعت

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اقرار سیدنا حضور اکرم ﷺ کی رسالت کی گواہی سے بندہ مسلمان بن جاتا ہے کلمہ گو کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور حضور ﷺ کی شفاعت وسفارش کے دروازے کھل جاتے ہیں یہی وجہ ہے ہر طرح سے گناہوں میں ڈوبا ہوا مسلمان کروڑ ہا درجہ کافر سے بہتر ہوتا ہے۔کیونکہ کافر کے لیے کوئی شفاعت نہیں ہے اور بالکل مغفرت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے ایک مرتبہ حضور نور مجسم ﷺ سے عرض کیا آپ ﷺ کی شفاعت کا سب سے زیادہ نفع اٹھانے والا قیامت کے دن کون شخص ہوگا۔حضور ﷺ نے فرمایا مجھے احادیث پر

تمھاری حرص دیکھ کر یہی گمان تھا کہ اس بات کو تم سے پہلے کوئی دوسرا شخص نہ پوچھے گا پھر حضورﷺ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ سعادت منداور نفع اٹھانے والا میری شفاعت کے ساتھ وہ شخص ہوگا جو دل کے خلوص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہے۔[1]

محدثین نے اس حدیث کی شرح دوطرح سے کی ہے۔

ا۔ اس سے مراد وہ اخلاص سے کلمہ طیبہ پڑھنے والا مسلمان ہے جس کے پاس کوئی نیک عمل نہیں اس سے ایسے مسلمان کا سعادت مند ہونا تو صاف ظاہر کہ اس کے پاس اچھے اعمال موجود نہیں اور شفاعت کی عسادت حاصل ہوتی ہے اور اس کی بخشش کا ذریعہ بنتی ہے۔گویا کلمہ طیبہ کے اقرار کے سبب اسے شفاعت نصیب ہوئی جو اس کی دائمی کامیابی کا وسیلہ بن گئی۔اس کی تائید اس حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے جس میں آپﷺ نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ والوں کے لیے کہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے جہنم میں ڈالے جائیں گے مگر کلمہ کی وجہ سے حضورﷺ کی سفارش ان کو جنت میں داخل کر دے گی۔

۲۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اخلاص سے کلمہ طیبہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور ان کے اعمال بھی بہت اچھے ہوتے ہیں ان لوگوں کی سعادت مندی یہ ہے کہ حضورﷺ کی شفاعت ان کی بخشش اور ترقی درجات کا سبب ہوگی۔

حضرت علامہ عینیؒ فرماتے ہیں حضور اکرمﷺ کی شفاعت وسفارش قیامت کے دن چھ طریقہ سے ہوگی۔

ا۔ آپﷺ کی شفاعت سے روز محشر حساب شروع ہوگا۔اس سے جن وانس مسلم وکافرسب

---

[1] (بخاری)

کا فائدہ ہوگا۔

۲۔ آپ ﷺ کی شفاعت بعض کفار کے حق میں تخفیف عذاب کے لیے ہوگی۔

۳۔ مسلمانوں کو دوذخ سے نکال کر جنت میں داخل کرنے کے لیے ہوگی۔

۴۔ دوذخ کے مستحق مسلمانوں کو دوذخ میں جانے سے بچا کر جنت میں داخل کرنے کے لیے ہوگی۔

۵۔ بعض مسلمانوں کو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل کرنے کے لیے ہوگی۔

۶۔ مومن بندوں کے درجات جنت میں بلند کرنے کے لیے ہوگی۔

اخلاص کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھنے کی وضاحت ایک دوسری حدیث سے اس طرح ہوتی ہے کہ حضرت زید بن ارقمؓ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں جو شخص اخلاص سے لا الہ الا اللہ کہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ کسی نے عرض کیا کہ اخلاص کیا ہے۔ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا حرام کاموں سے اس کو روک دے۔[۱]

کلمہ طیبہ کے اقرار اور اعمال صالح یقیناً باعث بخشش ہیں مگر ایسا شخص کلمہ طیبہ کا اقرار کرتا ہے مگر اعمال اچھے نہیں تو وہ دوذخ کی سزا بداعمالیوں کے سبب بھگتنے کے بعد کلمہ کی برکت سے ضرور جنت میں جائے گا۔ مگر گناہوں سے بچنا بے حد ضروری ہے جیسا کہ حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ کثرت سے کلمہ طیبہ کا اقرار کرے اور ایمان کے باقی رہنے کے لیے اللہ تعالی سے دعا بھی کرے اور لازمی طور پر گناہوں سے بچے کہ ایسا نہ ہو کہ گناہوں کی

---

۱ (طبرانی)

کثرت اور نحوست کی وجہ سے آخر میں ایمان سلب ہو جائے اور دنیا سے کفر کی حالت جائے اس سے کوئی بڑی بدبختی نہیں ساری عمر مسلمانوں کی جہرست میں نام مگر قیامت میں کافروں کی فہرست میں چلا جائے۔ [1]

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کوئی بندہ ایسا نہیں جو لا الہ الا اللہ کہے اور اس کے لیے آسمانوں کے دروازے نہ کھل جائیں یہاں تک یہ کلمہ سیدھا عرش تک پہنچتا ہے بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔ [2]

حضرت محدث ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ کبائر سے بچنے کی شرط قبول کی جلدی اور آسمان کے سب دروازے کھلتے کے اعتبار سے ہے ورنہ ثواب اور قبول سے کبائر کے ساتھ بھی خالی نہیں۔ [3]

بعض علماء ومحدثین اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ صاحب اخلاص شخص کے واسطے مرنے کے بعد اس کی روح کے اعزاز میں آسمان کے سب دروازے کھل جائیں گے اور اس کی روح عرش تک جا سکے گی یعنی کاملین اولیاء کی ارواح کو یہ اعزاز حاصل ہوگا۔

کلمہ طیبہ کا تکرار کرانا سنت ہے

مسلمانوں کا لا الہ الا اللہ کا تکرار جماعت کی صورت میں یا انفرادی صورت میں کسی ولی اللہ کی تقلید میں کرنا مسنون عمل ہے۔

حضرت عبادہؓ اس واقعہ کی تصدیق فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے آپ ﷺ نے فرمایا کوئی اجنبی (غیر مسلم) تو مجمع میں نہیں۔ ہم نے عرض کیا کوئی نہیں۔

---

[1] (تنبیہ الغافلین)، [2] (ترمذی)

ارشاد فرمایا ہاتھ اٹھاؤ اور کہو لا الہ الا اللہ ہم نے تھوڑی دیر ہاتھ اٹھائے رکھے اور کلمہ طیبہ پڑھا پھر فرمایا الحمد للہ اے اللہ تو نے مجھے یہ کلمہ دے کر بھیجا اور اس کلمہ پر جنت کا وعدہ فرمایا اور تو وعدہ خلاف نہیں اس کے بعد آپ ﷺ نے ہم سب کو فرمایا خوش ہو جاؤ اللہ تعالی نے تمھاری مغفرت فرمادی۔[1]

اس کی شرح میں حضرت شیخ زکریا فرماتے ہیں کہ "صوفیہ نے اس حدیث سے مشائخ کا اپنے مریدوں کی جماعت کو ذکر تلقین کرنے پر استدلال کیا ہے چنانچہ جامع الاصول میں لکھا ہے حضور ﷺ کا صحابہ کو جماعتہ اور منفردا ذکر تلقین کرنا ثابت ہے "۔[2]

لہذا مذکورہ بالا حدیث سے ان لوگوں کی سوچ غلط ثابت ہوگی جو کسی ولی کی زبان سے طریقت کا ذکر مسلمانوں کے لیے ضروری نہیں سمجھتے۔ لہذا اولیاء کا مریدین کو ذکر دینا سنت عمل ثابت ہوا اور اسی طرح مشائخ کا بعض خاص مریدین کے خلافت عطا کرتے وقت یا مراقبہ کرواتے وقت خانقاہوں کے کواڑ بند کروانا بھی عین سنت ثابت ہوا۔ بعض بدبختوں کو اولیاء اللہ سے بغض و حسد کی بنا پر ان کے ہر عمل میں عیب نظر آتا ہے اگرچہ وہ عمل مسنون ہی کیوں نہ ہو۔ کواڑ بند کرانے میں دو حکمتیں نظر آتی ہیں۔

۱۔ تاکہ مرشد اور مریدین کی توجہ میں یکسوئی اور استغراق ہو اور عمل مقصود کی عظمت کو واضح کرتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالی کی ذات بہت محرم ہے لہذا بعض انوارات کا نزول رازداری اور پردہ پوشی کا تقاضا کرتا ہے اولیاء اللہ کی خاص محافل میں کواڑ کا بند کرنا اور خواص کا جمع ہونا اور وہاں خصوصی احوال و کیفیات کا وارد ہونا اللہ کے عاشقوں کا وجد و جذب میں مدہوش ہونا اور گریہ وزاری کرنا سب حقیقت توحید کی عکاسی کرتا ہے توحید کے معارف و اسرار جن لوگوں پر منکشف ہوتے ہیں وہ ان حقائق باطنیہ کو مشاہدہ کرتے ہیں۔

---

[1] (رواہ احمد و طبرانی)، [2] (تبلیغی نصاب)

حضور نور مجسم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو یعنی تازہ کرتے رہا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ایمان کی تجدید کس طرح کریں؟ ارشاد فرمایا کہ لا الہ الا اللہ کو کثرت سے پڑھتے رہا کرو۔[1]

ایک دوسری روایت میں حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد وارد ہوا ہے کہ ایمان پرانا ہو جاتا ہے جیسا کہ کپڑا پرانا ہو جاتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ سبحانہ سے ایمان کی تجدید مانگتے رہا کرو پرانے ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ گناہوں کی وجہ سے قوت ایمانیہ اور نور ایمان جاتا رہتا ہے۔

سیدنا حضور پرنور ﷺ کا فرمان ہے کہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کثرت سے کرتے رہا کرو قبل اس کے کہ ایسا وقت آئے کہ تم اس کلمہ کو نہ کہہ سکو۔

اس حدیث مبارکہ میں مسلمانوں کو کثرت سے ذکر کا حکم ہے کہ موت سے پہلے زندگی کے اوقات کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے انہیں غفلت میں نہ گزاریں کیونکہ جب کسی کے لمحات ختم ہو جاتے ہیں تو ایک منٹ کی مہلت نہیں مل سکتی۔ وہ بدنصیب لوگ ہیں جو سال ہا سال کی زندگی بغیر ذکر ضائع کر دیتے ہیں۔

کلمہ طیبہ مغفرت کرواتا ہے

یہ لا الہ الا اللہ کا ذکر ہی ہے جو مسلمان کی بخشش کا سبب بنتا ہے اور اس کو جنت کا مستحق قرار دیتا ہے۔ حضور ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نور مجسم ﷺ کا ارشاد ہے کہ عرش کے سامنے نور کا ایک ستون ہے جب کوئی شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو وہ ستون ہلنے لگتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے کہ

---

[1] (احمد، طبرانی)

ٹھہر جا وہ ستون عرض کرتا ہے کیسے ٹھہروں حالانکہ کلمہ طیبہ پڑھنے والے کی ابھی تک بخشش نہیں ہوئی ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ اچھا میں نے اس کی مغفرت کر دی تو وہ ستون ٹھہر جاتا ہے۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا کہ یہ روایت کئی طریقوں سے مختلف الفاظ سے نقل کی گئی ہے ایک روایت میں اسطرح بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص سے کلمہ اس لیے جاری کروایا کہ میں اسکی مغفرت کروں یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ خود توفیق عطا فرماتے ہیں اور خود ہی مغفرت عطا فرماتے ہیں۔ اسی طرح سیدنا حضور پر نور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ کوئی بندہ ایسا نہیں ہے کہ دل سے حق سمجھ کر اسے پڑھے اور اسی حال میں مر جائے اور وہ جہنم پر حرام ہو جائے وہ کلمہ لا الہ الا اللہ ہے۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اس کلمہ کو اس کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ کہنا مراد ہے یعنی اس کلمہ کے تمام تقاضے پورے کرے۔

حضرت امام بخاریؒ کی تحقیق یہ ہے کہ جس نے ندامت کے ساتھ اس کلمہ کو پڑھا ہو تو یہی حقیقت توبہ کہ ہے تو پھر اسی حال پر مر گیا ہو۔

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس سے ہمیشہ جہنم میں رہنے کی حرمت مراد ہے۔

سیدنا حضور نور مجسم ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ لا الہ الا اللہ کا اقرار جنت کی کنجیاں ہیں [1]

اس کلمہ کے دو جزو ہیں لا الہ الا اللہ جبکہ دوسرا محمد رسول اللہ، ان دونوں کے مجموعہ کا نام کلمہ طیبہ ہے۔ اس مجموعہ کا اقرار کرنے سے ہی جنت کے دروازے کھلیں گے۔ ان سب احادیث میں پہلے جزو کا ذکر کر کے مراد کل لی جائے گی۔ توحید کے اقرار اور رسالت کے انکار سے کبھی کوئی شخص

---

[1] (مشکوۃ)

مسلمان نہیں بن سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مشائخ صوفیہ لا الہ الا اللہ طاق عدد میں کہنے کے بعد محمد رسول اللہ کا اقرار لازمی قرار دیتے ہیں حضرت شیخ زکریا فرماتے ہیں کہ جہاں جہاں دوذخ کے حرام ہونے اور جنت کے دخول کا ذکر ہے اس سے مراد پورا ہی کلمہ ہے یعنی دونوں جزو۔ اسی طرح حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص بھی اس حال میں مرا کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی پکے دل سے گواہی دیتا ہو ضرور جنت میں داخل ہوگا۔[1]

اسی طرح ایک دوسری روایت میں فرمان مبارک اس طرح بھی نقل کیا گیا ہے کہ خوشخبری سنو اور دوسروں کو بھی بشارت دو کہ جو شخص سچے دل سے لا الہ الا اللہ کا اقرار کرے وہ جنت میں داخل ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے ایک عابد تھا اور دوسرا گنہگار وہ عابد ہمیشہ اس گنہگار کو ٹوکا کرتا تھا وہ جواب دیتا تھا مجھے میرے رب پر چھوڑ دو ایک دن عابد نے غصے میں آ کر کہا کہ تیری بخشش خدا کی قسم نہیں ہوگی اللہ تعالیٰ رب العزت نے عالم ارواح میں دونوں کو جمع فرمایا اور گنہگار کو جو رحمت کا امیدوار تھا بخش دیا اور عابد کو قسم کھانے کی وجہ سے عذاب کا حکم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے رحم و کرم کی امید رکھنا ضروری ہے مگر اس کا خوف کھا کر گناہ بھی چھوڑنے بے حد ضروری ہیں۔

کلمہ طیبہ عذاب قبر سے بچاتا ہے

انسان دنیا میں پیش آمدہ نقصانات و خطرات سے بچنے کے لیے منصوبہ بندی اور سوچ و بچار کرتا ہے انسان کسی طرح بھی اپنی جان، مال اور اولاد کے خطرہ و نقصان پسند نہیں کرتا۔ لیکن قابل

[1] (طبرانی، نسائی، ترمذی)

افسوس بات یہ ہے کہ دین اور آخرت کے نقصان کا انسان کو کوئی احساس ہی نہیں رہا کوئی تھوڑے ہی مسلمان ہوں گے جو قبر و آخرت کی فکر رکھتے ہوں گے ورنہ اکثریت دین سے دور نظر آتی ہے۔

سیدنا حضور نور مجسم ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ لا الہ الا اللہ والوں پر نہ قبروں میں وحشت ہے نہ میدان حشر میں۔ اس وقت گویا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ جب وہ اپنی قبروں سے اٹھیں گے سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے اور کہیں گے (الحمدللہ) تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس نے ہم سے رنج و غم دور کر دیا اسی طرح ایک دوسری حدیث میں بھی آتا ہے کہ لا الہ الا اللہ والوں پر نہ موت کے وقت وحشت ہوگی نہ قبر کے وقت۔[1]

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سیدنا نبیِ کریم ﷺ کے پاس تشریف لائے آپ بہت ہی غمگین تھے۔ حضرت جبرائیل نے عرض کیا اللہ تعالی جل جلالہ نے آپ ﷺ کو سلام فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کو رنجیدہ اور غمگین دیکھ رہا ہوں یہ کیا بات ہے۔ (اللہ تعالی سب کچھ جاننے والے ہیں مگر اپنے حبیب ﷺ کی شان و عظمت کائنات والوں پر واضح کرنی ہے کہ رب کائنات کا اپنے محبوب کا کتنا خیال ہے) حضور ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل مجھے اپنی امت کا فکر بہت بڑھ رہا کہ قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا۔ جبرائیل نے دریافت کیا کہ کفار کے بارے میں یا مسلمانوں کے بارے میں فکر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں کی فکر ہے۔ حضرت جبرائیل نے آپ ﷺ کو ساتھ لیا اور ایک قبرستان پر تشریف لے گئے جہاں پر قبیلہ بنو سلمہ کے لوگ دفن تھے۔ جبرائیل نے ایک قبر پر پر مارا اور فرمایا اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا اس قبر سے ایک شخص خوبصورت چہرہ والا اٹھا جو بہت حسین تھا اور وہ کہہ رہا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، الحمدللہ

---

[1] (طبرانی، بیہقی)

رب العلمین ۔حضرت جبرائیل نے اسے فرمایا اپنی جگہ لوٹ جاوہ چلا گیا۔دوسری قبر پر جبرائیل نے پر مارا اور ایک بدصورت کالا منہ والا شخص کھڑا ہوا جو کہہ رہا تھا ہائے افسوس شرمندگی ہائے مصیبت پھر جبرائیل نے فرمایا چلا جاوہ لوٹ گیا اسکے بعد جبرائیل نے عرض کیا کہ جس حالت میں یہ لوگ مرتے ہیں اسی حالت پر یہ اٹھیں گے۔

حضرت شیخ ابو یزید قرطبی فرماتے ہیں کہ جس نے یہ سنا کہ جو شخص ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ کا ذکر کرے اس کو آخرت کے عذاب سے نجات ملے۔میں نے یہ خبر سن کر یہ نصاب یعنی (۷۰) ستر ہزار کی تعداد اپنی کے لیے پڑھا اور کئی نصاب خود اپنے لیے پڑھ کر ذخیرہ آخرت بنایا۔وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس ایک نوجوان رہتا تھا۔جس کے بارے میں مشہور تھا یہ صاحب کشف ہے جنت و دوزخ کے بھی اسے کشف ہے مجھے اس کی سچائی میں کچھ شک تھا ایک دفعہ ایسا ہوا کہ وہ نوجوان ہمارے ساتھ کھانے میں شریک تھا کہ اچانک اس نے چیخ ماری اور سانس پھولنے لگا اور اس نے کہا کہ میری ماں کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے مجھے ماں کی حالت نظر آئی ہے۔حضرت قرطبی فرماتے ہیں میں نے اس کی ماں کو ستر ہزار کلمہ طیبہ کا ثواب بخشش دیا تا کہ اس کے کشف کی سچائی بھی واضح ہو جائے مگر میں نے اس نوجوان کو نہیں بتایا اور دل میں ہی اس کی ماں کو ایصال ثواب کر دیا۔وہ نوجوان فورا بول اٹھا کہ چچا میری ماں سے عذاب ہٹا لیا گیا ہے۔مجھے اس سے دو فائدے ہوئے ایک نوجوان کا کشف درست ثابت ہوا اور دوسرا ۷۰ ہزار سے بخشش کا یقین ہو گیا۔

حضرت قیوم زمان خواجہ محمد معصوم مجددیؒ نے بھی مکتوبات معصومیہ میں لکھا ہے کہ ۷۰ ہزار کلمہ طیبہ کے نصاب سے مغفرت کر دی جاتی ہے۔ [1]

---

[1] (مکتوبات معصومیہ)

حضورﷺ کا ارشاد ہے لا الہ الا اللہ سے نہ کوئی عمل بڑھ سکتا ہے اور نہ یہ کلمہ کسی گناہ کو چھوڑ سکتا ہے۔

لا الہ الا اللہ کا میزان میں بھاری ہونا

اللہ کی وحدانیت کا دل سے اقرار کرنا اور حضورﷺ کی رسالت تسلیم کرنا بہت عظیم نعمت ہے ۔اس ایک پاک ذات کا اقرار اور اسکے علاوہ تمام معبودوں کی نفی کرنا ایمان کی بنیاد ہے۔اسی بنیادی کلمہ اخلاص کا اعمالنامہ میں بھاری ہونا اس کی اہمیت ع عظمت کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ سیدنا حضور نبی اکرمﷺ کا ارشاد ہے اللہ تعالی رب العزت قیامت کے دن میری امت سے ایک شخص کو منتخب فرما کر تمام دنیا کے سامنے بلائیں گے۔اور اس کے سامنے ننانوے دفتر اعمال کے کھولیں گے ہر دفتر اتنا بڑا ہوگا کہ منتہائے نظر تک (یعنی جس جگہ تک نظر جاسکے) وسیع ہوگا۔اس کے بعد اس شخص سے سوال کیا جائے گا ان اعمال ناموں میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے کیا میرے فرشتوں نے کوئی گناہ بغیر کیے تو نہیں لکھ دیا وہ بولے گا نہیں پھر اس سے کہا جائے گا تیرے پاس ان گناہوں کا کوئی عذر ہے وہ عرض کرے گا کوئی عذر نہیں۔ پھر حکم ہوگا کہ تیری ایک نیکی ہمارے پاس محفوظ ہے آج تم پر ظلم نہیں ہوگا اور پھر کاغذ کا پرزہ نکالا جائے گا جس پر لکھا ہوگا کہ میں گواہی دیتا ہوں اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضورﷺ اس کے عبد خاص اور رسول ہیں حکم ہوگا جا اس کا وزن کروالے وہ عرض کرے گا اتنے دفتروں کے مقابلے میں یہ پرزہ کیا کام کرے گا ارشاد ہوگا آج تم پر ظلم نہیں ہوگا وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ والا پرزہ پلڑے میں رکھ دیا جائے گا۔ بڑے دفتروں والا پلڑا اوپر اٹھ جائے گا جبکہ پرزے والا پلڑا بھاری ہوجائے گا پس یہ بات ہے کہ اللہ کے نام سے کوئی چیز وزنی نہیں۔[1]

---

[1] (ترمذی، بیہقی، حاکم)

دوسری روایت حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سیدنا حضورنور مجسم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم آسمان وزمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ سب کچھ اور جو کچھ اس کے نیچے ہے وہ سب کا سب ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور لا الہ الا اللہ کا اقرار دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو وہی دوسرا پلڑا بھاری ہوگا۔ [1]

اللہ تعالی رب العزت کے نام مبارک کے سامنے مخلوقات کی کوئی حیثیت بالکل ہے ہی نہیں مگر مادی آنکھوں سے مخلوقات کی وہمی حیثیت کو انسان دیکھ نہیں سکتا۔ جب حقیقت میں اللہ تعالی کے علاوہ باطن سے سب نفی ہو جاتی ہے تو سالک کی نظر سے مخلوق کی حیثیت معدوم ہو جاتی ہے مگر یہ سب کچھ سلوک روحانی طے کر کے مقام اخلاص تک پہنچنے کے بعد حاصل ہوتا ہے چنانچہ مولانا شیخ زکریا دیوبندیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں "اس میں وزن اخلاص سے پیدا ہوتا ہے جس قدر اخلاص اتنا ہی وزنی یہ پاک نام ہوگا۔ اسی اخلاص کو پیدا کرنے کے لیے مشائخ صوفیہ کی جوتیاں سیدھی کرنا پڑتی ہیں"۔ [2]

ہمارا روزہ ماسوا کی نفی ہے

کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کا ذکر جو اندرونی اور بیرونی خداؤں کی نفی اور انہیں مٹانے کے لیے وضع کیا گیا ہے نفس کے تزکیے اور اس کی تطہیر کے لیے بہت ہی نافع اور مناسب ہے۔

نفس امارہ ہر وقت خباثت کرنے پر تلا رہتا ہے۔ ایسا نفس ہر وقت سرکشی کے مقام میں رہتا ہے۔ سیدنا حضور نور مجسم ﷺ کا فرمان مبارک ہے: جَدِّدُوْآ اِیْمَا نَکُمْ بِقَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه۔ [3]

---

[1] (طبرانی)، [2] (فضائل ذکر صفحہ ۹۴)، [3] (احمد وطبرانی)

ترجمہ: کلمہ لا الہ الا اللہ سے اپنے ایمان کو تازہ (تجدید) کرتے رہا کرو۔

تمام اکابرین طریقت نے تزکیہ نفس کے لیے اسی کلمہ طیبہ کو بطور ذکر اختیار فرمایا ہے۔

عارف حقانی شیخ الشیوخ مرشد اعظم حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ کا فرمان کہ ہمارا روزہ ماسوا کی نفی ہے۔ جب تک سالک اللہ تعالی کے غیر سے مکمل طور پر چھٹکارا حاصل نہیں کر لیتا اس وقت تک مسلسل ظاہری اور باطنی معبودوں کے خلاف جہاد جاری رکھنا ہے۔ جب اللہ تعالی رب العزت کے غیر سے مکمل آزادی نصیب ہوگی تو تب ہمارا روزہ مکمل ہوگا اور روزہ افطاری کی نوبت آئے گی آپ کے نزدیک نفی ماسوا سے مراد یہ ہے جیسا کہ حضرت خواجہ محمد معصوم فاروقی مجددیؒ فرماتے ہیں کہ ماسوا کے تعلق اور اس کے مقصود ہونے کی نفی ہے بلکہ یہاں تک کہ ماسوا کے شہود و شعور کی نفی ہے جو کہ فنا کا حاصل اور توحید شہودی ہے جو کہ اس راہ کی شرط ہے۔ ماسوا حقیقت میں موجود ہو یا نہ ہو توحید وجودی کچھ درکار نہیں ہے۔ ماسوا کی نفی کی جائے۔ جو چیز ضروری ہے اور قرب کے منازل تک پہنچنا جس پر موقوف ہے وہ توحید شہودی ہے۔ ضروری ہے کہ سالک کی باطن کی آنکھ میں ماسوٰی کا کوئی نشان نہ رہے اور سالک کا غیر سے علمی اور حبی تعلق ٹوٹ جائے تا کہ قدیم ذات کے انوار کے ظہور کی قابلیت پیدا کرے اور اس عظیم بارگاہ ربانی کی طرف کوئی راستہ پالے۔ بات طے شدہ ہے کہ جب تک غیر سے رہائی حاصل نہیں کرے گا کچھ بھی حاصل نہیں کر سکے گا۔ ہم کو اشیاء کے وجود کی نفی سے کچھ سرور کار نہیں ہے ہمارے نزدیک سب سے اہم کام اس مرض کا علاج ہے جو وصول الہ اللہ کا مانع ہے۔ یہ مرض اشیاء کے ساتھ تعلق و گرفتاری اور ماسوا کا شہود و شعور ہے کیونکہ ولایت کے طریق پر کوئی (حادث) علوم معرفت الٰہی کے ساتھ جمع نہیں ہوتے۔ اس لیے سالک کے لیے ضروری ہے کہ لا کے ساتھ ان امور کی نفی کرے تا کہ ماسوا کا نسیان ہو جائے اور فنا ظاہر ہو جائے۔

تا بجاروب لا نروبی راہ نرسی در سرائے الا اللہ

تو جب لا کے جھاڑو سے راستہ صاف نہیں کرے گا اِلَّا اللہ کے محل میں نہیں پہنچے گا۔ [۱]

کلمہ طیبہ کا ذکر روحانی سفر کی تکمیل کا سبب ہوتا ہے۔ مگر اس کے لیے لازمی شرط ہے کہ کسی کامل ولی اللہ کی نگرانی میں ہو ورنہ یہ دشوار ترین سفر طے کرنا ناممکن ہے۔

اسی لیے حضرت رشید احمد گنگوہی نے مشائخ کا قول نقل کیا ہے کہ جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔

دل کو اللہ تعالیٰ رب العزت کے غیر سے پاک کرنے کی اہمیت وضرورت کے بارے میں امام ربانی قیوم زمانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی فرماتے ہیں کہ کام کا دارومدار دل پر ہے۔ اگر دل اللہ تعالیٰ سبحانہ کے غیر کے ساتھ گرفتار ہے تو خراب اور ابتر ہے صرف ظاہری اعمال اور رسمی عبادات سے کام مکمل نہیں بن سکتا۔ دل کو اللہ تعالیٰ کے غیر کی طرف متوجہ ہونے سے محفوظ رکھنا اور اعمال صالحہ شریعت کے مطابق ادا کرنا۔ دونوں لازمی ہیں۔ سیر وسلوک سے مقصود مقام اخلاص کا حاصل کرنا ہے جو اندرونی اور بیرونی خداؤں کے فنا ہونے سے وابستہ ہے۔ یہ اخلاص شریعت کے تین اجزاء میں سے ایک ہے۔ [۲]

۱۔علم ۲۔عمل ۳۔اخلاص

لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت

اس کلمہ طیبہ کے اقرار سے انسان دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ عقیدہ توحید کی مضبوطی کی بنیاد اطمینان قلب ہے اس لیے فرمایا کہ خبردار اللہ کا ذکر ہی قلوب کے اطمینان کا باعث ہے یہ

---

[۱] (مکتوبات معصومیہ)، [۲] (مکتوبات امام ربانی)

بات واضح ہے کہ اطمینان قلب کا ذریعہ اللہ تعالی کا ذکر ہے نہ کہ نظر و استدلال اللہ تعالی رب العزت تک رسائی کے لیے صرف منطقی اور عقلی استدلال کافی نہیں کیونکہ اللہ تعالی کی ذات منطق اور عقل سے وراء الوراء ہے۔ اسلام مسلمان کو عقلی دلائل سے زیادہ مشاہدہ اور یقین کی قوت سے حقیقت تک لے جانا چاہتا ہے تاکہ سالک کے قلب و روح میں وجود باری تعالی کا کامل احساس بیدار ہو جائے اور سالک جذبہ عشق سے سرشار ہو کر ذات و صفات حق میں فنا ہو کر معرفت ررضا کے مقام تک پہنچ جائے۔ صرف استدلال اور علم بے عمل چہرہ حقیقت کو بے نقاب نہیں کر سکتے غالباً یہی وجہ تھی کہ حضرت حافظ شیرازیؒ نے بے حقیقت سے دور ظاہری واعظین کی مجلس وعظ میں شرکت سے روکا تھا۔

حجتہ الاسلام حضرت امام غزالیؒ کا قول ہے کہ علم سب سے بڑا حجاب ہے۔ یعنی تزکیہ نفس کے بغیر علم و استدلال، اللہ تعالی کی معرفت و قرب کا وسیلہ نہیں بن سکتا۔

ایمان شہودی حاصل کرنے کے لیے علم حصولی اور علم حضوری دونوں کی فنا لازمی ہے۔

اہل طریقت نے ایمان کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

۱۔صورت ایمان ۲۔حقیقت ایمان

ارشاد ربانی ہے: یٰۤاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا۔ ۱

ترجمہ: اے ایمان والوں ایمان لے آؤ۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی فرماتے ہیں :

اَیِ الَّذِینَ اٰمَنُوا صُورَۃَ اٰمِنُوْا حَقِیْقَتَہ بِاَدَاءِ وَظَائِفِ الْعِبَادَاتِ الْمَامُورَۃِ۔

ترجمہ: اے لوگوں! جو ظاہری طور پر ایمان لائے ہو۔ عبادات مامورہ کے وظائف ادا کر کے حقیقی طور پر ایمان لاؤ۔

---

۱ (سورۃ النسآء، پ۵، آیت نمبر۱۳۶)

اب حقیقت ایمان کا حاصل ہونا ولایت پر موقوف ہے جو فنا اور بقا سے حاصل ہوتی ہے اس کو معرفت کہتے ہیں جس کے لیے انسان کی تخلیق کی گئی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے کہ ہم نے جن وانس کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔مفسرین کرام نے عبادت کے معنی معرفت کیے ہیں۔

صورت ایمان یعنی ایمان مجازی خلل اور زوال سے محفوظ نہیں ہوتا جبکہ ایمان حقیقی خلل اور زوال سے محفوظ ہوتا ہے۔لہذا بندہ مومن کے لیے ایمان حقیقی کی نعمت دنیاوآخرت کی بڑی کامیابی ہے اور یہی کلمہ طیبہ کی حقیقت ہے اس کا حاصل کرنا قرآنی حکم ہے۔

صورت ایمان علمائے عظام بیان فرماتے ہیں جبکہ حقیقت ایمان سے صوفیائے کرام ممتاز ہوتے ہیں۔صورت ایمان نظر واستدلال سے مربوط ہے جبکہ حقیقت ایمان کشف وشہود سے مربوط ہے۔صورت ایمان دائرہ علم میں داخل ہے جبکہ حقیقت ایمان دائرہ حال میں داخل ہے۔صورت ایمان مسلمان کو فنا نہیں بخشتی جبکہ حقیقت ایمان فنا کا دوسرا نام ہے۔صورت ایمان علم حصولی سے تعلق رکھتی ہے جبکہ حقیقت ایمان علم حضوری کے قبیل سے ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل علم واجتہاد کے عظیم مقام پر ہونے کے سبب بہترین انداز میں عبادات واعمال صالحہ کر سکتے تھے۔مگر اس کے باوجود وہ ایک مجذوب ولی اللہ حضرت بشر حافی کے ہم رکاب رہتے تھے اور ارادت کے جملہ آداب وشرائط کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔شاگردوں نے عرض کیا حدیث،فقہ اجتہاد اور دیگر علوم میں آپ کی مثال نہیں لہذا اس مجذوب الحال شخص کے ساتھ چلنا آپ کے شایان شان نہیں آپ نے بہت ہی پیارا جواب دیا کہ ان تمام علوم کو جاننے میں میں بہتر شمار ہوتا ہوں مگر اللہ تعالی رب العزت کو حضرت بشر حافی مجھ سے بہتر جانتے ہیں یعنی وہ اللہ تعالی کی معرفت میں بہت آگے ہیں اس لیے میں بشر حافی کی صحبت وخدمت میں حاضر ہوتا ہوں اور یوں عرض کرتا

ہوں: حَدِّ ثُنِیُ عَنُ رَّ بِیُ، مجھے میرے رب کی کوئی بات بتاؤ۔

اسی طرح امام آئمہ حضرت امام اعظمؒ نے عمر کے آخری دو سال اجتہاد اور استنباط کو ترک کر کے عزلت اختیار فرمائی تھی۔ کسی کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ یہ دو سال نہ ہوتے تو تعمان ہلاک ہو جاتا۔ یعنی آپ معرفت الٰہی اور حقیقت ایمان کے حصول میں مصروف رہے۔ ذکر و مراقبات سے دل لگایا اور قرب ربانی کے معارف و اسرار میں گم رہے۔ ورنہ وہ کونسا عمل ہے جو اجتہاد و استنباط کے درجہ کو پہنچ سکتا ہے وہ کون سی طاعت و بندگی ہے جو درس و تعلیم کے درجہ کو پہنچ سکتی ہے وہ صرف اور صرف توحید کی لذت اور حقیقت تھی جس کو حضرت امام اعظمؒ سے ان سب چیزوں پر ترجیح دی۔ یہ وہی معرفت الٰہی کی پیاس تھی جس نے حضرت امام غزالی کو درس و تدریس چھوڑ کر اولیاء اللہ کی صحبت میں جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں علم کے سمندر پی گیا مگر پیاسا ہی رہا جب تک حقیقت و معرفت سے سیرابی حاصل نہ ہوئی تھی۔

اعمال کی قبولیت و اجر کا کمال ایمان پر انحصار ہے اعمال کا نور کمال اخلاص سے مربوط ہے۔ لہذا ایمان جس قدر نور اخلاص سے مکمل ہو گا اتنا ہی اعمال کا حسن اور قبولیت ہو گی۔ یہ ایک واضح اور تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ معرفت اور ایمان حقیقی کی دولت فنا اور موت قبل الموت سے وابستہ ہے جس کی طرف اشارہ ہے۔ موتو قبل ان تموت، مرنے سے پہلے مر جاؤ۔

سیدنا حضور نور مجسم ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ: لَوُ ازن اِیُمَان اَبِی بَکُرِ مَعَ ایمان اُمَّتِیُ لَرَ جَحَ۔

اگر حضرت ابو بکرؓ کے ایمان کو میری امت کے ایمان سے وزن کیا جائے تو ابو بکر کا ایمان بھاری ہو گا۔ کیونکہ ان کی فنا اکمل و اتم تھی اور فنا کلی کا پیکر تھے۔ حضور ﷺ کی توجہ اتحادی نے ان کو دو

میں سے ایک کے درجے تک پہنچا دیا تھا جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا: ثانی اثنین اذ ھُمَا فی الغارِ،

یہی وجہ تھی جو کنکریاں دست مصطفےٰ ﷺ میں تسبیح بیان کر رہی تھیں جب وہ ابوبکرؓ کے ہاتھ گئیں تب بھی وہ ذکر کرتی رہیں مگر جب وہی کنکریاں دوسرے صحابہ کے ہاتھ میں گئیں تو خاموش ہو گئیں۔ لہذا حضرت صدیق اکبرؓ کی امت میں فضیلت قطعی ہے جس پر اہلسنت کا صدیوں سے اجماع چلا آرہا ہے۔

حدیث مبارکہ میں آتا ہے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ اَرَادَ اَنْ یَنْظُرَ اِلٰی مَیِّتِ یَمْشِیُ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ فَلْیَنْظُر الی اِبْنِ اَبِیُ قحافتہ۔

جو شخص زمین پر کسی میت کو چلتا پھرتا دیکھنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ابو قحامہ کے بیٹے حضرت ابوبکرؓ کو دیکھ لے۔

سب اہلسنت اور صحابہؓ کو فنا اور بقا کی دولت عظمی حاصل تھی مگر یہ ابوبکرؓ کی فنائیت کے کمال پر دلیل ہے۔

توحید کیا ہے؟

آئمہ لغت کے مطابق اللہ تعالی کی توحید سے مراد ہے اس چیز کا اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالی اپنی ذات، صفات اور افعال میں واحد و یکتا ہے۔ ان میں اس کا کوئی شریک ہے نہ کوئی اس کا مشابہ۔

حضرت شیخ الاسلام مفسر قرآن ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب اس کی وضاحت اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ شریعت کی اصطلاح میں یہ عقیدہ رکھنا توحید ہے کہ اللہ تعالی اپنی ذات، صفات

اور جملہ اوصاف وکمالات میں یکتا و بے مثال ہے، اس کا کوئی ساتھی یا شریک نہیں، کوئی اس کا ہم پلہ یا ہم مرتبہ نہیں۔ توحید ایک عقیدہ ہے مگر اس کے باوجود یہ اس وقت تک ایمان نہیں بن سکتا جب تک اس کا حصول واسطہ رسالت سے نہ ہو۔ واسطہ سے اللہ تعالی کو ایک ماننا ہی وہ عقیدہ ہے جو ایمان بنتا ہے۔ اور ہم اس کو عقیدہ توحید کہتے ہیں۔

اگر کوئی شخص اللہ تعالی کو واحد عددی مانے تو شرک ہوگا کیونکہ اس نے واحد عددی کی تعریف کے مطابق اللہ تعالی کو دو کا آدھا تسلیم کیا اور اللہ تعالی میں دو کے لحاظ سے وحدت کا مفہوم آیا۔ اگر کوئی انسان اللہ تعالی کو واحد جنسی مانے تب بھی شرک کہلائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اشتراک جنس ضروری ہے اور اللہ تعالی جنس سے پاک ہے اسی طرح کوئی شخص اللہ تعالی کو واحد نوعی تو بھی شرک ہوگا کیونکہ نوع کے لیے افراد کا ہونا ضروری ہے لہذا یہ امر محقق ہوا کہ مذکورہ بالا تعریفات کے مطابق اللہ تعالی کو نہ تو واحد عددی، نہ واحد جنسی اور نہ واحد نوعی مان سکتے ہیں کیونکہ اس سے شرک لازم آتا ہے تو پھر لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہم مسلمان اللہ تعالی کو وہ واحد مانتے ہیں جسے زبان مصطفے ﷺ نے بیان کیا اور اس کا اظہار، قُل هُوَ الله اَحَد میں ہے۔

ذہن نشین کر لیا جائے ہم اللہ تعالی کے واحد ہونے کا یہ معنی ہر گز نہیں کہ دوسرے کے اعتبار سے اس میں مفہوم وحدت آیا ہے پوری امت کا متفق علیہ اور مجمع علیہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی نہ واحد عددی ہے نہ واحد جنسی ہے اور نہ واحد نوعی، بلکہ اللہ تعالی کے واحد ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ واحد حقیقی ہے اور اس کی ذات ازل سے وحدت ذاتی سے متصف ہے اور وہ ہر قسم کے اشتراک، اشتباہ، مماثلت، تعدد، تکثر، تجزی، حلول، اتحاد، امکان، حدوث، ترکیب، تحلیل اور تبعیض سے پاک ہے اور

ان تمام عقائد حقہ کا اعلان زبان رسالت مآب ﷺ سے لفظ قل سے کروایا گیا ہے۔ اس واحد حقیقی کو اَحَد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ شریعت مطہرہ کے مطابق عقیدہ توحید کی وضاحت کے بعد توحید کے باطنی مطلب کی وضاحت کو سمجھنا بہت ہی ضروری ہے۔

چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ فرماتے ہیں کہ توحید سے مراد یہ ہے کہ قلب کو ماسوائے حق کی توجہ سے خلاصی حاصل ہو جائے، جب تک دل ماسوا کی گرفتاری میں پھنسا ہوا ہے اگرچہ بہت ہی تھوڑا ہو ارباب توحید میں سے نہیں۔ توحید کی اس دولت کے حاصل ہوئے بغیر اللہ تعالیٰ رب العزت کو ایک کہنا، ایک جاننا ارباب حصول کے نزدیک فضول ہے۔ ہاں ایک جاننا ایک کہنا ایمان کی تصدیق کے لیے معتبر ہے اور اس سے چارہ نہیں لیکن وہ دوسرے معنی میں ہے۔[1]

فاضل اجل حضرت شیخ شریف جرجانی نقشبندی توحید کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں کہ لغت میں کسی چیز پر ایک ہونے کا حکم لگانا ہے اور اس بات کا علم ہے کہ وہ چیز واحد ہے اور اہل حقیقت کی اصطلاح میں ذات الہیہ کو ہر اس چیز سے عقلوں میں متصور ہو سکے اور وہموں اور ذہنوں میں متخیل ہو سکے مجرد جاننا توحید کہلاتا ہے۔ یعنی توحید تین چیزوں کا نام ہے [2]۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی معرفت

۲۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار

۳۔ اس سے تمام شریکوں کو نفی کرنا۔

قدوۃ السالکین حضرت خواجہ محمد پارسا نقشبندی نے توحید کے چار مراتب بیان فرمائے ہیں۔

---

[1] (مکتوب ۱۱۱)، [2] (کتاب التعریفات)

۱۔توحید ایمانی:

توحید ایمانی یہ ہے کہ کوئی شخص زبان سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا اقرار کرے خواہ اس کا قلب اس سے غافل ہو یا اس ذات کا منکر ہو جیسے منافق، دل کی تصدیق کے بغیر صرف زبانی ماننا۔

۲۔توحید علمی:

توحید علمی یہ ہے کہ کوئی شخص نقلی اور عقلی دلائل کے باوجود زبان اور دل سے اللہ تعالیٰ رب العزت کی توحید کا تقلیدی طور پر اعتقاد کرے۔ اس توحید کا قائل شرک جلی سے محفوظ ہوتا ہے۔ عام مسلمان اور ظاہری علماء اسی توحید کو ماننے والے ہوتے ہیں۔ اولیاء کرام بھی زبانی و دل سے اسی توحید کو دوسرے مسلمانوں کی طرح مانتے ہیں لیکن دیگر روحانی مراتب توحید میں ان سے الگ حیثیت رکھتے ہیں۔

۳۔توحید حالی:

توحید حالی یہ ہے کہ طریقت کو احکام شرعیہ اور سنن نبویہ ﷺ اور ولی کامل کی توجہات قدسیہ کی بدولت عقیدہ توحید میں ایسا رسوخ اور ملکہ حاصل ہو جاتا ہے کہ ان کے دلوں میں سیدنا حضور نور مجسم ﷺ کے سینہ اطہر کا نور جلوہ گر ہو جاتا ہے اور اس کو انشراح صدر کی نعمت عطا کر دی جاتی ہے اس کی برکت سے وہ مومن فاعل حقیقی صرف اس ذات واحد کو جانتا ہے اور وہ شخص مقام مجاہدہ سے گذر کر مقام مشاہدہ میں پہنچ چکا ہوتا ہے ایسے کامل ولی کو موحد کہا جاتا ہے اور ایسا عارف توحید میں شرک خفی سے محفوظ ہوتا ہے یہ حضرت ایمان غیبی سے ایمان شہودی میں پہنچ چکے ہوتے ہیں ان کا باطن غیر اللہ سے مکمل طور پر پاک ہوتا ہے۔

۴۔توحید الٰہی:

توحید الٰہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے بذات خود وصف واحدانیت سے موصوف ہے اور نعت فردانیت سے منعوت ہے۔ وہ ازل سے ابدالاباد تک اس صفت سے متصف و موصوف رہے گا۔

جب سالک کے باطن پر کثرت ذکر و عبادات، توجہات شیخ اور مراقبات کی بدولت تجلیات وانوارات کا نزول شروع ہوتا ہے تو اس کو اشیاء کائنات خواب یا سراب معلوم ہوتی ہے اور اس کی نظروں سے معدوم ہو جاتی ہیں اور بندہ مومن کو ذات وصفات کے مشاہدات میں مستغرق کر دیا جاتا ہے اور اس پر توحید ربانی کے معارف واسرار منکشف کیے جاتے ہیں وہ ان حقائق سے لذت پاتا ہے اس بحث کا مقصد ایک عام مسلمان کو توحید کے جواہر و معارف کی طرف رغبت چلانا ہے تاکہ وہ قال سے نکل کر حال کی طرف گامزن ہو سکے اور توحید کی حقیقت سے کچھ حصہ پا سکے۔

ذاکر مجنون ہوتا ہے

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے حضرت ابو سعید خدریؓ نقل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر ایسی کثرت سے کیا کرو کہ لوگ مجنون کہنے لگیں۔[۱]

اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کثرت سے ذکر کرنے والے حضرات کو ایسی کیفیات و احوال عطا کر دیے جاتے ہیں جو عام لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں اور لوگ اپنی کم عقلی کی بنا پر ایسے کاملین ذاکرین کو دیوانہ اور مجنون سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

اسی طرح سرور کائنات ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک

---

[۱] (احمد، ابو یعلی، حاکم)

مومن نہیں ہوسکتا جب تک اسے دیوانہ نہ کہا جائے، لَنْ یُومِنُ اَحَدُ کمه حتٰی یُقَالَ اِنَّه' مَجْنُونٌ، ۱

حضرت امام ربانی قیوم زمانی حضرت مجدد الف ثانی اس حدیث کو نقل فرما کر کہتے ہیں کہ طریقت وشریعت میں دیوانگی کو خاص مقام حاصل ہے۔

درحقیقت جنونی ذوق کے بغیر اعمال شرعیہ اور مجالس روحانیہ نتیجہ خیز نہیں ہوتیں۔ اجر وثواب تو ملتا ہے مگر وصل یار نصیب نہیں ہوتا۔ اہل جنون اس دیوانگی پر ناز وفخر محسوس کرتے ہیں دراصل یہ دیوانگی نہیں بلکہ فرزانگی ہے بقول شاعر۔

میری دیوانگی عقل وخرد سے لاکھ اچھی ہے　　کہ دنیا کی زبان مجھ کو تیرا دیوانہ کہتی ہے

صحابہ کرام کی دیوانگی کی کیفیات کچھ اسطرح تھیں۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے فیضان محبت کے فیضان سے منور ہونے کی وجہ سے باطنی طور پر صف اول کے ذاکرین وعارفین تھے۔

جنگ بدر کے خاتمے پر سیدنا حضور ﷺ جب نماز پڑھاتے ہوئے مسکرا رہے تھے تو صحابہ کرام نے حالت نماز میں آپ ﷺ کے چہرہ انور کی مسکراہٹ دیکھ لی اور نماز کے بعد مسکراہٹ کا سبب دریافت کیا یہ صحابہ کی عشق کی جنونی حالت تھی ورنہ حالت نماز میں اگر نگاہ مقام سجدہ پر ہو تو امام کا چہرہ نظر نہیں آتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ مجھے جبرائیل کی اس واپسی پر تبسم آیا کہ وہ بغیر میری اجازت کے جنگ بدر کے خاتمے پر آسمان کی طرف چلا گیا مگر اللہ تعالی کو اس کی یہ ادا پسند نہ آئی اور آسمانوں کے دروازے بند کر دیے گئے اور اس کو دوبارہ اجازت طلب کرنے کے لیے میرے پاس آنا پڑا۔ ۲

---

۱ (کنز العمال)، ۲ (روایت ابویعلی، تفسیر مظہری)

اسی طرح جب حضرت صدیق اکبرؓ کی امامت میں صحابہ کرامؓ نماز ادا کر رہے تھے مگر سیدنا حضور اکرم ﷺ حجرہ اقدس سے باہر تشریف لائے تو صحابہ کی نظریں جو پہلے ہی ادھر متوجہ تھیں آپ ﷺ کی تشریف آوری کو دیکھ کر متحرک ہو گئے حالانکہ آپ ﷺ کا حجرہ مبارک قبلہ کی جانب نہیں تھا بلکہ بائیں جانب تھا۔

حضرت عبداللہ بن جحشؓ غزوہ احد کے موقع پر اللہ تعالی رب العزت سے اسطرح دعا مانگی تھی۔ الٰہی میرے مقابلے میں ایسا کافر بھیج جو بڑا طاقتور اور فن حرب وضرب کا ماہر ہو میں تیری رضا کے لیے اس سے جہاد کروں بالاخر وہ مجھے شہید کر کے میری ناک اور میرے کان کاٹ دے اور روز قیامت میں تیری بارگاہ عظمت میں حاضر ہوں اور تو مجھ سے فرمائے اے میرے بندے کس جرم میں تیرے کان اور ناک کاٹی گئی تو میں جواب دوں کہ تیری رضا اور تیرے محبوب کے عشق کے جرم میں میرے ساتھ ایسا ہوا۔ پھر اے اللہ تعالی تو فرمائے اے میرے بندے تو نے سچ کہا۔

سیدنا حضور نبی کریم ﷺ نے ایک صحابیؓ کو اپنا خون مبارک عطا فرمایا کہ اس کو باہر پھینک دیں صحابیؓ کے عشق نے نور مجسم ﷺ کا مبارک خون زمین پر پھینکنا گوارا نہ کیا اور بے مثل تبرک سمجھ کر پی لیا اور اعزاز کے طور پر بخشش کی بشارت پائی۔ حالانکہ عام انسان کا خون نوش کرنا منع ہے۔

سیدنا حضرت اویس قرنیؓ نے جب اطلاع پائی کہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام کے دندان مبارک شہید ہوئے تو اس عاشق نے بے مثل نے عشق کی جنونی کیفیت میں اپنے سارے دندان محبوب کے عشق میں شہید کر دیئے۔ اس عظیم عاشق کو یہ اعزاز عطا ہوا کہ حضرت عمر اور حضرت علیؓ آپ ﷺ کا جبہ مبارک لے کے خود ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ایک جنگ کے موقع پر ایک صحابیہ عورت اپنے معصوم بچے کو جنگ کے لیے پیش کرنے لگی

جب عورت سے پوچھا گیا یہ بچہ کیا کام کرسکتا ہے اس صحابیہ نے ایمان کی جنونی حالت میں فرمایا کہ میں چاہتی ہوں کہ حضور اقدس ﷺ کی طرف کوئی تیر جب آئے تو میرا یہ بچہ بطور ڈھال آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیا جائے تا کہ میرے بچے کی قربانی سے حضور ﷺ سلامت رہ سکیں۔

یہ تو حضور ﷺ کے عشقی جنون کی معمولی سے جھلک ہے تاریخ اسلام میں مشائخ کے تذکرے اتنے زیادہ ہیں کہ کس طرح انہوں نے اللہ تعالی کی محبت کے غلبہ کے تحت اپنی زندگیاں ذکر، مجاہدات اور مراقبات میں گزار دیں اور عشق الہی کے غلبہ کے تحت انہوں نے مشائخ اور پیروں کی بے حد خدمت کی تا کہ ان کے نور باطن سے فیض یاب ہو کر قرب و معرفت سے سیرابی حاصل کر سکیں۔ جب کثرت ذکر سے باطن صاف ہوتا ہے تو جنونی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو منزل مقصود تک سالک کو لے جاتی ہے۔

اس لیے فرمایا گیا ہے کہ جسے میں قتل کرتا ہوں تو اس کی دیت (بدلہ) میں خود ہوں۔ جن بندگان خواص کو جبی و عشقی جنون عطا کیا جاتا ہے وہ اپنے قلب و نفس کو اپنے مطلوب حقیقی اللہ تعالی رب العزت پر قربان کر دیتے ہیں۔ طالبین حق کی قلبی و نفسی فنا مشائخ کرام کے ہاتھوں وقوع پزیر ہوتی ہے فرمایا الشیخ یحیی ویمُوت، شیخ کامل ہی کے ذریعے فنا و بقا حاصل ہوتی ہے۔ لہذا طالبین حق اولیاء اللہ سے جنونی محبت کرتے ہیں تا کہ واصل حق ہو سکیں۔ یہی محبت شیخ درحقیقت محبت رسول اور محبت ربانی کا زینہ ہوتی ہے۔ ذاکرین کا یہ عشقی جنون اور دیوانگی ان پر توحید کے اسرار و حقائق منکشف کرتا ہے۔ یہ عشقی جنون ذاکرین کو مشاہدات واحوال کے بحر بیکراں میں پہنچاتا ہے۔

اسم اعظم

اسم اعظم کے تعین میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں اسم اعظم کو شان عظمت کی وجہ سے پوشیدہ رکھا گیا ہے جس میں کوئی خاص حکمت اور مصلحت ہوگی۔

حضرت علامہ ابن عابدین بسم اللہ کی تشریح کرتے ہوئے اسم اللہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ سے روایت ہے کہ لفظ **"اللہ"** اسم اعظم ہے۔[1]

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہی قول علامہ طحاویؒ اور بہت سے علماء سے نقل کیا گیا ہے۔

اکثر عارفین واکابرین کی یہی تحقیق ہے اسی وجہ سے ان کے نزدیک ذکر اسم اعظم **"اللہ"** کا کثرت سے ہوتا ہے۔ حضرت غوث اعظم قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی بھی فرماتے ہیں کہ اسم اعظم **"اللہ"** ہے بشرطیکہ تو اس پاک نام کو لے تو تیرے دل میں اس کے سوا کچھ نہ ہو فرماتے ہیں کہ عوام کے لیے یہ پاک نام اس طرح لینا ضروری ہے کہ جب یہ زبان پر جاری ہو تو اللہ تعالیٰ کی عظمت وخوف کے ساتھ ہو اور خواص کے لیے ضروری ہے کہ اس پاک نام والے کی ذات اور صفات کی بھی استحضار ہو۔ جبکہ اخص الخواص کے لیے لازمی ہے کہ ان کے دل میں اللہ کے سوا کوئی چیز بھی نہ ہو۔

حضرت شیخ اسماعیل فرعانی فرماتے ہیں کہ مجھے ایک عرصہ سے اسم اعظم سیکھنے کی بے حد تمنا تھی۔ مجاہدے بہت کرتا تھا۔ فاقوں کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر جاتا تھا ایک دن میں دمشق کی مسجد میں بیٹھا تھا کہ دو نورانی آدمی مسجد میں داخل ہوئے میں نے سمجھا کہ یہ فرشتے ہیں وہ میرے قریب آ گئے ان میں سے ایک نے کہا تو اسم اعظم سیکھنا چاہتا ہے دوسرے نے کہا ہوں بتا دیں اس نے کہا وہ

[1] (فتاوی شامی)

لفظ "اللہ" ہی ہے۔ بشرطیکہ وہ صدق لجا سے ہو۔ شیخ اسماعیل فرماتے ہیں صدق لجا کا مطلب یہ کہ جب کوئی شخص دریا میں غرق ہو رہا ہو اور اس کو بچانے والا بھی کوئی نہ ہو تو ایسے وقت وہ جس اخلاص سے اللہ کا نام لے گا خلوص کی وہ حالت مراد ہے۔

عارف باللہ ابن عیبہ نے فرمایا کہ اسم ذات **"اللہ"** تمام اسماء کا سلطان ہے اور اسم اعظم ہے طالب کے ضروری ہے کہ اس کا دائمی ذکر کرے۔ [۱]

حضرت علامہ خادمی بھی فرماتے ہیں کہ اسم اعظم **"اللہ"** ہے۔ [۲]

حضرت ابوامامہؓ کی مرفوع حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالی رب العزت کے اسم اعظم سورتوں یعنی البقرۃ، آل عمران، اور طہ میں ہے۔ [۳]

حضرت ابوامامہؓ کے شاگرد حضرت قاسم نے کہا کہ میں نے تینوں سورتوں میں تلاش کیا تو مجھے الحیی القیوم تینوں میں مشترک نظر آیا لہذا یہ اسم اعظم ہے۔

حضرت جزری مئولف حصن حصین نے لکھا ہے کہ میرے نزدیک اسم اعظم لا الہ الا اللہ ھو الحیی القیوم ہے کیونکہ یہ تینوں سورتوں میں مذکور ہے۔

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اسم اعظم لا الہ الا ھو، ہے۔

حضرت اسما بنت یزید فرماتی ہیں کہ میں نے حضورﷺ سے خود سنا کہ اسم اعظم ان دو آیات میں ہے: وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ، اور

لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ۔ [۴]

---

[۱] (آئینہ معرفت)، [۲] (آئینہ معرفت)، [۳] (طبرانی، رواہ ابن ابی شیبہ، ابن مردویہ)، [۴] (ترمذی، ابوداؤد، ماجہ)

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے مذکورہ بالا دونوں احادیث سے تطبیق کر کے لا الہ الاھو کو اسم اعظم کہا ہے۔

اسم اعظم سے متعلق کچھ مزید احادیث پیش خدمت ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ سیدنا حضور اکرم ﷺ نے فرمایا حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ کے اندر اپنے رب سے جو دعا کی تھی وہ یہ تھی: لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظلمین۔

جو مسلمان ان لفاظ کے ساتھ جس چیز کے متعلق دعا کرے گا ضرور قبول ہوگی۔ [۱]

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اس نے یہ الفاظ پڑھے۔

اللّٰھم اِنِّیٓ اَسئالك بان لك الحمد لا اله الا انت الحنان المنان بدیع السموات والارض یا ذوالجلال و الاکرام یا حی یا قیوم۔ [۲]

حضور ﷺ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ اس نے اسم اعظم لے کر دعا کی اس نام کے ساتھ اللہ تعالی دعا قبول فرماتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا لا الہ الا اللہ، افضل ذکر ہے۔

اسی طرح حضرت معاذؓ سے مروی حدیث ہے کہ لا الہ الا اللہ جنت کی کنجی ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددیؒ فرماتے ہیں کہ احادیث میں ھو اور انت کے الفاظ اللہ کے لیے ہی استعمال ہوئے ہیں لہذا، لا الہ الا اللہ ہی اسم اعظم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیہ نے اس ذکر کو لازمی پکڑا ہے۔ [۳]

---

[۱] (ابن ماجہ، احمد، نسائی، ترمذی)، [۲] (ترمذی)، [۳] (تفسیر مظہری)

اذکار مشائخ نقشبندیہ

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مشائخ روحانی سلوک طے کرواتے وقت اسم ذات **"اللہ"** کا ذکر لطیفہ قلب میں باطنی نور توجہات کے ذریعے داخل کرنے کے بعد دیتے ہیں یہ سلسلہ ذکر لطیفہ قلب، لطیفہ روح، لطیفہ سر، لطیفہ خفی، لطیفہ اخفیٰ، لطیفہ نفسی اور لطیفہ قالب تک پہنچ جاتا ہے۔ جب اسم ذات **"اللہ"** سے عالم امر اور عالم خلق کے سب لطائف ذاکر و منور ہو جاتے ہیں تو پھر نفی اثبات یعنی لا الہ الا اللہ کا ذکر مخصوص طریقہ سے کروایا جاتا ہے۔

اسم ذات اللہ کا ذکر کرنے کی تلقین قرآن مجید میں اس طرح کی گئی ہے: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ۔[1]

ترجمہ: اپنے رب کے نام (اللہ) کا ذکر کیجئے۔

دوسری جگہ اللہ تعالی رب العزت کا ارشاد ہے: وَ اذْكُرِاسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا۔[2]

ترجمہ: اپنے رب کے نام (اللہ) کا ذکر صبح و شام کرتے رہیے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمین پر اللہ اللہ کرنے والا موجود ہے۔[3]

ایک دوسری روایت بھی حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ فرمان مصطفےٰ ﷺ ہے کہ جب تک ایک شخص بھی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہے قیامت قائم نہ ہوگی۔[4]

اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ جب اللہ کا ذکر باقی نہ رہے گا تو

---

[1] (سورۃ المزمل، پ۲۹، آیت نمبر۸)، [2] (سورۃ الدھر، پ۲۹، آیت نمبر۲۵)، [3] (مسلم)، [4] (مسلم)

لوگوں کو باقی رکھنے میں کوئی حکمت اور فائدہ نہ ہوگا۔ اسی طرح حضرت طیبیؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ جب اللہ کے نام کا ذکر نہیں رہے گا تو اس کی عبادت نہیں کی جائے گی تو قیامت قائم ہو جائے گی۔ [1]

لہذا ثابت ہوتا ہے کہ عالم کی بقا صالحین مومنین کے ذکر و عبادت سے وابستہ ہے۔

اللہ تعالی کا حضور اکرم ﷺ کو ارشاد ہے: قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرۡهُم۔ [2]

ترجمہ: کہو اللہ پھر ان کو چھوڑ دو۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ فرماتے ہیں کہ راہ سلوک میں طالب کے لیے اسم ذات اللہ اللہ اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی ذکر نفع مند نہیں۔

حضرت شیخ جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ اسم ذات **"اللہ"** کا ذاکر اپنے آپ سے غائب اور اللہ تعالی کے ساتھ متصل ہو جاتا ہے اور بے شک انوار شہود بشری صفات کو جلا ڈالتے ہیں۔ [3]

حضرت ابو العباس مرسیؒ فرماتے ہیں کہ اسم ذات **"اللہ"** اللہ اللہ کا ذکر کرنا بے حد اہم ہے۔ یہ اسم تمام اسماء کا سلطان ہے اس ذکر کی وسعت علم اور ثمرہ نور ہے۔ نور ذاتی طور پر مقصود نہیں بلکہ کشف اور معائنہ کے لیے ضروری ہے اس لیے اسم ذات اللہ کا کثرت سے ذکر کرنا چاہیے۔ [4]

حضرت امام ابو حنیفہ، امام کسائی، امام شعبی، اسماعیل بن اسحاق، ابو حفص اور جمہور علماء و صوفیاء کے نزدیک اسم ذات **"اللہ"** کے ذکر سے بڑھ کر کوئی اور ذکر نہیں۔

---

[1] (شرح مشکوۃ)، [2] (سورۃ الانعام، پ ۷، آیت نمبر ۹۱)، [3] (فیض القدیر)، [4] (انوار التحقیق)

نقشبندیہ طریقہ ذکر اسم ذات

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ فرماتے ہیں کہ تو جان لے اور آگاہ رہ کہ تیری سعادت بلکہ تمام انسانوں کی سعادت اور فلاح ونجات اپنے مولیٰ جل شانہ کے ذکر میں ہے جہاں تک ممکن ہو سکے تمام اوقات کو ذکر الٰہی میں مستغرق اور مصروف رکھنا چاہیے اور ایک لحظہ کے لیے بھی غفلت کو جائز نہیں سمجھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ دوام ذکر طریقہ حضرات نقشبندیہ میں ابتداء میں ہی میسر آ جاتا ہے اور نہایت ابتداء میں درج ہے کے طریقہ پر حاصل ہو جاتا ہے لہذا طالب کو اس بلند مرتبہ طریقہ کو اختیار کرنا زیادہ بہتر اور مناسب ہے بلکہ لازم وواجب ہے۔ پس تجھ پر لازم ہے کہ قبلہ توجہ کو ہر طرف سے موڑ کر اس طریقہ کے بلند مرتبہ اکابر کی طرف کرے اور ان کے باطن سے ہمت اور توجہ طلب کرے ابتداء میں ذکر کرنے سے چارہ نہیں۔

ذکر کی اہمیت بیان کرنے کے بعد طریقہ ذکر اس طرح بتلاتے ہیں کہ قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہونا چاہیے کیونکہ دل کے گوشت کا ٹکڑا قلب حقیقی (لطیفہ قلب) کے لیے حجرے اور گھر کی مانند ہے اور اسم مبارک "اللہ" کو اس قلب پر گزارے یعنی اللہ کی ضرب لگائے۔ اور اس وقت ارادے سے کسی عضو کو بھی حرکت نہ دے۔ مکمل طور پر قلب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جائے اور خیال میں بھی قلب صنوبری کی جگہ نہ دے اور اس طرف متوجہ نہ ہو۔ کیونکہ مقصود قلب کی طرف توجہ ہے نہ کہ اس کی صورت کا تصور۔ اور لفظ مبارک "اللہ" کے معنی کو بے مثال اور بے کیف ملاحظہ کرے اور کسی صفت کو بھی اس کے ساتھ نہ ملائے۔ اس کے حاضر وناظر ہونے کو بھی خیال میں نہ لائے تاکہ ذات اللہ تعالیٰ سبحانہ کی بلندی سے صفات کی پستی کی طرف نہ آئے اور اس سے شہود اور وحدت وکثرت میں نہ پڑے۔ اور بے کیف ذات کی گرفتاری سے چون اور کیف والی شے کے ساتھ آرام نہ پکڑے کیونکہ

جو چوں اور کیفیت شے میں نمایاں ہوگا وہ بے کیف نہیں ہوسکتا۔ اور جو کچھ کثرت میں نمودار ہوتا ہے وہ واحد حقیقی نہیں ہوسکتا۔ بے چوں ذات کو چوں کے دائرہ سے باہر تلاش کرنا چاہیے اور بسیط حقیقی کو احاطہ کثرت سے باہر طلب کرنا چاہیے۔

اور اگر بوقت ذکر الٰہی بے تکلف پیر کی صورت ظاہر ہو تو اسے بھی دل میں لے جائے اور دل میں بٹھا کر ذکر کرے۔ تم جانتے ہو کہ پیر کیسی ہستی ہے۔ پیر وہ ذات ہے کہ جناب قدس خداوندی جل شانہ تک پہنچنے کے راستے میں اس سے استفادہ کرتے ہو اور اس سے اس راہ سلوک میں طرح طرح کی مدد و اعانت حاصل کرتے ہو۔ [1]

سادہ الفاظ میں اس طرح ہے کہ جب ولی اللہ کسی مرید کو بیعت کرتا اور اپنی باطنی توجہ سے اس کے لطیفہ قلب کے اندر فیض اور نور داخل کرتا ہے اور پھر مرید کو لطیفہ قلب کے مقام پر اللہ اللہ کی ضربیں لگانے کا حکم دیتا ہے اس میں زبان بالکل بند ہوتی ہے صرف تصور سے اس جگہ اللہ اللہ کرتا ہے اس کے بعد شیخ باری باری دوسرے لطائف کو اپنے باطنی نور کے ذریعے کھولتا ہے اور ہر لطیفہ پر اسی طرح ذکر ہوتا ہے جس طرح بجلی کی کرنٹ کے بغیر برقی آلات نہیں چلتے اسی طرح ولی کامل کی توجہ کے نور کے بغیر لطائف زندہ نہیں ہوتے اور نہ صرف ذکر سے ذاکر ہوتے ہیں اہل معرفت پر یہ حقیقت روشن ہے۔ ذکر کے دوران تصور شیخ بھی ضروری ہے۔ اس سے شیخ کی روحانیت متوجہ ہوگی جو مرید کو نفس اور شیطان سے محفوظ کرے گی کیونکہ شیخ اس معاملے میں نبی ﷺ کے نائب کی حیثیت رکھتا ہے اسی نسبت کی وجہ سے شیخ روحانیت کے سامنے شیطان نہیں ٹھہر سکتا۔ اسم ذات کے ذکر کے دوران نفلی عبادات عالم امر طے کرنے تک بند ہوتی ہیں۔

---

[1] (مکتوب ۱۹۰، جلد اول)

طریقہ نفی اثبات

نفی اثبات سے مراد ہے لا الہ الا اللہ ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سانس کو بند کرے پھر کلمہ لا کو ناف سے اٹھا کر لطیفہ قالب تک پہنچائے اور اِلہَ کو دائیں کندھے تک لے جائے اور وہاں سے اَلا اللہ کو تلوار کی صورت چلا کر لطیفہ قلب پر مارے۔ نفی اثبات کرتے وقت سانس بند رکھے۔ تین، سات، گیارہ یا اس سے زائد طاق عدد پر سانس لے اور اور خیال وحال سے محمد رسول اللہ کہے۔ یہ سارا عمل زبان سے نہیں کرنا بلکہ تصور وحال سے کرنا ہے۔

سانس لینے کی حالت میں یہ دعا بھی دل ہی پڑھے۔

اِلٰھِیْ اَنْتَ مَقْصُوْدِیْ وَ رِضَاكَ مَطْلُوْبِی اَعْطِنِی مَحَبَّتَه ذَاتِكَ وَ مَعْرِفَتِه صِفَاتِكَ۔

نفی اثبات کرتے وقت ان چار معنی کو باری باری خیال میں رکھ کر کرے۔

۱۔ لا معبود الا اللہ، کوئی معبود نہیں مگر اللہ

۲۔ لا مقصود الا اللہ، نہیں کوئی مقصود میرا مگر اللہ

۳۔ لا مطلوب الا اللہ، نہیں کوئی میرا مطلوب مگر اللہ۔

۴۔ لا موجود الا اللہ، نہیں کوئی موجود مگر اللہ،

ان معانی کو مدنظر رکھ کر ذکر کرنا تصور معانی کہلاتا ہے۔
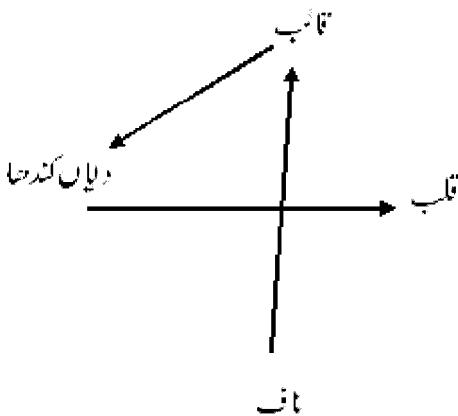
حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددی آیت مبارکہ: وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ۔[1] کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ شاید اس میں فنا قلب کی طرف اشارہ ہے فنا قلب کے بعد مومن سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا قصد نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو کسی سے امید نہیں رہتی ہے نہ خوف۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کا مقصود ہو جاتا ہے اور جو مقصود ہوتا ہے وہی معبود ہوتا ہے بلکہ بندہ مومن کا اللہ کے سوا کوئی چیز موجود دکھائی دیتی ہی نہیں۔ کیونکہ حقیقی وجود اللہ تعالیٰ کا ہے جبکہ دوسری چیزوں کا وجود ایک پرتو اور سایہ ہے۔[2]

حضرت شاہ ولی اللہ اپنے والد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ ۲۰۰ مرتبہ ایک سانس میں نفی اثبات کرتے تھے۔

---

[1] (سورۃ الفرقان، پ۱۹، آیت نمبر ۶۸)، [2] (تفسیر مظہری)

دستورالعمل نقشبندیہ

۱۔ذکرنفی اثبات کے دوران نفلی عبادات تہجد،اشراق،چاشت،اوابین ضروری ہیں۔

۲۔تلاوت کی کثرت کرنا اورمسنون اوقات میں مسنون سورتوں کا تلاوت کرنا مثلاً صبح کوسورۃ یٰسین، عصر کوسورۃ لنبا،مغرب سورۃ واقعہ،عشاءکوسورۃ تبارک الذی اورالم سجدہ اورجمع کوسورۃ کہف کی تلاوت لازم ہے۔

۳۔ختم خواجگان نقشبندیہ روزانہ عصر کے بعد پڑھنا۔

۴۔سوتے وقت آیۃ الکرسی چارقل،فاتحہ چاردفعہ،تیسراکلمہ چاردفعہ،تین دفعہ درودشریف،تین دفعہ سورۃ اخلاص،دس مرتبہ استغفراللہ،۳۳مرتبہ تسبیحات فاطمیؓ۔

۵۔روزانہ ۱۰۰مرتبہ استغفراللہ پڑھناہےاوراسکےعلاوہ ۲۵(پچیس)مرتبہ یہ مسنون استغفار پڑھیں اس سے گھراورشہر میں کوئی ناپسندیدہ واقعہ رونمانہیں ہوگا(حدیث)

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَالرحمٰنُ الرَّحیم، اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمَ الَّذِی لَا یَمُوْ تُ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ رَب اغْفِرْلِیْ۔

۶۔تمام لوگوں سے خوش اخلاقی سے پیش آنااورکوشش کرنا کہ ہاتھ زبان بلکہ کسی طرح بھی کسی مسلمان کونقصان اورتکلیف نہ پہنچائے۔

۷۔رزق حلال پرقائم رہنا۔

۸۔اہل خانہ،رشتہ داروں اوربڑوسیوں بلکہ سب لوگوں کےحقوق کی پاسداری کرنا۔

۹۔اپنے شیخ کی خدمت میں لازمی طورپرچالیس دن(۴۰)اندرحاضری کرنا۔

۱۰۔شیخ طریقت ہونے کی صورت میں طالبان حق مریدین کی عزت کاخیال رکھنا۔

۱۱۔تمام کاموں میں آپ ﷺ کی سنتوں کو لازمی پکڑنا۔

اذکار مشائخ چشتیہ

سلسلہ عالیہ چشتیہ کے بزرگان طریقت نے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے لیے بارہ تسبیح مقرر فرمائی ہیں جوکہ تیرہ تسبیح بنتی ہیں۔یعنی ۱۳۰۰ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔لا الہ الا اللہ =200بار

۲۔اِلَّا اللہ =400بار

۳۔اَللّٰہُ اللہ =600بار

۴۔اللہ =100بار

مشائخ کی اصطلاح میں یہ بارہ تسبیح کہلاتی ہے۔

طریقہ ذکر نفی اثبات

۱۔نماز تہجد کے بعد توبہ واستغفار عجز وانکساری سے کرے اور اس کے بعد یہ دعا بحضور قلب پڑھے:

اَللّٰھُمّ طَھِر قَلْبِی عَن غَیْرِ کَ وَ نَوِّرُ قَلْبِی بِنُوْرِ مَعْرِفَتِکَ یا اللّٰہ یا اللّٰہ یا اللّٰہ

۲۔پھر گیارہ دفعہ استغفار اور گیارہ مرتبہ درود وسلام پڑھے۔

۳۔پھر چارزانو بیٹھے اور داہنے پاؤں کے انگوٹھے سے اور جو انگلی اس کے پاس ہے اس سے رگ کیماس کو بائیں زانو کے اندر سے مضبوط پکڑے اور کمر کو سیدھا کر کے ذکر شروع کرے۔

۴۔اَعوذُ بِاللّٰہ مِنَ الشیطان لرجیم

بسم اللّٰہ حمن الرحیم، پڑھنے کے بعد تین مرتبہ لا الہ الا اللہ اور ایک مرتبہ اَشْھَد اَنْ لَا اِلٰہ الا اللّٰہ وَ اَشْھَدُ اَنّ مُحَمّدَ عَبْدُہ‘ وَ رسُو لُہ‘، پڑھنا ہے۔

۵۔اب سر کو قلب (جو کہ زیر پستان چپ بفاصلہ دو انگشت کے واقع ہے) کی طرف جھکا کر کلمہ لا کو قوت سے دل کے اندر کھینچے اور الہ کو داہنے مونڈھے پر لے جا کر سر کو پشت کی طرف مائل کر کے خیال کرے غیر اللہ کو دل میں سے نکال کر پشت پر ڈال دیا ہے اور دم کو چھوڑ کر لفظ اِلَّا اللہُ کو زور سے دل پر ضرب کرے۔اس کے ساتھ یہ خیال بھی کرے کہ عشق اور نور الٰہی کو دل میں داخل کیا۔

یہ نفی اثبات (لا الہ الا اللہ) ۲۰۰ دفعہ کرنا ہے۔اور ہر ۹ دفعہ کے بعد محمد رسول اللہ پڑھنا ہے۔

٦۔اس کے بعد پھر تین دفعہ بطور سابق کلمہ طیبہ اور ایک دفعہ کلمہ شہادت پڑھے۔

نوٹ: مبتدی کلمہ لا اِلٰہ میں لامَعْبُودَ ملاحظہ کرے۔اور متوسط لامَقصُودَ ملاحظہ کرے جبکہ منتہی لامَوْجُود ملاحظہ کرے۔

ے۔اس کے بعد دو لمحہ کے لیے مراقب ہو کر تصور کرے کہ فیضان الٰہی عرش سے میرے سینہ میں آتا ہے۔

طریقہ ذکر اثبات مجرد

دو زانو بیٹھ کر کمر سیدھی کرے اور سر کو داہنے مونڈھے پر لے جا کر لفظ اِلَّا اللہُ زور سے دل پر ضرب کرے یہ ذکر ۴۰۰ دفعہ کرنا ہے۔پھر تین بار کلمہ طیبہ اور ایک مرتبہ کلمہ شہادت اور دو لمحے مراقب رہے۔

طریقہ ذکر اسم ذات

آنکھیں بند کر کے سر کو داہنے مونڈھے پر لا کر اللہ' اللہ کی ضرب جہر اور قوت سے دل پر مارے یہ ذکر (چھ سو) ٦٠٠ بار کرنا ہے ہر گیارھویں بار اَللہُ حَاضِری، اَللہُ نَاظِرِی، اللہ مَعِیْ پڑھنا ہے۔

اس کے بعد کلمہ طیبہ تین باراور کلمہ شہادت ایک بار پڑھنا ہے۔

اس کے بعد حسب سابق صرف اللہ کی ضرب دل پر مارے۔ یہ ایک صد (۱۰۰) دفعہ کرنا ہے پھر کلمہ طیبہ تین باراور کلمہ شہادت ایک بار کرنا ہے اس کے بعد درود وسلام اور استغفار گیارہ گیارہ دفعہ کرنا ہے۔اس کے بعد عاجزی سے دعا کرے۔

نوٹ: بزرگان طریقت چشتیہ کے نزدیک سماع بہت ضروری ہے۔

دستورعمل چشتیہ

۱۔سالکین طریقت کے لیے ضروری ہے کہ عقائدومسائل ضرور یہ سیکھے۔

۲۔تہجد اخیر شب میں باقاعدگی سے ادا کرے۔

۳۔پانچوں فرض نمازوں کے بعد سبحان اللہ ۱۰۰ بار، لا الہ الا اللہ ۱۰۰ بار، اللہ اکبر ۱۰۰ بار پڑھے اور آیۃً الکرسی ایک بار پڑھے۔

۴۔سوتے وقت استغفار ۱۰۰ بار، حضرت سیدنا علیؓ سے منقول پانچ مسنون ذکر، چارقل پڑھے۔

۵۔صبح کی نماز کے بعد سورۃ یٰسین ایک مرتبہ اور ۱۰۰ مرتبہ درود وسلام پڑھے۔

۶۔ظہر کے بعد منزل دلائل خیرات اور اللہ الصمد ۵۰۰ بار پڑھے۔

۷۔عصر کے بعد عم یتسائلون ایک بار جبکہ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین ۱۰۰ بار پڑھے۔

۸۔مغرب کے بعد سورۃ واقعہ ۱۰۰ مربہ درود وسلام۔

۹۔عشاء کے بعد سورۃ ملک،الم سجدہ اور ایک بار یاحی یاقیوم برحمتک استغیث اور سورۃ حشر کی تین آیات توحید تین بار پڑھے۔اَللّٰھُم اَجِر نِی مِنَ النار سات بار پڑھے۔

۱۰۔مرشد کی عقیدت ومحبت اور وہاں حاضری کولازمی سمجھے۔

۱۱۔محفل سماع میں شوق و ذوق سے شریک ہو۔

۱۲۔محافل نعت میں روحانی غذا کے حصول کی نسبت سے حاضری کرے۔

۱۳۔زندگی کے تمام معاملات نبی اکرم ﷺ کی نورانی سنتوں پر محبت سے عمل پیرا ہو۔

۱۴۔حدیث میں ہے کہ ایمان کے بعد حلال کی طلب فرض ہے۔لہذا تمام حلال چیزوں کو لازمی پکڑے۔

اذکار مشائخ سہروردیہ

سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے صوفیہ کے یہاں مشہور ہے کہ امام ولایت عظمی حضرت علیؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھ کو وہ راستہ دکھایئے جو بندگان خدا پر سب سے زیادہ قریب ہو اور سہل تر ہو اور حق تعالی کے نزدیک سب سے افضل ہو۔سیدنا حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ خلوت میں ذکر پر مداومت کو لازم پکڑلو۔حضرت علی شیر خداؓ نے عرض کیا ذکر کس طرح کروں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی آنکھیں بند کرلو اور مجھ سے سنو۔اس کے بعد آپ ﷺ نے تین بار لا الہ الا اللہ کہا اور حضرت علی شیر خداؓ سن رہے تھے۔پھر تین مرتبہ حضرت علیؓ نے کہا اور حضور نور مجسم ﷺ سنتے تھے۔یہ سلسلہ حضرت علیؓ سے حضرت حسن بصری نے حاصل کیا جو سلسلہ بہ سلسلہ حضرت ابونجیب سہروردیؒ تک پہنچ گیا۔لہذا ثابت ہوا اس سلسلہ کا ذکر بھی لا الہ الا اللہ ہے۔

طریقہ ذکر پاس انفاس

ایک طریقہ ذکر اسطرح بھی بیان ہوا ہے کہ جلی ذکر ہو یا خفی ذکر اس کو اس طرح کرے۔ سانس باہر نکلنے کے وقت لا الہ پڑھے اور سانس اندر داخل کرتے وقت الا اللہ پڑھے اس کے بعد منہ بند کر کے دم کو ذاکر کرے اور نظر ناف پر رکھے وہاں سے ذکر جاری کرے۔

اللہ ھُو کا ذکر

لفظ مبارک "اللہ" کو سانس کے ساتھ اوپر کھینچے اور ھُو کے ساتھ سانس کو چھوڑ دے۔ ذکر اتنے دھیان اور کثرت سے کرے کہ دم ذاکر اور مستغرق بذکر ہو جائے۔

دستور عمل سہروردیہ

ا۔ جب نماز فجر کے لیے اٹھے تو باوضو ہو کر اٹھنے کی دعا اور کلمہ شہادت پڑھ کر فجر کا استقبال کرے۔ آذان خود دے یا آذان کا جواب لازمی دے۔ مسجد میں داخل ہو کر مسنون دعا پڑھے جب گھر سے باہر نماز کے لیے نکلے تو یہ مسنون دعا لازمی پڑھے:

رَبِّ اَدْخِلْنِی مُدْخَلَ صِدْقٍ و اَخْرِجْنِی مُخْرَجَ صِدْقٍ وَا جْعَل لِّی مِنْ لَّدُنْكَ سُلطَانًا نصِيرًا۔

۲۔ مشائخ سہروردیہ طلوع آفتاب سے پہلے مسبعات یعنی دس اوراد میں سے ہر ایک کو سات مرتبہ پڑھتے ہیں۔

1۔ فاتحہ　　2۔ قل اعوذ برب الناس　　3۔ قل اعوذ برب الفلق

4۔ قل ھو اللہ　　5۔ قل یایھا الکافرون　　6۔ آیۃ الکرسی

7۔ سبحان اللہ　　8۔ الحمد للہ　　9۔ لا الہ الا اللہ

10۔ اللہ اکبر

۳۔ نوافل اشراق، چاشت اور اوابین کی پابندی کرنا اور تہجد کی کوشش کرنا اور دوپہر کو مسنون قیلولہ کرنا۔

۴۔ عصر کے بعد مندرجہ ذیل اوراد میں سے ہر ایک کو ۱۰۰ بار پڑھنا۔

1۔لا اله الا اللّٰه وحده لا شريك له له الملك اله الحمد و هو على كل شئى قدير

2۔ لا اله الا اللّٰه الملك الحق المبين

3۔تیسرا کلمہ

4۔سبحان اللّٰه وَ بِحمدِه سبحان اللّٰه العظيم و بحمده استغفِرُ۔

5۔اللهم صَل عَلٰى محمدِ وَ على الِ محمدِ۔

6۔استغفر اللّٰه العظيم الذى لا اله الا هو الحيى القيوم و اسئله لتوبه۔

7۔ماشاء اللّٰه لا قوة االا با اللّٰه

۵۔رات کو سورۃ تبارک الذی پڑھے۔

۶۔رات کو تمام مسنون وضائف پڑھ کر سوئے۔

۷۔زندگی کے تمام معاملات سنت پر شوق سے عمل کرے۔[1]

اذکار مشائخ قادریہ

سلسلہ عالیہ قادریہ کے مشائخ کرام روحانی سلوک طے کرنے کے دوران ان اذکار کو بطور ذکر معمول بناتے ہیں۔یازدہ اسباق یہ ہیں۔

۱۔لا الہ الا اللہ

۲۔ اِلا اللہ

۳۔اَللہ

---

[1] (عوارف المعارف)

۴۔اللہ ھو۔

۵۔ھُوَ اللہ

۶۔ھوھوھو۔

۷۔اللہ لا الٰہ الاھو۔

۸۔اَنْ لا اِلٰہ اِلاَّ ھُو۔

۹۔ھُوَ الحَق ھُو۔

۱۰۔ھُوَ اللہ الَّذِی لا الٰہ الاھو۔

۱۱۔اَنْتَ الھَادِی اَنْتَ الحَق لَیْسَ الھَادی الاھو۔

ان کو ترتیب وار ایک ایک سو بار عشاء یا سحر یا فجر ذکر کرنا ہے۔ [۱]

طریقہ پاس انفاس

عارف ربانی غوث الزمان حضرت خواجہ عبدالرحمٰن چھوہرویؒ فرماتے ہیں کہ پاس انفاس میں دن رات، ہر آن فان میں بکثرت اشغال اس طرح پر کریں کہ سانس اندر جائے با کامل اسم ذات شریف اور سانس باہر آئے بھی بکامل اسم ذات سریف۔ [۲]

طریقہ ذکر نفی اثبات

اس کا طریقہ یہ ہے کہ خلوت میں قبلہ رخ ہو کر باادب بیٹھے اور آنکھیں بند کر کے لانفی کر زیر ناف سے زور اور سختی کے ساتھ نکال کے اور دراز کر کے داھنے مونڈھے تک لے جائے اور اِلٰہَ کو

---

[۱] (مکتوبات رحمانیہ)، [۲] (مکتوبات رحمانیہ)

دماغ سے نکال دے اور الا اللہ کو قوت سے دل پر ضرب کرے۔ اور لا الہ سے نفی معبودیت اور موجودیت غیر اللہ کے ملاحظہ کرے تا کہ وجود غیر کا نظر سے اٹھ جائے اور الا اللہ سے اثبات وجود مطلق حق سبحانہ تعالی کا کرے اس طرح گیارہ سو بار ہر روز کیا کرے۔

نفی اثبات حبس دم

نفی اثبات کے ذکر کو حبس دم بھی کرتے ہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ زبان کو تالو سے لگائے اور آنکھیں بند ہوں۔ سانس کو ناف سے کھینچ کر دل میں قرار دے۔ پھر اسی طرح لا الہ کو دل سے نکال کر دائیں مونڈھے تک لے جائے اور وہاں سے اِلا اللہ کی ضرب دل پر مارے۔ [1]

دستور عمل قادریہ

۱۔ ختم غوثیہ پابندی سے پڑھنا۔

۲۔ اسم ذات کا تصور کرنا۔

۳۔ یا اللہ کو تحریراً لکھنا۔

۴۔ کلمہ تمجید ۳۰۰ روزانہ پڑھنا۔

۵۔ ۱۱۱ دفعہ درود شریف ہر نماز کے بعد پڑھنا۔ یا اللہ یا ھادی یا رشید، صبح اور شام ۲۰۰ بار پڑھنا۔

۶۔ سورۃ فاتحہ، آیۃ الکرسی، سورۃ بقرہ آخری آیات اور سورۃ کوثر پڑھنا۔

۷۔ کلمہ لا الہ الا اللہ، اِلا اللہ اور اللہ کو ۳۰۰ بار صحر یا عشاء کے وقت پڑھنا۔

۸۔ درود تنجینا ۱۱۱ مرتبہ پڑھنا۔

---

[1] (کلیات امدادیہ)

۹۔ومن یتق اللّٰہ یجعل له مخر جا و یر زقه من حیث لا یحتسب و من یتو کل علی اللّٰہ فھو حسبه، بعد نماز مغرب پڑھنا سب مشکلات کے حل کے لیے کافی ہے۔

۱۰۔یا وھابُ یَا رَزّاقُ اِفۡتَحۡ لَنَا ابواب الرزق،۱۴ بار صبح نماز سے پہلے اور عشاء کو کشادگی رزق ہو گی۔

فوائد ذکر

نصوص قرآنی واحادیث نبوی ﷺ سے ذکر ثابت ہے قرآن مجید میں نماز کو بھی ذکر فرمایا گیا ہے: وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ۔[۱]

ترجمہ: میرے ذکر (یاد) کے لیے نماز قائم کر۔

اسی طرح قرآن کو بھی اللہ تعالیٰ نے ذکر قرار دیا ہے: اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ۔[۲]

ترجمہ: ہم نے قرآن کو (ذکر) نازل کیا اور ہم اس کے محافظ ہیں۔

مگر قرآن وحدیث سے مطلق ذکر بھی ثابت ہے جو قرآن اور نماز کے علاوہ ہے۔ ہماری مراد یہاں ذکر مطلق ہے یہ ذکر مطلق منصوص ہے۔

قرآن مجید میں آتا ہے: فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانۡتَشِرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ وَ اذۡکُرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا لَّعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ۝[۳]

ترجمہ: پس جب نماز پوری ہو چکے تو تم زمین میں چلو پھرو اور خدا سے روزی تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

---

[۱] (سورۃ طٰہٰ، پ ۱۶، آیت نمبر ۱۴)، [۲] (سورۃ الحجر، پ ۱۴، آیت نمبر ۹)، [۳] (سورۃ الجمعۃ، پ ۲۸، آیت نمبر ۱۰)

اسی طرح فرمان الٰہی ہے: رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۔[1]

ترجمہ کنزالایمان: وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید وفروخت اللہ کی یاد اور نماز برپا کرنے اور زکوۃ دینے سے۔

اور فرمان ہے: فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ ۔[2]

ترجمہ: کہ پس جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو۔

اور قرآن مجید میں آتا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝[3]

ترجمہ: اے مومنوں جب تمھارا مقابلہ کسی جماعت سے ہو تو ثابت قدم رہا کرو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اسی طرح حبیب مکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ تلاوت قرآن کو لازم پکڑ اور ذکر الٰہی کیا کر کیونکہ اس سے آسمان میں تیرا ذکر ہوگا زمین میں تیرے لیے نور ہے۔

اسی طرح حضرت علامہ خواجہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں کہ و ذکر ربك فی نفسك ای فی قلبك یعنی تو اپنے قلب میں اللہ تعالی کا ذکر کر۔

لہذا ثابت ہوتا ہے کہ ذکر سے مراد اکثر مقامات پر قرآن اور نماز نہیں ہے بلکہ اس کو صرف ذکر مطلق پر محمول کرتے ہیں۔

لہذا اللہ تعالی رب العزت کا حکم اور نبی اکرم ﷺ کی مبارک سنت سمجھ کر کے زبان اور

---

[1] (سورۃ النور، پ۱۸، آیت نمبر۳۷)، [2] (سورۃ النسآء، پ۵، آیت نمبر۱۰۳)، [3] (سورۃ الانفال، پ۱۰، آیت نمبر۴۵)

قلب وروح سے ہروقت ذکر کرنا لازمی ہے۔اس رب کریم کی حمد وثناء اور ذکر تو بندہ مومن کی فطرت میں داخل ہے جس نے انسان کو عدم سے وجود عطا فرمایا۔اس پاک ذات نے اس ناچیز انسان کو وجود اور ایمان واسلام کی نعمت عطا فرمائی۔لہذا ذکر انسان پر شکر گزاری کے طور پر فرض ہے۔مگر اس کے باوجود قرآن وحدیث میں ذکر کے بے شمار فوائد بیان ہوئے ہیں تا کہ انسان کے لالچی مزاج کی تشفی ہو۔اگر کوئی عشق سے اللہ کی طرف نہیں بڑھتا تو لالچ اور فائدے کے لیے ہی ذکر کر لے یہاں لہذا کسی بد بخت کے روکنے سے نہیں رکنا چاہیے کیونکہ خود کو غافل کرنا ایسا ہے جیسے کسی نے اپنے آپ کو شیطان اور نفس کے سپر کر دیا۔

حضرت علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں وہ لوگ بدعتی اور ریا کار ہیں جو اللہ تعالی تک پہنچنے والے طریق سے روکتے ہیں۔آپ آیت: اَلَّذِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ یَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا۔[1] کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جو لوگ سالکین کو اس طریق (اولیاء) سے روکتے ہیں جو موصل الی الحق ہے اور اس میں کجی کا ارادہ کرتے ہیں اور اس طریق کو اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ سالکین و مریدین کو اس سے نفرت پیدا ہو جائے اور اس طریق حق سے ہٹ جائیں جس طرح کہ بدعتی اور ریا کاروں کا طریقہ کار ہے وہ لوگوں کو حق سے دور کرتے ہیں۔ [2]

اب ذکر کے کچھ فوائد بیان کیے جاتے ہیں تا کہ رغبت پیدا ہو اور لوگ اللہ تعالی کے ذکر کو شوق ومحبت سے کریں اور کسی روکنے والے بدنصیب کی باتوں کو خاطر میں نہ لائیں۔

۱۔حضرت ابو ھریرہؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "حلقہ ذکر کو فرشتے ان کی عظمت کی بناء پر گھیر لیتے ہیں۔رحمت الہی انھیں ڈھانپ لیتی ہے۔ان پر راحت و سکون کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تبارک وتعالی فرشتوں کے سامنے ان کا تذکرہ فرماتا ہے"۔ [3]

---

[1] (سورۃ الاعراف، پ۸، آیت نمبر۴۵)، [2] (تفسیر روح المعانی)، [3] (مسلم، ترمذی)

۲۔حضرت ابو سعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ "میرا وہ بندہ جو تلاوت اور ذکر میں مشغولیت کے سبب مجھ سے سوال نہ کر سکے مگر اسے دیگر سوال کرنے والوں سے بڑھ کر عطا کرتا ہوں"۔ ۱؎

۳۔حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "قیامت کے دن اللہ تعالی فرمائے گا کہ عنقریب اہل محشر اہل کرم کو جان لیں گے۔صحابہ کرام کے استفسار پر آپ ﷺ نے فرمایا اہل کرم مسجدوں میں حلقہ ذکر منعقد کرنے والے ہیں۔ ۲؎

۴۔حضرت امیر معاویہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ کا گزر ایک حلقہ ذکر پر ہوا،تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: تم لوگ کس لیے بیٹھے ہو؟

انہوں نے عرض کیا: ہم اللہ کے ذکر اور اس کی حمد وثناء کے لیے بیٹھے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا حق تعالی فرشتوں کے سامنے تم پر فخر فرماتا ہے"۔ ۳؎

۵۔حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو لوگ حلقہ ذکر منعقد کرتے ہیں انھیں آسمان سے ندا کی جاتی ہے۔تم لوگ حلقہ ذکر سے اس حال میں اٹھو کہ تمھارے سارے گناہ بخش دیئے گئے اور تمھاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئیں"۔ ۴؎

۶۔حضرت ثابتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک حلقہ ذکر پر گزر رہوا۔جس میں حضرت سلمان بھی تشریف فرما تھے۔اہل ذکر آپ ﷺ کو دیکھ کر رک گئے۔آپ ﷺ نے پوچھا: تم لوگ کیا کر رہے تھے؟۔

۱؎ (ترمذی،بیہقی)، ۲؎ (بیہقی،مسند امام احمد)، ۳؎ (مسلم)، ۴؎ (مسند امام احمد)

انہوں نے عرض کیا: ہم اللہ کا ذکر کر رہے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: "میں نے دیکھا کہ رحمت خداوندی تمھارے اوپر نازل ہو رہی ہے۔ میں نے بھی چاہا کہ تمھارے ساتھ شریک ہو جاؤں۔ تمام تر تعریف اللہ بزرگ و برتر کے لیے جس نے میری امت کو ایسی عظمت بخشی کہ اس میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کی معیت میں صبر اختیار کرنے کا مجھے حکم ہوا۔[1]

۷۔ ذکر شیطان کو رفع کرتا ہے اور اسکی قوت کو توڑتا ہے۔

۸۔ اللہ جل جلالہ کی خوشنودی کا سبب ہے۔

۹۔ دل سے فکر و غم کو دور کرتا ہے۔

۱۰۔ دل میں فرحت سرور اور انبساط پیدا کرتا ہے۔

۱۱۔ بدن کو اور دل کو قوت بخشتا ہے۔

۱۲۔ چہرہ اور دل کو منور کرتا ہے۔

۱۳۔ رزق کو کھینچتا ہے۔

۱۴۔ ذکر کرنے والے کو ہیبت اور حلاوت کا لباس پہناتا ہے یعنی اسکے دیکھنے سے رعب پڑتا ہے اور دیکھنے والوں کو حلاوت نصیب ہوتی ہے۔

۱۵۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ کی محبت پیدا کرتا ہے اور محبت ہی اسلام کی روح اور دین کا مرکز ہے اور سعادت اور نجات کا مدار ہے جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ کی محبت تک اسکی رسائی ہو اس کو چاہیے کہ اسکے ذکر کی کثرت کرے جیسا کہ پڑھنا اور تکرار کرنا علم کا دروازہ ہے اسی طرح اللہ کا ذکر اس کی محبت کا دروازہ ہے۔

---

[1] (مسند امام احمد)

۱۶۔ذکر سے مراقبہ نصیب ہوتا ہے جو مرتبہ احسان تک پہنچادیتا ہے یہی مرتبہ ہے جس میں اللہ تعالی کی عبادت ایسی نصیب ہوتی ہے گویا اللہ جل شانہٗ کو دیکھ رہا ہے (یہی مرتبہ صوفیہ کا منتہائے مقصد ہوتا ہے)۔

۱۷۔اللہ کی طرف رجوع پیدا کرتا ہے جس سے رفتہ رفتہ یہ نوبت آجاتی ہے کہ ہر چیز میں حق تعالی شانہٗ اسکی جائے پناہ اور ماوی وملجا بن جاتے ہیں اور ہر مصیبت میں اسی کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔

۱۸۔اللہ کا قرب پیدا کرتا ہے اور جتنا ذکر میں اضافہ ہوتا ہے اتنا ہی قرب میں اضافہ ہوتا ہے اور جتنی ذکر سے غفلت ہوتی ہے اتنی ہی اللہ سے دوری ہوتی ہے۔

۱۹۔اللہ کی معرفت کا دروازہ کھولتا ہے۔

۲۰۔اللہ جل شانہٗ کی ہیبت اور اسکی بڑائی دل میں پیدا کرتا ہے اور اللہ کے ساتھ حضوری پیدا کرتا ہے۔

۲۱۔اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں ذکر کا سبب ہے چنانچہ کلام پاک میں ارشاد ہے: فَاذْکُرُوْنِی اَذْکُرْکُمْ اور حدیث میں وارد ہے: مَنْ ذَکَرَ فِیْ نَفْسِہٖ ذَکَرْتُہٗ حِیْ نَفْسِیْ الحدیث چنانچہ آیات اوراحادیث کے بیان میں پہلے مفصل گزر چکا ہے اگر ذکر میں اسکے سوا اور کوئی بھی فضیلت نہ ہوتی تب بھی شرافت اور کرامت کے اعتبار سے یہی ایک فضیلت کافی تھی چہ جائیکہ اس میں اور بھی بہت سی فضیلتیں ہیں۔

۲۲۔دل کو زندہ کرتا ہے۔حافظ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ اللہ کا ذکر دل کے لیے ایسا ہے جیسا مچھلی کے لیے پانی۔خود غور کرلو کہ بغیر پانی کے مچھلی کا کیا حال ہوتا ہے۔

۲۳۔دل اور روح کی روزی ہے اگر ان دونوں کو اپنی روزی نہ ملے تو ایسا ہے جیسا بدن کو اس کی روزی (یعنی کھانا) نہ ملے۔

۲۴۔ دل کو زنگ سے صاف کرتا ہے جیسا کہ حدیث میں بھی وارد ہوا ہے ہر چیز پر اسکے مناسب زنگ اور میل کچیل ہوتا ہے دل کا میل اور زنگ خواہشات اور غفلت ہے ذکر اسکے لیے صفائی کا کام دیتا ہے۔

۲۵۔ لغزشوں اور خطاؤں کو دور کرتا ہے۔

۲۶۔ بندہ کو اللہ جل شانہ، سے جو وحشت ہو جاتی ہے اس کو دور کرتا ہے کہ غافل کے دل پر اللہ کی طرف سے ایک وحشت رہتی ہے جو ذکر ہی سے دور ہوتی ہے۔

۲۷۔ جو اذکار بندہ کرتا ہو وہ عرش کے چاروں طرف بندہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

۲۸۔ جو شخص راحت میں اللہ جل شانہ، کا ذکر کرتا ہے اللہ جل جلالہ، مصیبت کے وقت اسکو یاد کرتا ہے۔

۲۹۔ اللہ کے عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے۔

۳۰۔ سکینہ اور رحمت کے اترنے کا سبب ہے اور فرشتے ذکر کرنے والے کو گھیر لیتے ہیں۔

۳۱۔ اس کی برکت سے زبان غیبت، چغلخوری، جھوٹ، بدگوئی، لغوگوئی سے محفوظ رہتی ہے۔ چنانچہ تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے جس شخص کی زبان اللہ کے ذکر کی عادی ہو جاتی ہے وہ ان لغویات سے عموماً محفوظ رہتا ہے۔ اور جس کی زبان عادی نہیں ہوتی ہر نوع کی لغویات میں مبتلا رہتا ہے۔

۳۲۔ ذکر کی مجلسیں فرشتوں کی مجلسیں ہیں اور لغویات اور غفلت اور غفلت کی مجلسیں شیطان کی مجلسیں ہیں اب آدمی کو اختیار ہے جس قسم کی مجلسوں کو چاہے پسند کرلے اور ہر شخص اسی کو پسند کرتا ہے جس سے مناسبت رکھتا ہے۔

۳۳۔ ذکر کی وجہ سے ذکر کرنے والا بھی سعید (نیک بخت) ہوتا ہے اور اسکے پاس بیٹھنے والا بھی اور

غفلت یالغویات میں مبتلا ہونے والا خود بھی بدبخت ہوتا ہے اور اسکے پاس بیٹھنے والا بھی۔

۳۴۔قیامت کے دن حسرت سے محفوظ رکھتا ہے اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ ہر وہ مجلس جس میں اللہ کا ذکر نہ ہو قیامت کے دن حسرت اور نقصان کا سبب ہے۔

۳۵۔ذکر کے ساتھ اگر تنہائی کا رونا بھی نصیب ہو جائے تو قیامت کے دن تپش اور گرمی میں جبکہ ہر شخص میدان حشر میں بلبلا رہا ہوگا۔ یہ عرش کے سایہ میں ہوگا۔

۳۶۔ذکر میں مشغول رہنے والوں کو ان سب چیزوں سے زیادہ ملتا ہو۔ جو دعا میں مانگنے والوں کو ملتی ہیں۔حدیث میں اللہ جل شانہ' کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جس شخص کو میرے ذکر نے دعا سے روک دیا اسکو میں دعا مانگنے والوں سے افضل عطا کروں گا۔

۳۷۔باوجود سہل ترین عبادت ہونے کے تمام عبادتوں سے افضل ہے اس لیے زبان کو حرکت دینا بدن کے اور تمام اعضاء کو حرکت دینے سے سہل ہے۔

۳۸۔اللہ کا ذکر جنت کے پودے ہیں۔

۳۹۔جس قدر بخشش اور انعام کا وعدہ اس پر ہے اتنا کسی اور عمل پر نہیں چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص: لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہ وَحْدَہ' لَا شَرِیْكَ لَہ' لَہُ الْمُلْكُ وَلِہ' الْحَمْدُ وَ ھُوَ عَلٰی كُلِّ شَئی قَدِیْرُ'۔ سومرتبہ کسی دن پڑھے تو اسکے لیے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ہوتا ہے اور سونیکیاں اسکے لیے لکھی جاتی ہیں اور سو برائیاں اس سے معاف کردی جاتی ہیں اور شام تک شیطان سے محفوظ رہتا ہے اور دوسرا کوئی شخص اس سے افضل نہیں ہوتا مگر وہ شخص کہ اس سے زیادہ عمل کرے اسی طرح اور بہت سی احادیث ہیں جن سے ذکر کا افضل اعمال ہوتا معلوم ہوتا ہے۔

۴۰۔دوام ذکر کی بدولت اپنے نفس کو بھولنے سے امن نصیب ہوتا ہے جو سبب ہے دارین کی شقاوت کا اس لیے کہ اللہ کی یاد کو بھلا دینا سبب ہوتا ہے خود اپنے نفس کے بھلا دینے کا اور اپنے تمام مصالح

کے بھلا دینے کا چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ ط اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ہ [1]

ترجمہ: تم ان لوگوں کی طرح نہ بنو جنہوں نے اللہ سے بے پروائی کی پس اللہ نے ان کو اپنی جانوں سے بے پروا کر دیا۔

یعنی ان کی عقل ایسی ماری گئی کہ اپنے حقیقی نفع کو نہ سمجھا اور جب آدمی اپنے نفس کو بھلا دیتا ہے تو اسکی مصالح سے غافل ہو جاتا ہے۔ اور یہ سبب ہلاکت کا بن جاتا ہے جیسا کہ کسی شخص کی کھیتی ہو یا باغ ہو اور اسکو بھول جائے اسکی خبر گیری نہ کرے تو لامحالہ وہ ضائع ہوگا اور اس سے امن جب ہی مل سکتا ہے جب اللہ کے ذکر سے زبان کو ہر وقت تر و تازہ رکھے اور ذکر اسکو محبوب ہو جائے جیسا کہ پیاس کی شدت کے وقت پانی اور بھوک کے وقت کھانا اور سخت گرمی اور سخت سردی کے وقت مکان اور لباس بلکہ اللہ کا ذکر اس سے زیادہ کا مستحق ہے اس لیے کہ ان اشیاء کے نہ ہونے سے بدن کی ہلاکت ہے جو روح کی اور دل کی ہلاکت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔

۴۱۔ ذکر آدمی کی ترقی کرتا رہتا ہے بستر ہ پر بھی اور بازار میں بھی صحت میں بھی اور بیماری میں بھی نعمتوں اور لذتوں کے ساتھ مشغولی میں بھی اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ہر وقت ترقی کا سبب بنتی ہو حتی کہ جس کا دل نور ذکر سے منور ہو جاتا ہے وہ سوتا ہوا بھی غافل شب بیداروں سے بڑھ جاتا ہے۔

۴۲۔ ذکر کا نور دنیا میں بھی ساتھ رہتا ہے اور آخرت میں پل صراط پر آگے آگے چلتا ہے۔ حق تعالی شانہٗ کا ارشاد ہے: اَوَ مَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ وَجَعَلْنَا لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ کَمَنْ مَّثَلُہٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْھَا۔ [2]

---

[1] (سورۃ الحشر، پ ۲۸، آیت نمبر ۱۹)، [2] (سورۃ الانعام، پ ۸، آیت نمبر ۱۲۲)

ترجمہ: ایسا شخص جو پہلے مردہ یعنی گمراہ تھا پھر ہم نے اسکو زندہ یعنی مسلمان بنا دیا اور اسکو ایسا نور دے دیا کہ وہ اس نور کو لیے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے یعنی وہ نور ہر وقت اسکے ساتھ رہتا ہے کیا ایسا شخص بدحالی میں اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو گمراہیوں کی تاریکیوں میں گھرا ہو کہ ان سے نکلنے ہی نہیں پاتا۔

پس اول شخص مومن ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی محبت اور اس کی معرفت اور اسکے ذرک سے منور ہے اور دوسرا شخص ان چیزوں سے خالی ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ نور نہایت مہتم بالشان چیز اور اسی میں پوری کامیابی ہے اسی لیے نبی اکرم ﷺ اس کی طلب اور دعا میں مبالغہ فرمایا کرتے تھے اور ہر ہر جزو میں نور کو طلب فرماتے تھے چنانچہ احادیث میں متعدد دعائیں ایسی ہیں جن میں حضور اقدس ﷺ نے اس کی دعا فرمائی ہے کہ حق تعالی شانہ' آپ کے گوشت میں ہڈیوں میں پٹھوں میں بال میں کھال میں کان میں آنکھ میں اوپر نیچے دائیں بائیں آگے پیچھے نور ہی نور کر دے حتی کہ یہ بھی دعا کی کہ خود مجھی کو سرتاپا نور بنا دے کہ آپ کی ذات ہی نور بن جائے اسی نور کی بقدر اعمال میں نور رہوتا ہے حتی کہ بعض لوگوں کے نیک عمل ایسی حالت میں آسمان پر جاتے ہیں کہ ان پر آفتاب جیسا نور رہوتا ہے اور ایسا ہی نور ان کے چہروں پر قیامت کے دن ہوگا۔

۴۳۔ ذکر تصوف کا اصل اصول ہے اور تمام صوفیا کے سب طریقوں میں رائج ہے جس شخص کے لیے ذکر کا دروازہ کھل گیا ہے اسکے لیے اللہ جل شانہ' تک پہنچنے کا دروازہ کھل گیا۔ اور جو اللہ جل شانہ' تک پہنچ گیا وہ جو چاہتا ہے پاتا ہے کہ اللہ جل شانہ' کے پاس کسی چیز کی بھی کمی نہیں ہے۔

۴۴۔ آدمی کے دل میں ایک گوشہ ہے جو اللہ کے ذکر کے علاوہ کسی چیز سے بھی پر نہیں ہوتا اور جب ذکر دل پر مسلط ہو جاتا ہے تو وہ نہ صرف اس گوشہ کو پر کرتا ہے بلکہ ذکر کرنے والے کو بغیر مال کے غنی کر دیتا ہے اور بغیر نینہ اور جماعت کے لوگوں کے دلوں میں عزت والا بنا دیتا ہے اور بغیر سلطنت کے

بادشاہ بنادیتا ہے اور جو شخص ذکر سے غافل ہوتا ہے وہ شخص باوجود مال و دولت کنبہ اور حکومت کے ذلیل ہوتا ہے۔

۴۵۔ ذکر پراگندہ کو مجتمع کرتا ہے اور مجتمع کو پراگندہ کرتا ہے ادور کو قریب کرتا ہے اور قریب کو دور کرتا ہے پراگندہ کو مجتمع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے دل پر جو متفرق ہموم و غموم تفکرات پریشانیاں ہوتی ہیں ان کو دور کر کے جمعیت خاطر پیدا کرتا ہے اور مجتمع کو پراگندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی پر جو تفکرات مجتمع ہیں ان کو متفرق کر دیتا ہے اور آدمی کی جو لغزشیں اور گناہ جمع ہو گئے ہیں ان کو پراگندہ کر دیتا ہے اور جو شیطان کے لشکر آدمی پر مسلط ہیں ان کو پراگندہ کر دیتا ہے اور آخرت کو جو دور ہے قریب کر دیتا ہے اور دنیا جو قریب ہے دور کر دیتا ہے۔

۴۶۔ ذکر آدمی کے دل کو نیند سے جگاتا ہے۔ غفلت سے چوکنا کرتا ہے اور دل جب تک سوتا رہتا ہے اپنے سارے ہی منافع کھوتا رہتا ہے۔

۴۷۔ ذکر ایک درخت ہے جس پر معارف کے پھل لگتے ہیں، صوفیہ کی اصطلاح میں احوال اور مقامات کے پھل لگتے ہیں اور جتنی بھی ذکر کی کثرت ہوگی اتنی ہی اس درخت کی جڑ مضبوط ہوگی اور جتنی جڑ مضبوط ہوگی اتنے ہی زیادہ پھل اس پہ آئیں گے۔

۴۸۔ ذکر اس پاک ذات کے قریب کر دیتا ہے جس کا ذکر کر رہا ہے حتی کہ اسکے ساتھ معیت نصیب ہو جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے: اِنَّ اللّٰہ مَعَ الَّذِیْنَ الّقو۔ یعنی اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔

اور حدیث میں وارد ہے: اَنَا مَعَ عَبْدِی مَا ذَکَرَنِی، یعنی میں اپنے بندے کے ساتھ رہتا ہوں جب تک وہ میرا ذکر کرتا ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ذکر کرنے والے میرے آدمی ہیں میں ان کو اپنی رحمت سے دور

نہیں کرتا اگر وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں تو میں ان کا حبیب ہوں اور اگر وہ توبہ نہ کریں تو میں ان کا طبیب ہوں کہ ان کو پریشانیوں میں مبتلا کرتا ہوں تا کہ ان کو گناہوں سے پاک کروں۔ نیز ذکر کی وجہ سے جو اللہ تعالی کی معیت نصیب ہوتی ہے وہ ایسی معیت ہے جس کے برابر کوئی دوسری معیت نہیں ہے نہ وہ زبان سے تعبیر ہوسکتی ہے نہ تحریر میں آسکتی ہے اس کی لذت وہی جان سکتا ہے جس کو یہ نصیب ہو جاتی ہے۔(اَللّٰھُمّ ارزُقنِی مِنه شَیئًا)

۴۹۔ذکر غلاموں کے آزاد کرنے کے برابر ہے مالوں کے خرچ کرنے کے برابر ہے اللہ کے راستے میں جہاد کے برابر ہے۔

۵۰۔ذکر شکر کی جڑ ہے جو اللہ کا ذکر نہیں کرتا وہ شکر بھی ادا نہیں کرتا۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علی بنینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے اللہ تعالی سے عرض کیا آپ نے مجھ پر بہت احسانات کیئے ہیں مجھے طریقہ بتا دیجئے کہ میں آپ کا بہت شکر ادا کروں۔اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ جتنا بھی تم میرا ذکر کروگے اتنا ہی شکر ادا ہوگا۔۔دوسری حدیث میں حضرت موسیٰؑ کی یہ درخواست ذکر کی گئی ہے کہ یا اللہ تیری شان کے مناسب شکر کس طرح ادا ہو اللہ تعالی نے فرمایا کہ تمہاری زبان ہر وقت ذکر کے ساتھ تروتازہ رہے۔

۵۱۔اللہ کے نزدیک پرہیز گار لوگوں میں زیادہ معزز وہ لوگ ہیں جو ذکر میں ہر وقت مشغول رہتے ہوں اس لیے کہ تقوی کا منتہا جنت ہے اور ذکر کا منتہا اللہ کی معیت ہے۔

۵۲۔دل میں ایک خاص قسم کی قسوت (سختی) ہے جو ذکر کے علاوہ کسی چیز سے بھی نرم نہیں ہوتی۔

۵۳۔ذکر دل کی بیماریوں کا علاج ہے۔

۵۴۔ذکر اللہ کے ساتھ دوستی کی جڑ ہے اور ذکر سے غفلت اسکے ساتھ دشمنی کی جڑ ہے۔

۵۵۔اللہ کے ذکر کے برابر کوئی چیز نعمتوں کو کھینچنے والی اور اللہ کے عذاب کو ہٹانے والی نہیں ہے۔

۵۶۔ذکر کرنے والے پر اللہ کی صلوۃ (رحمت) اور فرشتوں کی صلوۃ (دعا) ہوتی ہے۔

۵۷۔جو شخص یہ چاہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی جنت کے باغوں میں رہے وہ ذکر کی مجالس میں بیٹھے کیونکہ یہ مجالس جنت کے باغ ہیں۔

۵۸۔ذکر کی مجلسیں فرشتوں کی مجلسیں ہیں۔

۵۹۔اللہ تعالیٰ ذکر کرنے والوں پر فرشتوں کے سامنے فخر کرتے ہیں۔

۶۰۔ذکر پر مداومت کرنے والا جنت میں ہنستا ہوا داخل ہوتا ہے۔

۶۱۔تمام اعمال اللہ کے ذکر ہی کے واسطے مقرر کیئے گئے ہیں۔

۶۲۔تمام اعمال میں وہی عمل افضل ہے جس میں ذکر کثرت سے کیا جائے روزوں میں وہ روزہ افضل ہے جس میں ذکر کی کثرت ہو حج افضل ہے جس میں ذکر کی کثرت ہو اسی طرح اور اعمال جہاد وغیرہ کا حکم ہے۔

۶۳۔یہ نوافل اور دوسری نفل عبادات کا قائم مقام ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ فقراء نے حضور ﷺ سے شکایت کی کہ یہ مالدار لوگ بڑے بڑے درجے حاصل کرتے ہیں۔ یہ روزے نماز میں ہمارے شریک ہیں اور اپنے مالوں کی وجہ سے حج عمرہ جہاد میں ہم سے سبقت لے جاتے ہیں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں جس سے کوئی شخص تم تک نہ پہنچ سکے مگر وہ شخص جو یہ عمل کرے۔ اسکے بعد حضور ﷺ نے ہر نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر پڑھنے کو فرمایا۔ یعنی حضور ﷺ نے حج، عمرہ، جہاد وغیرہ ہر عبادت کا بدل ذکر کو قرار دیا ہے۔

۶۴۔ذکر دوسری عبادات کے لیے بڑا معین و مددگار ہے کہ اسکی کثرت سے ہر عبادت محبوب بن جاتی ہے اور عبادات میں لذت آنے لگتی ہے اور کسی عبادت میں بھی مشقت اور بار نہیں رہتا۔

۶۵۔ذکر کی وجہ سے ہر مشقت آسان بن جاتی ہے اور ہر دشوار چیز سہل ہو جاتی ہے اور ہر قسم کے بوجھ میں خفت ہو جاتی ہے اور ہر مصیبت زائل ہو جاتی ہے۔

۶۶۔ذکر کی وجہ سے دل سے خوف و ہراس دور ہو جاتا ہے ڈر کے مقام پر اطمینان پیدا کرنے اور خوف کے زائل کرنے میں اللہ کے ذکر کو خصوصی دخل ہے اور اسکی یہ خاص تاثیر ہے جتنی بھی ذکر کی کثرت ہوگی اتنا ہی اطمینان نصیب ہوگا اور خوف زائل ہوگا۔

۶۷۔ذکر کی وجہ سے آدمی میں ایک خاص قوت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے ایسے کام اس سے صادر ہونے لگتے ہیں جو دشوار نظر آتے ہیں۔حضور ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو جب چکی کی مشقت اور کاروبار کی دشواری کی وجہ سے ایک خادم طلب کیا تھا تو سوتے وقت سبحان اللہ الحمدللہ ۳۳ مرتبہ اور اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ پڑھنے کا حکم فرمایا تھا اور یہ ارشاد فرمایا تھا کہ یہ خادم سے بہتر ہے۔

۶۸۔آخرت کے لیے کام کرنے والے سب دوڑ رہے ہیں اور اس دوڑ میں ذاکرین کی جماعت سب سے آگے ہے۔عمر مولی غفرہؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ قیامت میں جب لوگوں کو اعمال کا ثواب ملے گا تو بہت سے لوگ اس وقت حسرت کرینگے کہ ہم نے ذکر کا اہتمام کیوں نہ کیا کہ سب سے زیادہ سہل عمل تھا ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مفرد لوگ بڑھ گئے۔صحابہؓ نے عرض کیا کہ مفرد لوگ کون ہیں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ذکر پر مر مٹنے والے کہ ذکر ان کے بوجھوں کو ہلکا کر دیتا ہے۔

۶۹۔ذکر کرنے والے کی اللہ تعالی شانہٗ تصدیق کرتے ہیں اور اسکو سچا بتاتے ہیں اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ خود سچا بتائیں اس کا حشر جھوٹوں کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وَاللّٰه اَكْبَر کہتا ہے تو حق تعالی شانہٗ فرماتے ہیں میرے بندہ نے سچ کہا میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں سب سے بڑا ہوں۔

۷۰۔ذکر سے جنت میں گھر تعمیر ہوتے ہیں جب بندہ ذکر سے رک جاتا ہے تو فرشتے تعمیر سے رک جاتے ہیں جب ان سے کہا جاتا ہے کہ فلاں تعمیر تم نے کیوں روک دی تو وہ کہتے ہیں کہ اس تعمیر کا خرچ ابھی تک آیا نہیں ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص سبحان الله وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَالله الْعَظِيْمِ، سات مرتبہ پڑھے ایک گنبد اسکے لیے جنت میں تعمیر ہوجاتا ہے۔

۷۱۔ذکر جہنم کے لیے آڑ ہے اگر کسی بدعملی کی وجہ سے جہنم کا مستحق ہو جائے تو ذکر درمیان میں آڑ بن جاتا ہے اور جتنی ذکر کی کثرت ہوگی اتنی ہی پختہ آڑ ہوگی۔

۷۲۔ذکر کرنے والے کے لیے فرشتے استغفار کرتے ہیں حضرت عمرو بن العاص ؓ سے ذکر کیا گیا ہے کہ جب بندہ سبحان اللهوَ بِحَمْدِهٖ کہتا ہے یا اَلحَمدُ لِلّٰه رَبِّ الْعٰلَمِين کہتا ہے تو فرشتے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ اسکی مغفرت فرما۔

۷۳۔جس پہاڑ پر یا میدان میں اللہ کا ذکر کیا جائے وہ فخر کرتے ہیں۔حدیث میں آیا ہے کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کو آواز دے کر پوچھتا ہے کہ کوئی ذکر کرنے والا تجھ پر آج گزرا ہے اگر وہ کہتا ہے کہ گزرا ہے تو وہ خوش ہوجاتا ہے۔

۷۴۔ذکر کی کثرت نفاق سے بری ہونے کا اطمینان (اورسند) ہے کیونکہ اللہ جل شانہٗ نے منوفقوں کی صفت یہ بیان کی ہے کہ: وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا۔[1]

ترجمہ:نہیں ذکر کرتے اللہ کا مگر تھوڑا سا۔

---

[1] (سورۃ النسآء، پ۵، آیت نمبر۱۴۲)

کعبؓ احبار سے نقل کیا گیا ہے کہ جو کثرت سے اللہ کا ذکر کرے وہ نفاق سے بری ہے۔

۷۵۔تمام نیک اعمال کے مقابلہ میں ذکر کے لیے ایک خاص لذت ہے جو کسی عمل میں بھی نہیں پائی جاتی۔اگر ذکر میں اس لذت کو سوا کوئی بھی فضیلت نہ ہوتی تو یہی چیز اسکی فضیلت کے لیے کافی تھی مالک بن دینارؒ کہتے ہیں کہ لذت پانے والے کسی چیز میں بھی ذکر کے برابر لذت نہیں پاتے۔

۷۶۔ذکر کرنے والوں کے چہرہ پر دنیا میں رونق اور آخرت میں نور ہوگا۔

۷۷۔جو شخص راستوں اور گھروں میں سفر میں اور حضر میں کثرت سے ذکر کرے قیامت میں اس کے گواہی دینے والے کثرت سے ہوں گے حق تعالی شانہ‘ قیامت کے دن کے بارے میں فرماتے ہیں:

یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَھَا۔[1]

ترجمہ:اس دن زمین اپنی خبریں بیان کرے گی۔

حضورﷺ نے ارشاد فرمایا جانتے ہو اس کی خبریں کیا ہیں۔صحابہؓ نے لاعلمی ظاہر کی تو حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس مرد و عورت نے جو کام زمین پر کیا ہے وہ بتائے گی کہ فلاں دن فلاں وقت مجھ پر یہ کام کیا ہے (نیک ہو یا برا)۔اس لیے مختلف جگہوں میں کثرت سے ذکر کرنے والوں کے گواہ بھی بکثرت ہوں گے۔

۷۸۔زبان جتنی دیر ذکر میں مشغول رہے گی لغویات، جھوٹ، غیبت وغیرہ سے محفوظ رہے گی اس لیے کہ زبان تو چپ رہتی ہی نہیں یا ذکر اللہ میں مشغول ہوگی ورنہ لغویات میں۔اسی طرح دل کا حال ہے کہ اگر وہ اللہ کی محبت میں مشغول نہ ہوگا تو مخلوق کی محبت میں مبتلا ہوگا۔

۷۹۔شیاطین آدمی کے کھلے دشمن ہیں اور ہر طرح سے اسکو وحشت میں ڈالتے رہتے ہیں اور ہر طرف

---

[1] (سورۃ الزلزلۃ، پ۳۰، آیت نمبر۴)

سے اسکو گھیرے رہتے ہیں جس شخص کا یہ حال ہو کہ اسکے دشمن ہر وقت اسکا محاصرہ کئے رہتے ہوں اس کا جو حال ہوگا ظاہر ہے اور دشمن بھی ایسے کہ ہر ایک ان میں سے یہ چاہے کہ جو تکلیف بھی پہنچا سکوں پہنچاؤں ان لشکروں کو ہٹانے والی چیز ذکر کے سوا کوئی نہیں ہے۔ بہت سی احادیث میں بہت سی دعائیں آئی ہیں جن کے پڑھنے سے شیطان قریب بھی نہیں آتا اور سوتے وقت پڑھنے سے رات بھر حفاظت رہتی ہے۔